Marfat.com

مقالات

جلد دوم

از

پیر محمد کرم شاہ الازہری

(سجادہ نشین بھیرہ)

مرتبہ

پروفیسر حافظ احمد بخش

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

۹ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

Marfat.com

86521

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	مقالات (جلد دوم)
	از پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری
مرتبہ	پروفیسر حافظ احمد بخش (ایم ۔ اے)
اشاعت اول	جنوری ۱۹۹۰ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	۷۵ روپے
مطبع	اے کے زیڈ پرنٹرز ۔ لاہور

Marfat.com

ترتیب

مقام مصطفیٰ انجیل کی روشنی میں ۸
معجزۂ معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳
اقبال کا نظریہ محبت ۴۷
اسلام اور مزارعت ۶۱
اسلام میں اجتہاد کی اہمیت وضرورت ۷۷
اسلام کا ایک تعزیری قانون ۹۵
مزدوروں کی گم شدہ جنت ۱۱۳
علم کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ ۱۵۱
احناف کے نزدیک نماز جنازہ کا طریقہ ۱۷۳
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۹۳
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باغ فدک ۲۰۹
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ ۲۳۷
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خلفائے راشدین ۲۶۵
سیدنا امام حسین علیہ السلام اور یزید ۲۹۳
ایک شیعہ دوست کے جواب میں ۳۳۷
پیمان سرفروشی ۳۶۷
ثانی لاثانی حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ ۳۹۵
حضرت خواجہ قمر الملت والدین رحمتہ اللہ علیہ ۴۰۹
اسلامی نظریاتی کونسل کے سوالات کے جوابات ۴۲۵

Marfat.com

Marfat.com

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی • لاہور پاکستان
ذخیرہ

مقامِ مصطفیٰ ﷺ

انجیل کی روشنی میں

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس ماہِ مبارک (ربیع الاوّل) کی آمد آمد ہے جس میں اللہ تعالٰے کے محبوب بندے اور اس کی ساری مخلوق کے مرشد کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اس ہادیِ برحق کی بعثت کسی خاص قبیلہ، قوم یا ملک کی تقدیر کو سنوارنے کے لیے نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کا فیضانِ نبوت کسی خاص زمانہ تک محدود تھا۔ بلکہ رب العالمین نے اسے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ مکان اور زمان کی سرحدیں اس کو محدود نہیں کر سکتی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ نوعِ انسانی جو مختلف قوموں، مذہبی گروہ بندیوں اور سیاسی دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی اس کو متحد و منظم کیا جائے۔ مختلف عصبیتوں نے نفرت و عداوت کے جو شعلے بھڑکا رکھے تھے انھیں مسکراتی کلیوں اور شگفتہ پھولوں میں تبدیل کیا جائے۔ انسانی صلاحیتیں جو ایک دوسرے کی تخریب و تدمیر میں ضائع ہو رہی تھیں انھیں اصلاحی اور تعمیری کاموں میں صرف کیا جا سکے۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء و رسل تشریف لائے تھے ان کے پیشِ نظر ایک قوم کی اصلاح ہوا کرتی ان کے لائے ہوئے قوانین و ضوابط کی

Marfat.com

افادیت ایک مقرر وقت تھی۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے انھیں حکم دیا کہ اپنی اپنی امتوں کو اس رسول معظم کی تشریف آوری کی اطلاع دے دیں اور انھیں تاکید کریں کہ جب نبی رحمت تشریف لائے تو بلا تامل اس پر ایمان لائیں، اس کے حلقہ بگوش بن کر اس کے لائے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ برکتوں والی گھڑی آئے اور بے خبری میں وہ اس کو ضائع کر دیں، داعیٔ حق انھیں دعوتِ حق دے اور سنی ان سنی کر دیں، بلکہ قرآنِ کریم میں صراحۃً موجود ہے کہ روزِ الست، جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام مخلوق سے اپنی ربوبیت کا پختہ وعدہ لیا تھا: (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى) اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے تمام انبیاء و رسل سے نبی آخر الزماں، مرشد انس و جاں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی تائید و نصرت میں اپنا فرض بجا لانے کا بھی وعدہ لیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ

(آل عمران آیت ۸۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالےٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب و حکمت سے پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کہ نے اقرار کر لیا

Marfat.com

اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا (اللہ نے)

فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت کا اگر آپ بغور مطالعہ کریں گے تو اس کی اہمیت آپ پر واضح ہو جائے گی۔

سورہ الصف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی بعثت کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ

ترجمہ: اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام نامی ''احمد'' ہوگا۔

اس ارشاد میں حضرت عیسیٰ۔ دینی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بات بھی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ میں تمہارے پاس اس رسول کی آمد کا مژدہ سنانے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا جس کا اسم گرامی ہوگا احمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں اور اس کا مطالعہ کرنے والوں کے نزدیک تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے لیکن جو لوگ اس صحیفۂ ہدایت پر ایمان لانے کی سعادت سے ابھی تک بوجوہ ہیں ان کے لیے تورات و انجیل میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء سابقین نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بار بار بشارتیں دی ہیں۔ اہل کتاب، یہودی ہوں یا عیسائی ان کے نزدیک یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے

Marfat.com

کہ ان کی کتابوں میں ہر قسم کی تحریف راہ پا چکی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار نے بائیبل کے عنوان پر جو مقالہ تحریر کیا ہے اس میں بڑی شرح و بسط سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"اٹھارہویں صدی کے آغاز تک پروٹسٹنٹ فرقہ کے تقریباً تمام لوگ یہ یقین کرتے تھے کہ عہد نامہ جدید (چاروں انجیلوں کے مجموعہ کو عہد نامہ جدید کہتے ہیں) ایک ایسی الہامی کتاب کا مجموعہ ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، لیکن جب انجیلوں کے متن پر تنقید و تبصرہ کا آغاز ہوا تو اس عقیدہ کو ضرب کاری لگی۔"

The editions of MILL (1717) and of WETSTEIN (1751) proved once for all that varaation in the Text, many of serious had existed from the earliest times. (P-622 V 3).

ترجمہ: مل (متوفی ۱۷۱۷) اور ویٹ سٹین (متوفی ۱۷۵۱) کے ایڈیشنوں میں اس بات کو ہمیشہ کے لیے ثابت کر دیا کہ عہد نامہ جدید میں جو انجیلیں شامل ہیں ان کے متنوں میں بڑے اختلافات موجود ہیں جن میں سے بعض بڑے شدید نوعیت کے ہیں۔ اور یہ ابتدائی دور سے ان میں پائے جاتے ہیں۔

اہلِ کتاب کے علماء اور محققین نے جب خود تسلیم کر لیا کہ یہ کتابیں تحریف کا بُری طرح شکار ہو چکی ہیں۔ اس صورت میں ایسی صریح آیات کا جن میں حضور کی آمد کی بشارت دے کر دی گئی ہو، نہ پایا جانا قطعاً محلِ تعجب نہیں اپنی آسمانی کتب میں جس فراخدلی سے وہ تغیر و تبدل

Marfat.com

برداشت کرایا کرتے تھے انھیں مقاصد کے سبب لیے اگر انھوں نے ان آیات کو بدل ڈالا ہو جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم گرامی ہو تو کچھ بعید نہیں ۔ لیکن ان تحریف شدہ انجیلوں میں آج بھی بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن کا اگر تعصب سے بالاتر ہو کر انصاف سے مطالعہ کیا جائے تو انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان آیات کا مصداق بجز ذات پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا وطن فلسطین تھا۔ اہل فلسطین کی زبان سریانی تھی یقیناً یہ کتب بھی اسی لغت میں لکھی گئی ہوں گی لیکن ان انجیلوں کے اصلی نسخے جو سریانی زبان میں تھے وہ سرے سے غائب ہیں ان کا سراغ تک نہیں ملتا، کیونکہ فلسطین اور اس کے گرد و نواح کے ممالک یونانیوں کے قبضہ میں تھے۔ اس لیے ان سریانی انجیلوں کا ترجمہ بعد یونانی زبان میں کیا گیا لیکن بدقسمتی سے ان اولین یونانی تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا ہے۔ ترجمہ کرنے والوں نے کتنی ہی احتیاط سے کام لیا ہو چار صدیوں کی طویل مدت میں ترجمہ در ترجمہ کا جو سلسلہ جاری رہا اس نے اصل کتاب کو کس قدر متاثر کیا ہو گا یہ محتاج بیان نہیں خصوصاً جب کہ اصل سریانی نسخے ناپید ہو چکے ہوں۔ بایں ہمہ قدرت خداوندی سے وہ بشارتیں اب بھی موجودہ انجیلوں میں موجود ہیں جن میں سے چند ایک ہدیہ قارئین ہیں:

(۱) (حضرت مسیح نے اپنے حواریوں کو کہا) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو۔ میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ وہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔

(یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶، ۱۷)

Marfat.com

(۲) (آپ نے فرمایا) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۱)

(۳) لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۸-۹)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کے آنے کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر از راہ تعصب کوئی شخص مصر ہو کر مجھے انجیل میں حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کا اسم گرامی دکھائیے تو ہم اس کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ فلسطین وغیرہ ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی۔ اسلامی فتح کے تقریباً تین سو سال تک یہی سریانی وہاں کی علاقائی زبان کی حیثیت سے باقی رہی۔ فتح کے بعد مسلمان علماء کی آمد و رفت اس علاقہ میں شروع ہوئی عیسائی علماء سے ان کے تعلقات قائم ہوئے اور ان سے براہِ راست استفادہ اور افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات دیگر ممالک کے عیسائیوں کو در پیش تھے مسلمان علماء کو ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ سریانی زبان بولنے والے علماء اہل کتاب سے ان کے مذہب اور انبیاء کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔ معروف اور ثقہ سیرت نگار علامہ ابن ہشام کی سیرت کا مطالعہ کرنے

Marfat.com

سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن ہشام کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری متوفی ۱۸۳ھ کے واسطہ سے محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

المنحمنا بالسریانیہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو بالرومیۃ البرقلیطس۔

یعنی منحمنا سریانی لفظ ہے اس کا معنی محمد ہے اور رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس کیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہشام نے فلسطینی علماء سے اس آیت کو روایت کیا ہے۔ اس میں قطعاً شک کی گنجائش نہ رہی کہ موجود انجیل میں بھی حضور کا اسم گرامی موجود ہے۔ اہل کتاب کیونکہ ناموں کا ترجمہ بھی کر دیا کرتے تھے حالانکہ عام طریقہ یہ ہے کہ ناموں کا جوں کا توں ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ اصل کتاب میں "احمد" نام مذکور ہو اور انھوں نے اس کا ترجمہ کر کے "منحمنا" اور "برقلیطس" کر دیا ہو۔

یہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب صرف چار انجیلوں پر ہی اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی کے بعد پردۂ غیب سے ایک اور انجیل ظہور میں آتی ہے جس کو "انجیل برنا باس کہتے ہیں" جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک نہیں بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے کر حضور کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ اس سے پیشتر کہ میں اس انجیل کے حوالے پیش کروں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ برنا باس سے قارئین کا تعارف کرا دوں کہ وہ کون تھا اور ابتدائی دور کے عیسائیوں میں اس کا علمی اور دینی مرتبہ کیا تھا تاکہ دل میں کسی

Marfat.com

قسم کی خلش باقی نہ رہے ۔

برناباس، قبرص کا باشندہ تھا اس کا نام (Joses) تھا بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا۔ عمر بھر بڑی وفاداری کے ساتھ آپ کی رفاقت میں رہا آپ کے دین کی اشاعت اور ترقی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے مواعظ بڑے دلنشین اور اثر آفریں ہوتے جن سے سامعین از حد متاثر ہوتے۔ ابتدائی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت، آپ کی فطرت، اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ آپ کا تعلق قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ آپ کے سارے حواری اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کو انسان اور اللہ تعالےٰ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ "سینٹ پال" نے عیسائی مذہب کو قبول کیا۔ پال یہودی تھا۔ طرطوس کا باشندہ تھا۔ کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے بہت متاثر ہوا عیسائیت کو بھی اس نے اس مشرکانہ ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ اسے عوام کی نگاہوں میں قابل قبول بنا سکے۔ اپنے ملک کی ترقی کے لیے برناباس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے لیکن پال، کی بدعتوں اور جدت طرازیوں کے باعث برناباس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ اس سے الگ ہو گیا۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ یوں برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مالک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے ۔

برناباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی، لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس

Marfat.com

نیکیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کر دیا جائے جس کے پاس یہ انجیل ہے۔ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ ۳۸۲ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا۔ اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ ٹولینڈ (Toland) نے اپنی تصنیف Misacll Neoles works کی جلد اول صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا ہے کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ مسٹر ریگ (Ragg) نے ۱۹۰۰ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا جس کے سارے نسخے پراسرار طریقے سے بازار سے غائب کر دیئے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ پیش نظر نسخہ واشنگٹن کی کانگرس لائبریری سے حاصل کیا گیا۔ اس انجیل کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف غلط منسوب کر دیا ہے بڑا مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کر دی تھی۔ حضور کی آمد سے پہلے کون سا مسلمان تھا جس نے اس کو تصنیف کیا۔ اور برناباس کی طرف منسوب کر دیا برناباس پر کلیسا کے غیظ و غضب کی وجہ یہ تھی کہ اس میں اللہ تعالے کی توحید کو زوردار دلائل سے پیش کیا گیا۔ حضرت عیلے علیہ السلام کے اپنے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں۔ اس لیے انھوں نے اس انجیل کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا انجیل برناباس کی تاریخی حیثیت کے بارے میں مفصل بحث ضیاء القرآن جلد پنجم سورہ صف میں ملاحظہ ہو۔ جس طرح اس میں عقیدہ توحید کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے اسی طرح اس میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں متعدد بشارتیں بھی

Marfat.com

موجود ہیں جن میں سے چند ناظرین گرامی کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں ان کے مطالعہ سے جہاں ان آیاتِ قرآنی کی تصدیق ہو جائے گی جن میں یہ مضمون مذکور ہے۔ وہاں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خداداد عزت وشان اور حضور کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو جو والہانہ عقیدت ہے اس کا بھی پتہ چل جائے گا۔

اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے بعید نہیں کہ ان اقتباسات کے مطالعہ سے ان دوستوں کی غلط فہمیاں بھی دُور ہو جائیں جو حضور رحمت عالم شفیع المذنبین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات اور صفاتِ حمیدہ کو گھٹانا اپنے عقیدہ توحید کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ اور ہر ایسی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اپنی ساری قابلیتیں وقف کر دیتے ہیں جن میں عظمتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہو۔

اب چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) انجیل برناباس کے باب ۱۷ میں حضرت یسوع کا یہ ارشاد موجود ہے

تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں جنھیں خدا نے دنیا میں بھیجا، پردے میں بات کی مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدسیوں کا سرتاج آئے گا، اور تمام پردے کی باتوں کو جو نبیوں نے کیں واضح کرے گا، کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔

(۲) اسی انجیل کے باب ۴۲ میں درج ہے۔

کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں تو آپ نے کہا:

کہ مسیحا نہیں ہوں۔ میں تو ایک آواز ہوں جو سارے جودیا (یہودی ریاست) میں پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے رسول کے لیے راستہ تیار کرو۔

Marfat.com

(۳) آپ کے دل میں اس ذات عالی شان کے بارے میں عقیدت و احترام کے جو جذبات ہیں اسی باب میں آپ ان کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

"میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کے بند یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں جسے تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور میرے بعد آئے گا اور سچائی کا کلام لائے گا اور اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی۔"

(۴) باب ۹۵ کی ایک آیت ملاحظہ ہو :

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لیے لایا ہے.......... اور خدا کا رسول جب آئے گا تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لیے جو اس کا دین قبول کرے گی نجات اور رحمت لائے گا۔"

اسی چیز کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا :

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ۔

(۵) حضور کی آمد کی خوشخبری سناتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کو یوں خطاب کرتے ہیں :

"میں تمھیں بتاتا ہوں کہ خدا کا رسول اسی شان و شوکت والا ہے کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا اس کو مسرت سے معمور کر دے گا کیونکہ وہ آراستہ ہے فہم و فراست کی روح سے، عقل و لیاقت کی روح سے، دانائی و اعتدال کی روح سے، وہ آراستہ ہے سخاوت اور رحم کی روح سے، انصاف اور تقویٰ کی روح سے، شرافت و صبر کی روح سے، جو اس نے خدا سے اپنی

Marfat.com

تمام مخلوقات سے تین گنا زیادہ عطا کی ہیں۔ کیا ہی مبارک ہوگا وہ وقت جب وہ دنیا میں آئے گا۔

یقین جانو! میں نے اسے دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے جیسے ہر نبی نے دیکھا ہے کیوں کہ اسی کی روح سے خدا نے تمام انبیاء کو نبوت دی۔ اور جب میں نے اسے دیکھا تو میری روح تسکین سے بھر گئی۔

اس وعظ کے آخری فقرے، جس بے پایاں محبت اور شوق فراواں کے آئینہ دار ہیں انھیں ملاحظہ فرمائیے:

"آپ نے کہا، یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا تیرے ساتھ ہو اور مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں کیونکہ اگر یہ سعادت مجھے نصیب ہو تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کا مقدس بندہ بن جاؤں گا۔

(یہ خطبہ باب ۴۴ سے ماخوذ ہے جو انگریزی ایڈیشن کے صفحہ ۵۸-۵۹ پر درج ہے۔)

(۶) باب ۹۷ کی پہلی آیت۔ آپ کہتے ہیں:

گو میں اس کے موزے کھولنے کے لائق نہیں ہوں مگر اللہ تعالےٰ نے مجھ پر خاص فضل اور رحمت فرمائی کہ میں اس کی زیارت سے مشرف ہوا۔

(۷) اسی باب میں کاہن نے جب یہ دریافت کیا کہ اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کس نشانی سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا آپ نے جواب دیا:

"اس مسیح کا نام Admirable یعنی قابلِ تعریف ہے کیونکہ خود خدا نے اس کا یہ نام رکھا جب اس نے اس کی روح پیدا کی۔ اور اسے ملکوتی

Marfat.com

شان وشوکت میں رکھا۔ خدا نے کہا: یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) انتظار کر کیونکہ میں تیری خاطر بہشت، ساری دنیا اور لاتعداد مخلوق پیدا کئے جاتا ہوں جس کو میں تجھے تحفوں میں دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ جو تجھے مبارک کہے گا مبارک ہو گا اور جو گستاخی کرے گا وہ ملعون ہو گا جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا رسول نجات بنا کر بھیجوں گا اور تیرا کلام سچا ہو گا۔ آسمان و زمین ٹل سکتے ہیں لیکن تیرا دین نہیں ٹلے گا۔"

آخر میں آپ نے کہا:

"اس نبیِ رحمت کا مبارک نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے۔"

یہ سن کر حاضرین کے جمِ غفیر نے اپنی آوازیں بلند کرتے ہوئے کہا: "اے خدا! ہماری طرف اپنا رسول بھیج دے۔ یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لائیے۔"

اس طرح کے بے شمار ارشادات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسول عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے آخری رسول اور اس کی ساری مخلوق کے نجات دہندہ کی شان عظمت و جلال کو بیان فرمایا ہے۔ چند ایک کے ذکر پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

اب آپ تخلیقِ آدم کے بارے میں آپ کے ارشادات سماعت فرمائیے:

"جب آدم اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا تو انھوں نے فضا میں ایک تحریر دیکھی، جو سورج کی مانند جگمگا رہی تھی۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس پر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا: اے خداوند! میرے خدا! میں تیرا شکرگزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تجویز فرمائی لیکن میں بڑی منت سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے

Marfat.com

بتا کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے۔ "محمد رسول اللہ"، کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مرحبا! اے میرے بندے آدم! میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جسے تو نے دیکھا ہے تیرا بیٹا ہے جو عرصہ دراز کے بعد دنیا میں تشریف لائے گا اور میرا رسول ہو گا۔ جس کی خاطر میں نے ساری چیزیں پیدا کی ہیں جو آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا۔ جس کی روح میرے ہر چیز کے پیدا کرنے کے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی نشان میں رکھی گئی تھی۔" (باب ۲۹ ص۵۰ انگریزی ایڈیشن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس بیان سے ان احادیث کی بھی تائید ہوتی ہے جن میں یہ درج ہے کہ سب سے پہلے جس چیز کی تخلیق ہوئی وہ نور محمدی ہے اور ساری کائنات کو اس کی خاطر خلعت وجود سے نوازا گیا ہے۔ اگر اس ذات والا صفات کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو کوئی چیز بھی نیست سے ہست نہ ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام پر جب شانِ محمدؐ آشکارا ہوئی تو آپ نے بارگاہ رب العزت میں جو درخواست پیش کی اس کا بیان بھی آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاک زبان سے سنیئے:

"آدم نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوندا! یہ تحریر میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر درج فرما دے۔ تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر یہ تحریر درج کر دی دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا "لا الٰہ الا اللہ" اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا "محمد رسول اللہ"۔ تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے ان الفاظ کو بوسہ دیا اور ان پر اپنی آنکھیں ملیں اور کہا یا رسول اللہ وہ دن کتنا مبارک ہو گا جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے۔" (باب۳۹)

Marfat.com

اہلِ سنت اپنے محبوب مکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا نام نامی سنتے ہیں اور فرطِ محبت عقیدت سے اپنے انگوٹھوں کو چومتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں. درحقیقت یہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی سنت ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔

باب ۴۱ میں بھی آدم علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے آپ اس واقعہ کا ذکر رہے ہیں جب کہ حضرت آدم کو دانا کھانے کی پاداش میں جنّت سے نکالا جا رہا ہے :

خدا نے اپنے تئیں پوشیدہ کیا اور میکائیل فرشتہ نے انھیں جنت سے باہر کر دیا. اس وقت آدم نے پیچھے مڑکر دیکھا تو جنت کے دروازے کے اوپر یہ رقم تھا: لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ۔

اس پر آدم نے رو کر کہا: خدا کی مرضی ہو لے میرے فرزند تو جلد آ اور ہمیں اس بدبختی سے باہر نکال. قیامت کے روز حضور نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی شان رفیع کا جس طرح اظہار ہوگا اس کو حواری برنا باس نے اپنی انجیل کے باب ۵۴ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے. آپ فرماتے ہیں :

"جب یہ نشانیاں ہو چکیں تو دنیا پر چالیس سال تاریکی چھائے رہے گی...... پھر خدا اپنے رسول کو زندہ کرے گا جس کی چمک دمک ہزاروں آفتابوں کی مانند کر رہی ہوگی......... پھر خدا اپنے چاروں برگزیدہ فرشتوں کو اٹھاتے گا اور وہ خدا کے رسول کو تلاش کریں گے اور اسے پا کر اس جگہ کے چاروں طرف اس کی نگرانی کے لیے کھڑے ہوں گے. اس کے بعد تمام فرشتوں کو جلائے گا جو خدا کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح چکر لگائیں گے. اس کے بعد خدا اپنے تمام نبیوں کو زندہ کرے گا وہ آدم کے پیچھے ایک ایک کر کے خدا کے رسول کے

Marfat.com

دست مبارک کو بوسہ دیں گے اور اپنے تئیں آپ تئیں کی پناہ میں سونپ دیں گے۔ پھر خدا تمام برگزیدوں کو زندہ کرے گا جو پکار اٹھیں گے: یا رسول اللہ! ہمارا خیال رکھئے۔ ان کی پکار پر خدا کے رسول کا رحم جاگ اٹھے گا۔"

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"اور خدا اپنے رسول سے گفتگو فرمائے گا کہ تیرا آنا مبارک۔ اے میرے وفادار بندے! سو مانگ جو تو چاہے۔ تجھے سب کچھ ملے گا۔ خدا کا رسول جواب دیگا: اے خداوند! مجھے یاد ہے کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو فرمایا تھا کہ میری محبت میں تو دنیا اور بہشت اور فرشتے اور انسان بنانا چاہتا ہے تاکہ وہ میرے واسطے سے تیری تمجید کریں۔

سنو خداوند! خدائے رحیم وعادل۔ میں تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ اپنے بندے سے اپنا کیا ہوا وعدہ یاد کر۔"

اگرچہ بے شمار حوالہ جات ہیں جنھیں پڑھ کر ایمان تازہ اور دل روشن ہوتا ہے لیکن خوفِ طوالت سے میں انھیں چند حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اولوالعزم رسول عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات کے آئینہ میں کمال مصطفوی کا عکس جمیل دیکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور میلاد مبارک کی اس تقریب سعید پر اپنے عظیم المرتبت بندے اور کامل و اکمل رسول کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا شوق ارزانی فرمائے جس کی ثناگستری میں جن وانس، حور و ملک، انبیاء و رسل، اولیاء و علماء گزرے ہوئے اور قیامت تک آنے والے صالحین اور کاملین رطب اللسان ہیں۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

Marfat.com

معجزہ

معراجِ مصطفیٰؐ

86521

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

(سورہ بنی اسرائیل)

اس آیت کریمہ میں فخر موجودات، سید کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم خفیفت انسان نے پہلے بھی بہت رد و قدح کی اور آج بھی وادیلا مچا رکھا ہے۔ اس لیے اس مقام کا تقاضا ہے کہ تفصیل لاطائل سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے حق کی پہچان ہو جائے اور شکوک و شبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کا سدباب ہو جائے۔

Marfat.com

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالےٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش مکّہ کو دعوت توحید دی تھی، اسی روز سے عداوت و عناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب امڈ کر آ گیا تھا رنج و غم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا لیکن اس تاریکی میں حضرت ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجودِ مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانیت کا سبب بنا کرتا تھا بعثت نبوی کے دسویں سال مہربان و شفیق چچا نے وفات پائی اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مونس و ہمدم، دانش ور اور عالی حوصلہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ کفار مکّہ کو ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی اب کوئی نہ رہا تھا جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکّہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ اس دعوتِ توحید کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے رحمتِ الٰہی نے اپنی عظمت و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لیے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لیے بلایا کہ حضور کو اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفرِ اسریٰ کے لیے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں

Marfat.com

ہوسکتا تھا۔ اس مقدس سفر کا تفصیلی تذکرہ تو کتب احادیث و سیرت میں ملے گا۔ یہاں اجمالی طور پر ان واقعات کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے، خواب سے بیدار کیا، اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی، حضور اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے، سینۂ مبارک کو چاک کیا گیا۔

قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا ایک طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینۂ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لاتے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی، وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقے سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں۔ براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے، جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور کے لیے چشم براہ تھے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح لتومنن بہ کا جو وعدہ روز ازل میں ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا؛ (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی بعد ازاں مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پرکشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نے مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح۔ (یعنی اے نبی صالح! خوش آمدید اور فرزند دلبند مرحبا) کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی

Marfat.com

کی تجلی گاہ تھی، جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوتے اور آگے بڑھے۔ —— کہاں تک گئے؟ اسے مادسمجھا کیا سمجھیں؟ زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ "ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" وہاں کیا ہوا؟ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہِ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ۔ (سیرت النبی جلد ۳)

اسی مقام قرب اور نوشۂ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ نمازوں کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس ہی کا رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرماتے خاکدانِ ارضی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی، سپیدہ سحر کا کہیں نام نشان تک نہ تھا۔

واقعۂ معراج کو اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے اسی لیے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے۔ انھوں نے اسے اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں

Marfat.com

کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا۔ انھیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنانِ اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے، بلکہ جب حضرت ابوبکرؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت و عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کرسکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد و ضوابط، اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہوسکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے۔ وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ جب اس نے بتادیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے۔ جو علیٰ كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں؟ اس لیے جب شبِ اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے بعض نے صاف انکار کردیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کرلیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

لیکن آج قدرے صورت حال مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے دوسرا گروہ وہی ماننے والوں اور یقین کرنے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہوگیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ وہ نہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت

Marfat.com

رکھتے ہیں۔ ناچار اس واقعہ کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے، لیکن اس کے سارے حسن و جمال پہ پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پہ بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دل میں سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اسلام پہ وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہے کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالےٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعثِ تخلیق کائنات، سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کا سچا رسول مانتے ہیں، ان کے لیے تو واقعۂ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس آیت جلیلہ کی مختصر سی تشریح کی جاتی ہے۔

آیت کا آغاز "سبحان" کے کلمہ سے کیا گیا۔ یہ سبح یسبح سے علم ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

علم لتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل مضمر ودل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیه اعداء الله (کشاف)

یعنی یہ تسبیح مصدر کا علم ہے، جس طرح عثمان (اس کا ہم وزن کسی شخص کا علم ہوتا ہے) اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ

Marfat.com

تمام کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالےٰ کو متہم کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

عن طلحة قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم

عن تفسیر سبحان الله فقال تنزیه الله من کل سوءٍ۔

سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ ہر عیب ونقص، ہر کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے، اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا بطور دلیل ارشاد فرمایا:

الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ

یعنی اللہ تعالےٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا۔ اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں۔ جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے۔ واقعی اس کی قدرت بے پایاں، اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں جس واقعہ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالےٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

"اسریٰ" رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لَیْلًا پر تنوین تقلیل کی ہے یعنی یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے

Marfat.com

ایک قلیل حصہ میں بڑی طمانیت اور عافیت سے طے پایا۔ اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بِعَبْدِہٖ کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بے مثل رفعت شان اور بے مثالی عزت کو دیکھ کر امت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہِ صمدیت میں مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی پر فائز ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے دریافت کیا:

بم اشرفك يا محمد؟

اے سراپا حمد و ثنا! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں؟ تو حضور نے جواباً عرض کی:

بنسبتی الیك بالعبودیة

مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لیے خود پسند فرمایا تھا۔

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا..... الخ ان کلمات میں اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا نہ سنا بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن حیات کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالےٰ کی قدرت، عظمت، علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے آپ کو دکھا دیے گئے۔

Marfat.com

اب آپ خود فرمائیے کہ جو لوگ معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں، ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیوں کر بن سکتا ہے!

قرآن کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رویا یعنی خواب تھا۔ ارشادِ باری ہے: مَاجَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔

یہاں رؤیا کا لفظ ہے، اس کا معنی خواب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لیے دکھایا تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج ہی کا ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے،

قال ابن عباس ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

ولو كانت رؤیا منام ما افتتن بها احد ولا انكرها فانه یستبعد علی احد ان یری نفسه یخترق السموٰت ویجلس علی الكرسی ویكلمه الرب۔ (احکام القرآن)

یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور

Marfat.com

نہ ہوتی اس کا انکار کرتا ہو کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمانوں کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو بھی مستبعد اور خلافِ عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں جا سکتا۔

یہ لوگ حضرت انسؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا:

ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام"

"پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔" اس روایت کے متعلق فنِ حدیث کے ماہر کی تصریح ملاحظہ فرمائیے، شبہ خود بخود دُور ہو جائے گا۔

فرماتے ہیں: یہ الفاظ حضرت انسؓ سے شریکؓ نے نقل کیے ہیں۔ اور شریک لیس بالحافظ عند اھل الحدیث (روح المعانی جلد ۱۵) کہ اہلِ حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہیں۔

دوسری روایت سُنیے:

ان ھذا اللفظ رواہ شریک عن انس وکان قد تغیر باخرہ فیعول علی روایات الجمیع۔ (احکام القرآن لابن عربی)

یہ الفاظ حضرت انسؓ سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں۔ ان کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی روایات کے بجائے ان روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انسؓ سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں۔

Marfat.com

وقد روی حدیث الاسری من انس جماعة من الحفاظ المتقنین والائمة المشهورین کابن شھاب وثابت البنانی و قتادہ فلم یأت احدٌ منھم بما اتی بہ شریک (روح المعانی جلد ۱۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقولہ فی حدیث شریک عن انس ثم استیقظت فاذا انا فی الحجر معدود فی غلطات شریک۔

یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو بھی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام بھی نہ ہوئے تھے نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں علامہ جیانی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

وما روی عن عائشہ ومعاویہ انہ کان مناما فلعلہ لا یصح لم یکن فی ذالک حجۃ لانھما لم شاھدا ذالک لصغر عائشۃ وکفر معاویۃ ولانھما لم یسندا ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا حدثا بہ عنہ۔ (بحر المحیط)

[illegible] کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انھوں نے بھی بڑے

Marfat.com

شد و مد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طویل بحث کی ہے. ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوتے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں، خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ بھی کیوں نہ بگڑ جائے عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالے کے قادر مطلق ہونے کے دلائل وبراہین کو ہی کیوں منہدم نہ کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے. کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے۔

کیا آپ کی معذرت خواہی کو انھوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے؟

ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل، بجز اس کے کہ صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔

ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا. اس میں حضرت سرسیّد نے لکھا ہے کہ واقعۂ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں، ایک دوسرے سے اس قدر متناقض ہیں کہ صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھودیتی ہیں۔ (مقالاتِ سرسید ۶۲ صفحہ)

لیکن تناقص وتضاد کے جو نمونے انھوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ اس وقت حطیم میں تھے، دوسری میں ہے

Marfat.com

کہ حجر میں تھے، تیسری میں ہے کہ مسجدِ حرام میں تھے "؛

ذرا غور فرمائیے! کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے؟ حطیم اور حجر تو ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں تو کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔ یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجدِ حرام میں ہے۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے؛

"ثم صعد بی الی السماء السادسہ فاذا موسیٰ"

پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ دوسری حدیث میں؛

ثم عرج بنا الی السماء السادسہ فاذا انا بموسیٰ فرحت لی ودعالی۔

پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے موسیٰؑ کو پایا، انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی۔

تیسری حدیث میں ہے:

"لما جاوزت فبکی"

جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے؟

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس

Marfat.com

کے متعلق خود علماء حدیث نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک و شبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمایئے جو معراج اور دیگر معجزات کا اسی لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہے، ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام، اس میں بے عدیل ارتباط اور موزونیت، بے مثل ترتیب، اور یکسانیت اس امر پر بنا پر عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کے مطابق عمل پیرا ہے۔

جنھیں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے اور فطرت کے قوانین اٹل ہیں۔ ان میں ردّ و بدل ممکن نہیں، ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لیے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے، اس لیے یہ بھی عقلاً محال ہے۔

اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف جو کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف اور نوامیس قدرت سے برسرِ پیکار، بلکہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ

الاتیان بامر خارق للعادۃ یقصد بہ بیان صدق من ادّعیٰ انہ رسول اللہ (المسامرہ وغیرھا من کتب العقائد)

یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانونِ فطرت

Marfat.com

اور نوامیس قدرت کے خلاف مانا جاتا ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ معجزات قانونِ فطرت کے مطابق ہی رونپذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانونِ فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوریٰ ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے ان کا احاطہ کر لیا ہے، انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنسدان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا۔

نیز قوانین قدرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں، یہ بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابلِ تسلیم ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جائے! اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش و زیبائش کے لیے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہلِ خرد کے نزدیک یہ خیال محلِ نظر ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

It is an unwarranted idealism and optimism which finds the course of nature so wise an so good that any change in it must be regarded as incredible. (Ency. Bri. V 15 P 586).

یہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے۔ جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں

Marfat.com

یا نہیں؟ اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد معجزے کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصوّر یہ ہے کہ خدا اور فطرت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یا آپ خدا کو خالقِ کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر و شر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے لیکن کچھ کر نہیں سکتا، تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے لیکن اگر آپ ذاتِ خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادرِ مطلق اور مدبّر با اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علّت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیشِ نظر خلافِ معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے، کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے۔ وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔

ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ روزانہ رات کو دس بجے سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے۔ اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں

Marfat.com

کہ آج خلافِ معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے۔ اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہیئے اور کسی چیز کا خلافِ معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا:

The law of nature may be regarded as habits of the divine activity, and miracles as unusual acts which, while consistant with divine character, mark a new stage in the fulfilment of the purpose of God. (Ency. Bri V 15 P-586).

قوانین قدرت کو ہم عادتِ خداوندی کہہ سکتے ہیں اور معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیشِ نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً ناروا نہیں۔

مغربی فلاسفہ میں سے ڈیوڈ ہیوم David Hume نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑے شد و مد سے ان کا انکار کیا ہے۔ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، وہ توجہ طلب ہے وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رو پذیر ہوتے ہیں اس لیے معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک قوی و مضبوط

Marfat.com

نہ ہوں اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے اور کیونکہ ثبوت معجزہ کے لیے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں اس لیے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہم تمھارا یہ قاعدہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں تجربات سے تمھاری مراد کیا ہے؟ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے؟ تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے۔ پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے جب تک کہ آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے، اس وقت تک آپ کی دلیل قابلِ قبول نہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجرباتِ عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور عام معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات اور مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا، ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔

This phrase itself (that miracle is contrary to experience) is as paley pointed out, ambiguous. If it means all experience it assumes the point to be proved, if

Marfat.com

it means only common experience then it simply asserts that the miracle is unusual a truism. (Ency. Bri. V 15 P 586).

استاد احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔

اس میں اس نے لکھا ہے :

کیونکہ معجزات ہمارے تجربے کے خلاف ہیں اس لیے ناقابل تسلیم ہیں۔

استاد موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے جب تمہارے نزدیک علیت و معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں ، ہر چیز بغیر تحقیق علیت وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ دوسری کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کون سی قباحت ہوگئی۔ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک تو

Marfat.com

تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں اتنا غلو کرتے ہو کہ تمھیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔ (قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ جزو اوّل صفحہ نمبر ۲۴۵)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبہ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انھوں نے معمولی عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انھیں خرقِ عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت کرنا نہ چاہتے ہوں اور ان کے لیے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقۂ کار ہے لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے؟ یا اس سے کوئی عقدہ لاینحل کھل سکتا ہے؟ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسید احمد خان نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قوانینِ قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہو گا، تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قانون قدرت اٹل ہے۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردّ و بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے، کیونکہ نصوصِ قرآنیہ میں بار بار یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں آسکتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سرسیّد محترم کا استدلال ملاحظہ فرما لیا! انھوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے، حالانکہ ہم پہلے بتا آتے ہیں کہ علمائے اسلام نے

Marfat.com

معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارقِ عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانینِ فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہو سکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کرلے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہوگا۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامۂ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم، اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے، اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہئے جو صحیح اور قابلِ وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں۔

قرآن کریم میں حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے وہ سچ ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اقبال کا نظریۂ محبّت

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صرف افراد اور اقوام ہی زوال و انحطاط سے دوچار نہیں ہوتیں بلکہ ان کی مخصوص اخلاقی قدریں، ان کے بنیادی نظریات بلکہ ان کے زبان زد الفاظ تک زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کی رعنائیاں چھن جاتی ہیں۔ ان میں پنہاں حیات بخش قوتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ کاوش و کوشش کا ہنگامہ رستاخیز موت کے سکوت میں بدل جاتا ہے وہ بے جان و بے حس خاک کے تودوں کی طرح اپنے پاس سے گزرنے والے برق رفتار قافلوں کو خاموش، اُداس پھٹی پھٹی نگاہوں سے صرف دیکھتے رہ جاتے ہیں اور کوئی مسیحا نفس ہی ان بے جان نظریات اور مردہ الفاظ کو حیاتِ نو بخشتا ہے۔ اقبالؒ کا وجود اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی سپاس گزاری سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی اس کی ضربِ کلیمی نے اگر جبر و استبداد کے ہر پیکر کو چور چور کیا۔ اس کی بانگِ درا نے اگر آسودۂ خواب غفلت قوم کو بیدار کیا۔ اس کی بالِ جبریل نے اگر درماندۂ راہ کو پر و بال دیئے اور ملت کو شوقِ پرواز بخشا تو اس صاحبِ صورِ اسرافیل نے ہماری مردہ اخلاقی قدروں بیجان نظریوں اور بے رنگ

Marfat.com

نفسوں کو ایک نئی زندگی سے بھی ہمکنار کیا۔

غور فرمایئے: فقر وہ راز منفق ہے جس کی گود میں ہم نے آنکھیں کھولیں، جس کے دامن شفقت میں ہم پروان چڑھے، لیکن چند صدیوں سے ہمارے نزدیک فقر کا مفہوم اس کے بغیر کیا رہ گیا تھا کہ اقوام و ملت کی قیادت کی ذمہ داریوں سے دست برداری، دنیا و مافیہا سے کنارہ کشی، بے حسی و سرد مہری، بے رنگ محفلیں اور ان میں شورش یاہو، گوشہ خانقاہی اور یاس و قنوطیت میں لپٹا ہوا گھپ اندھیرا۔ اقبال آیا اور اس نے اپنی پرسوز اور پرزور قلندرانہ ادا میں لوگوں کو اسلامی فقر سے روشناس کیا۔ اسلامی فقر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یعنی آں فقرے کہ راند راہ را

بیند از نوری اللہ را

اندرون خویش جوید لا الہ

ورنہ از شمشیر گوید لا الہ

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

چیست فقر اے بندگان آب و گل

یک نگاہ راہ بین یک زندہ دل

با سلاطین در فتد مرد فقیر

از شکوہ بوریا لرزد سریر

فقر کی اصل سوز اور حق افروز بے پناہ اور بے باک قوتوں کا بیان ہوا ہے

Marfat.com

فقر چوں عریاں شود زیر سپہر
از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

فقر کریاں گرمئ بدر و حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

معلوم نہیں ہمارے اس مرد فقیر پر غم و اندوہ کا کون سا پہاڑ ٹوٹا ہوگا جب یہ انہوں نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہوگا ؎

فقر را تا ذوق عریانی نماند
آں جلال اندر مسلمانی نماند

توحید ملت اسلامیہ کی اساس ہے اور ایمان بتقدیر اور توکل اس کا طبعی ثمر ہے اور صدیوں ہماری زلیست کے دھارے اس سے ابلتے رہے۔ زوال کے گرد و غبار نے اس کے حسن کو بھی مستور کر ڈالا اور دھندلا کر دیا۔ یہاں تک کہ مصائب و حوادث کے سیل بے پناہ میں تنکوں کی طرح بے بسی اور خاموشی سے بہتے چلے جانے کا نام ایمان بتقدیر اور توکل رہ گیا۔ اقبال کی نوائے شعلہ پرور نے خس و خاشاک کے اس ڈھیر کو بھی خاکستر بنا دیا۔ وہ طنز و تشنیع کے انداز میں از راہ حیرت و استعجاب پوچھتے ہیں ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

پھر فرماتے ہیں ؎
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

Marfat.com

اور وا نشگاف الفاظ میں اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ عمل اور توکّل دو متضاد چیزیں نہیں بلکہ ان کا باہمی رشتہ تو تیر و کمان کا سا رشتہ ہے ؎

مومن از عزم و توکّل قاہر است
گر نہ دارد ایں دو جوہر کافر است

انھیں الفاظ سے ایک بہت مظلوم اور نہایت ستم رسیدہ لفظ محبت ہے۔ ہمارے کرم فرما ہمیں یہ یقین دلا رہے تھے کہ محبت کی کل کائنات بس اتنی ہی ہے۔

رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر

ہمارا قیس جستجوئے لیلیٰ میں صحرا نورد نہیں تھا بلکہ محض وقف جمود ہو کر رہ گیا تھا۔ ہمارے فرہاد سے تیشۂ خارا شگاف چھن چکا تھا۔ بڑے بوڑھے اسے یہی نصیحت کر رہے تھے کہ میاں اب اپنی زبان کے تیشہ فولاد کو حرکت دو اور کیخسرو کی عیاری اور مکاری کی مرثیہ خوانی کیا کرو۔ اور مرزا نوشہ نے تو چشم بدور یہاں تک فرما دیا تھا ؎

عشق نے غالب کو نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

گویا کسی مقصد کے لیے خود فراموشی اور مراق کے مارے کی بے ہوشی میں کچھ فرق ہی نہیں۔ افق پر خوفناک قسم کا اندھیرا تھا۔ فضا گرد و غبار سے اٹی پڑی تھی کہ عشق کا محرم اپنے ساقی کی نگاہِ کرم کا پروردہ سمند شوق پر سوار اپنے کندھوں پر پورا میخانہ محبت اٹھائے جلوہ افروز ہوا جب اس نے اپنی محفل جمائی اور اپنے جام سوز لحن میں

Marfat.com

شرابِ محبت و مستی بھر بھر کر پلائی تو خود فراموش رندوں کو ہوش آنے لگا۔ ان کے اُٹھتے ہوئے جذبات کو تپشِ خرام نصیب ہوئی۔

تفصیلات سے بحث کرنے سے پیشتر یہ جاننا از حد اہم ہے کہ محبت ہے کیا؟ اس سوال کا جواب اگر آپ لغت کی بھاری بھر کم کتابوں سے تلاش کریں گے یا فلسفہ اور نفسیات کے گراں بہا صحائف سے دریافت کریں گے۔ تو بجز پریشانی اور حیرت آفرینی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ علامہ ابن قیمؒ نے کتنے پتے کی بات کہی ہے کہ محبت کی جتنی تعریف اور وضاحت کی جائے گی۔ اتنا ہی ابہام بڑھے گا اور پیچیدگیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا محبت کی صحیح اور واضح تعریف یہی ہو سکتی ہے کہ محبت محبت ہے۔

لیکن آخر سخن طرازی بھی تو کوئی چیز ہے۔ ہر چند اس اختصار سے کہ محبت محبت ہے۔ گو مفہوم واضح ہو جائے لیکن نہ کہنے والے کی حسرت پوری ہو اور نہ سننے والے کا ارمان مٹے اس لیے تھوڑا سا اور سُن لیجیے۔ حسن و جمال کی قدر شناسی کو محبت کہتے ہیں اور حسن و جمال کسی ایک صورت و لباس کی اسیر و زندانی نہیں کسی بت طنّاز کی چشمِ نیم باز، کسی سروقامت کا خرامِ ناز، کسی کا لحنِ داؤدی، کسی کا سحر بیاں، کسی کی نڈر شجاعت، کسی کی پاکیزہ اور بے داغ سیرت اور کسی کا اخلاق بلند، یہ سب آفتاب حسن و جمال کی کرنیں ہیں حُسن کسی رنگ میں ہو دل کش و دلربا ہی ہوا کرتا ہے اور اپنے قدر دانوں کے دلوں میں وصال و حصول کی ایک تڑپ اور پیاس سی پیدا کر دیتا ہے اور جب عقل کے رنگ محل میں محبت کا چراغ جگمگانے لگتا ہے تو وادیٔ ایمن بن جاتا ہے اور جب ہوش و خرد کے بت کدہ میں خلیلِ عشق قدم رنجہ فرماتا ہے تو ہوا و ہوس، حیلہ سازی مصلحت کوشی کے بت پاش پاش ہو کر پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

ہمارا فیلسوف اسی عشق کا نقیب ہے۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ عشق و محبت کی چند امتیازی خصوصیات ہیں جن کے بغیر عشق عشق نہیں بوالہوسی ہے، لذت طلبی ہے، محبت محبت نہیں عیش کوشی ہے، نفس پرستی ہے۔ عشق کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا قلم حقیقت رقم لکھتا ہے کہ عشق بے نیاز ہوتا ہے۔ تہی دست، تہی دامن ہونے کے باوجود اس کے پہلو میں دل (از ہر دو عالم بے نیاز سے) دھڑک رہا ہوتا ہے، وہ بیباک اور نڈر ہوتا ہے۔ کسی سے ہراساں ہوا جانتا ہی نہیں ؎

نہ محتاج سلطان نہ مرعوب سلطان
محبت ہے آزادی و بے نیازی
میرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
وہ آدم گری ہے یہ آئینہ سازی

عشق کبھی مرثیہ خواں یا نوحہ کناں نہیں ہوتا بلکہ حیات بخش و قوت آفریں ہوتا ہے

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم
آدمی کے ریشہ ریشہ میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح باد نسیم صبح دم

عشق وہ چشمہ ہے جس سے پاکیزہ اور پرجوش عمل کے [illegible] سے پھوٹتے ہیں۔ یہ زندہ جاوید ہے۔ فنا کا ہاتھ جس کی ہلاکت آفرینیوں [illegible] ہیں [illegible] بچھتی ہے عشق کے شہباز تک نہیں پہنچ سکتا۔

Marfat.com

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

عشق روباہ مزاج نہیں، اس کی فطرت اسد اللٰہی ہے وہ حیلہ و مکر سے نہیں بلکہ زور بازو سے اپنے مقابل کو پچھاڑتا ہے ۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عشق عقل کو ناکارہ نہیں کرتا بلکہ اس کا مربی ہے۔ اس کی تنگ دامانی کو بیکراں وسعتیں بخشتا ہے۔ اس کی سرحدوں کو فراخ کرتا ہے۔ عشق شریعت کے قوانین کی روح ہے ۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اقبال اپنی ملت کے دلوں کو ٹٹولتے ہیں، ان کے سینوں میں جھانکتے ہیں اور جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ محبت کا آتش کدہ بجھ چکا ہے تو چیخ اٹھتے ہیں ۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

عشق کے بغیر فرد ہو یا قوم فنا پذیر ہے۔ اسے کوئی ظاہری جاہ و حشمت اپنے ہولناک انجام سے بچا نہیں سکتی۔ اپنی قوم کی پستی کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

Marfat.com

شنیدم پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے نہ دارند

لیکن عشق کی برکتیں اور فیوض اپنے کیف و کم اور قیمت و اہمیت میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ محبوب کے ساتھ ان کا گہرا ربط ہوتا ہے۔ اگر کسی کا مرکزِ عشق وہ ہے جس میں حسن کا ایک پہلو ہے تو اس کا فیض بھی محدود ہوگا اور محبوب کی رعنائیوں کا حلقہ جتنا وسیع ہوتا جائے گا اس کی برکتیں بھی عام ہوتی جائیں گی۔ اسی بازارِ ہستی میں جب کہ قدم قدم پر حسن و جمال کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں۔ جہاں ہر سمت کوئی نہ کوئی لالہ رو، آہو چشم کمان ابرو میں ناوک مژگان رکھے دل شکار کرنے کی سوگند اٹھائے پھر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورتِ حال میں دل کا سودا کرے تو کس سے، مرکزِ عشق بنائے تو کس کو؟

دنیا میں ایسے بھی تو گزرے ہیں جو اپنی تلخ نوائی سے سوتوں کو چونکا تو دیتے ہیں، لیکن منزل کا پتہ نہیں دیتے۔ یا منزل تو بتاتے ہیں، لیکن راہِ منزل سے ناآشنا ہونے کے باعث راہی کو چوراہے پر لا کر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ مسافر عمر بھر بھٹکتا پھرے اور سر پٹکتا پھرے اور حسرت و یاس میں دم توڑ دے۔

لیکن ابرِ رحمت برسے اور تا قیامت برستا رہے اس قبرِ پاک پر جہاں خضرِ امتؒ استراحت فرما ہے جس نے خوابِ غفلت سے جگایا۔ منزل بھی بتائی اور راہ بھی دکھائی جو منزل تک اپنے راہی کو یقیناً پہنچا دیتی ہے۔ بشرطیکہ راہی حجت بازی اور تاویل کا خوگر نہ ہو۔ آئیے! اس مضمون کی آخری لیکن اہم ترین کڑی کو مختصراً مفکرِ اسلام فیلسوفِ مشرق، شاعر

Marfat.com

رنگیں نوا، مرد قلندر اور فقیر حق شناس و درویش حق گو کے الفاظ ہی میں سن لیں ؂

نقطۂ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است

از محبت مے شود پائندہ تر
زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

از نگاہِ عشق خارا شق بود
عشق حق آخر سراپا حق بود

عشق کا اعجاز و کمال بیان فرمانے کے بعد اب محبوب کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے رقم طراز ہے ؂

عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشم نوحے قلب ایوبے طلب

اب جب کہ آفتابِ حسن کی ہر کرن "نظارہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است" کہتے ہوئے خود کعبۂ محبت بننے کا دعویٰ کر رہی ہے تو ہم کیا کریں! اس پوشیدہ گرہ کو بھی ہمارا روشن ضمیر فیلسوف یوں صفائی سے کھولتا ہے۔ اے مومن تیری نگاہ تلاش حبیب میں کیوں آوارہ کاخ و کو ہے تو ہر صیاد کا نخچیر کیوں ہے۔ ذرا دیکھ تو اپنے دل کے آئینہ میں تیرا محبوب تو اپنی جہانگیر رعنائیوں کے ساتھ اپنی آفاقی دلربائیوں کے ساتھ حسن و جمال کی ساری نزاکتوں اور لطافتوں کو سمیٹے ترے آئینۂ دل میں جلوہ گر ہے ؂

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمت

Marfat.com

اس کی بڑی شان ہے اس کی کیا آن ہے۔ دوسرے حسین تو خود حسین ہوتے ہیں مگر تیرا وہ نرالا محبوب ہے ۔

عشق او از جملہ خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر
دل ز عشق او توانا مے شود
خاک ہمدوش ثریا مے شود

اور اگر اب بھی نہیں پہچان سکے تو صاف سن لو ۔

در دل مسلم مقام مصطفےٰ ست
آبروے ما ز نام مصطفےٰ ست
طور موجے از غبار خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنے ز اوقاتش ابد
کاسب افزائش از ذاتش ابد
بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسرےٰ زیر پائے امتش
ماند شبہا چشم او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابیدہ قوم

جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اقبال کا سارا کلام عشق مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ و اجمل الثناء میں بسا ہوا ہے۔ ہر کتاب اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے ۔ اسی کو عطر یہ خوشبو

Marfat.com

سے اس کا صفحہ صفحہ سطر سطر بلکہ حرف حرف ڈھل رہا ہے۔

طوالت کا خوف ہے اور آپ کے اکتا جانے کا اندیشہ ورنہ جو مزا بیان حکایت گیسوئے عنبر بار حبیب میں ہے وہ کسی اور بات میں نہیں۔

مومناں زیر سپہر لاجورد　　زندہ از عشق اند نے از خواب خورد
مے ندانی عشق و مستی از کجاست　　ایں شعاع آفتاب مصطفیٰ است
زندہ تا سوز او در جان تست
ایں نگہ دارندہ ایمان تست

راہی بیدار ہو چکا ہے۔ رخت سفر باندھے آمادہ رحیل ہے۔ منزل کا تعین ہو چکا، اب راہی کونسی راہ اختیار کرے کہ لیلائے مقصود سے وصال میسر ہو، منزل مقصود تک رسائی ہو۔ اس کے لیے واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں ؂

عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار　　تا کمند تو شود یزداں شکار
لشکرے پیدا کن از سلطان عشق　　جلوہ گر شو بر سر فاران عشق
تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرح انی جاعل سازد ترا

Marfat.com

Marfat.com

اسلام اور مزارعت

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان ٹائمز کے ۲۷ اگست ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زرعی اصلاحات" اس میں فاضل مضمون نگار نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں زمین کو بٹائی پر دینا یا ٹھیکہ پر دینا حرام ہے۔ انھوں نے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے چند آیات اور احادیث طیبہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تعامل کو بھی حجت قرار دیا ہے کہ آپ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینیں مسلمان غازیوں میں تقسیم نہیں بلکہ ان کو جوں کا توں رہنے دیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم مضمون نگار کے ان دلائل کا ناقدانہ مطالعہ کریں تاکہ مزارعت کے بارے میں اسلام کا نظریہ کھل کر ہمارے سامنے آجائے۔ شک وشبہ کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ صراط مستقیم واضح ہو جائے تاکہ جو سعادت مند صدق دل سے اس پر گامزن ہونا چاہتا ہے وہ ایسا کر سکے۔

موصوف نے جن متعدد آیات سے استدلال کیا ہے۔ ان سب کا مضمون ایک

Marfat.com

ہی ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کی حیثیت ایک امین کی ہے اور کسی امین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مالک کی مرضی کے بغیر اس کی کسی چیز میں کسی قسم کا تصرف کرے۔

ہم قرآنِ کریم کے بیان کردہ ان حقائق کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں، اس میں شک کی ذرہ بھر گنجائش نہیں۔ بلاشبہ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اور اس کے حکم کے خلاف اس میں کسی قسم کی مداخلت اور تصرف سراسر ناجائز ہے۔ لیکن مقالہ نگار نے ان آیات سے مزارعت کی حرمت پر جو استدلال کیا ہے، وہ محلِ نظر ہے، کیونکہ ان آیات میں صرف مزروعہ زمین کو ہی اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار نہیں دیا گیا، بلکہ ہر چیز اللہ تعالےٰ کی ملکیت میں ہے منقولہ اور غیر منقولہ کی بھی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ کیا آپ ہر چیز کو اجرت پر دینے سے روکیں گے؟ آخر زندگی کا کاروبار کیسے چلے گا، نیز ان آیات پر غور کرنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ایسا جملہ نہیں ہے، جس سے زمین کو کاشت کے لیے بٹائی یا پٹہ پر دینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔

بعض احادیث میں مزارعت اور مخابرت سے منع کیا گیا ہے اور انھی احادیث کی وجہ سے فاضل مقالہ نگار کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں مزارعت مطلقاً ناجائز اور ممنوع ہے، لیکن اگر وہ تھوڑی سی زحمت برداشت کرتے اور کتبِ حدیث کا مطالعہ فرماتے تو ان پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں مزارعت کا کون سا طریقہ عام طور پر رائج تھا، اور اس میں کیا نقائص تھے، جن کی وجہ سے اس کو منع کیا گیا۔ انھوں نے حضرت رافع بن خدیج کی مجمل روایت کو پیشِ نظر رکھا، لیکن

Marfat.com

انھی کی وہ مفصل روایتیں شاید نہیں پڑھیں، جس میں انھوں نے اس وقت کی مزارعت کی صورت کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے ملاحظہ کے لیے ان کی روایت پیش خدمت ہے:

عن حنظلہ بن قیس الانصاری قال سمعت رافع بن خدیج قال کنا اکثر اھل المدینۃ مزدرعا کنا نکری الارض بالناحیۃ منھا مسمی لسید الارض قال فمن ما یصاب ذالک وتسلم الارض و یسلم ذالک فنھینا۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن قیس انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ میں سے ہمارے پاس زرعی زمین سب سے زیادہ تھی۔ ہم زمین کو کرایہ پر دیتے اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ زمین کا ایک حصہ مالک زمین کے لیے مخصوص کر دیا جاتا اور اس میں جو فصل تیار ہوتی وہ اسی کو ملتی اور زمین کا دوسرا حصہ کاشت کار کو دیا جاتا، اس میں جو فصل بوئی جاتی اس کو کاشت کار برداشت کرتا۔ اس طرح کبھی کاشت کار کے حصہ اراضی میں کسی وجہ سے فصل برباد ہو جاتی اور مالک کا حصہ اراضی بالکل سلامت رہتا اور کبھی مالک کا حصہ برباد ہو جاتا اور کاشت کار کا حصہ محفوظ رہتا۔ اس لیے ہمیں اس طرح کی مزارعت سے منع کر دیا گیا۔

سونے اور چاندی سے زمین پٹہ پر لینے کا اس وقت رواج ہی نہ تھا۔ انھی رافع بن خدیج کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن رافع رضی اللہ عنہ قال کنا اکثر اھل المدینۃ حقلا وکان احدنا یکری ارضہ فیقول ھذہ القطعۃ لی و ھذہ القطعۃ لک ربما اخرجت ذہ ولم تخرج ذہ فنھاھم

Marfat.com

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ط (بخاری)

ترجمہ: حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ مزروعہ زمینیں ہمارے پاس تھیں جب ہم میں سے کوئی شخص زمین مزارعت پر دیتا تو وہ یہ کہتا کہ زمین کا یہ ٹکڑا میرے لیے ہے اور وہ ٹکڑا تیرے لیے۔ اور ایسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک ٹکڑے میں فصل پیدا ہوتی اور دوسرے میں برباد ہو جاتی۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس طرح کی مزارعت سے منع فرما دیا۔

علامہ ابن حجر نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

واشار بھذہ الترجمۃ الی حمل النھی فی حدیث رافع علی ما اذا تضمن العقد شرطا فیہ جھالۃ او یودی الی غدر ط

(فتح الباری)

ترجمہ: یعنی مزارعت کی اس شکل کو اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں ایسی شرط عائد کی گئی ہے، جس سے ایک فریق کو سراسر نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور دوسرا فریق ہر قسم کی منفعت کا مالک بن جاتا ہے، نیز اس طرح ایک فریق سے دھوکا ہوتا ہے۔

ان دونوں روایتوں سے واضح ہو گیا کہ اس طرح کی مزارعت میں بسا اوقات ایک فریق (مالکِ زمین یا کاشت کار) بالکل محروم ہو جاتا ہے اور دوسرا فریق مالا مال ہو جاتا ہے اور اسی قسم کے کاروبار کو شریعت میں "ربا" کہا جاتا ہے، جس میں ایک کا فائدہ یقینی ہو۔ اسلام میں صرف ایسے کاروبار کی اجازت ہے جس میں فریقین نفع اور نقصان میں برابر کے شریک ہوں۔ جب ساری زمین کی پیداوار مشترک ہو گی تو اگر فصل زیادہ ہو گی تو دونوں کو فائدہ پہنچے گا اور اگر کم ہو گی تو دونوں کو برابر کا نقصان ہو گا۔ اس صورت میں "ربٰو" کے

Marfat.com

پائے جانے کا کوئی امکان نہیں۔ مزید وضاحت کے لیے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے جسے امام مسلم، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی بھی حضرت رافع بن خدیج ہیں:

انما کان الناس یؤاجرون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بما علی الماذیانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع فیھلک ھذا ویسلم ھذا ویسلم ھذا و یھلک ھذا ولم یکن للناس کری الا ھذا۔ فلذلک زجر عنہ فاما شیء معلوم مضمون فلا باس بہ۔

ترجمہ: یعنی عہد رسالت میں لوگ جب زمینیں کاشت پر دیتے تھے تو یہ شرط لگاتے تھے کہ ماذیانات (مسائل الماء) پانی کی گزرگاہیں، کے پاس جو فصل ہوگی۔ وہ ہماری ہوگی اور نالیوں کے سروں پر جو فصل ہوگی وہ ہماری ہوگی اور ہم پیداوار سے کچھ غلہ لیں گے باقی کھیت تمہارا ہوگا۔ اس طرح بسا اوقات جو جگہ مالک اپنے لیے مخصوص کرتا وہ تباہ ہو جاتی، اور دوسری جگہ فصل خوب ہوتی اور بسا اوقات اس کے برعکس ہوتا تو مالک کی فصل اچھی ہوتی اور مزارع کی فصل برباد ہو جاتی اور لوگوں میں زمین مزارعت پر دینے کا یہی طریقہ تھا۔ اس لیے اس سے حکماً منع کر دیا گیا، لیکن اگر معلوم اور مضمون چیز پر مزارعت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خط کشیدہ الفاظ پر آپ دوبارہ نظر ڈالیں تو آپ کو اس زمانہ میں مزارعت کا رائج طریقہ معلوم ہو جائے گا۔ اس صورت میں جس طرح ایک فریق کو سراسر نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لیے علامہ شوکانی نے اس نہی کی وجہ بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے لکھا ہے :

وھذا الحدیث یدل علی تحریم المزارعۃ علی ما یعدی الی الغدر والجھالۃ و یوجب المشاجرۃ ۔ (نیل الاوطار)

ترجمہ: یعنی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مزارعت صرف اس وقت حرام ہے جب یہ دھوکے اور جہالت کا سبب بنے اور باہمی جھگڑے کا باعث ہو۔

ان کے علاوہ متعدد دیگر احادیث بھی پیش کی جا سکتی ہیں، جن سے اس وقت کے طریقہ مزارعت پر روشنی پڑتی ہے اور اس طریقہ میں جو ظلم، دھوکہ اور ایک فریق کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے وہ ہر شخص پر عیاں ہو جاتی ہے۔ اس لیے محدثین نے صراحتاً لکھا ہے کہ جن احادیث میں "مخابرۃ" یعنی مزارعت کی ممانعت آئی ہے ان سے وہی مخابرت مراد ہے جو زمانہ جہالت سے ان میں مروّج تھا اور فریقین کے لیے طرح طرح کی پریشانیوں اور محرومیوں کا سبب بنتا تھا۔ بعض احادیث میں وضاحت کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کیونکہ اس رواج سے وہاں کا ہر آدمی واقف تھا، اس لیے اجمالی تذکرہ پر اکتفار کیا۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور حدیثِ پاک پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امید ہے اس کے مطالعے سے ہر طرح کی غلط فہمی کا قلع قمع ہو جائے گا :

عن اسید بن ظہیر قال کان احدنا اذا استغنی عن ارضہ او افتقر علیھا اعطاھا بالنصف والثلث والربع واشترط ثلاث جداول والقصارۃ وما یسقی الربیع وکان یعمل فیھا عملاً شدیداً ویصیب منھا منفعۃ۔ واتانا رافع بن خدیج

Marfat.com

وقال نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن امر کان لکم نافعًا، وطاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر لکم۔

ترجمہ: اسیدبن زہیر فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جب کسی آدمی کے پاس زائد زمین ہوتی تو وہ اس کو نصف تہائی یا چوتھائی پر دیا کرتا اور ساتھ ہی یہ شرط لگاتا تھا کہ پانی کی تین نالیوں کے اردگرد جو کھیت ہوگا وہ میرا ہوگا۔ خوشوں کو ایک مرتبہ گاہنے کے بعد جو دانے خوشوں میں بچ رہیں گے وہ سارے میرے ہوں گے اور جس کھیت کو نالی سیراب کرے گی وہ میرا ہوگا۔ اس طرح بٹائی پر زمین دیتے۔ خوب محنت کرتے اور نفع حاصل کرتے اور جس کو زمین کی ضرورت ہوتی وہ اس شرط پر زمین لیتا۔ ایک دن رافع بن خدیج آئے اور انھوں نے آکر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کام سے تھیں منع فرمادیا ہے جس میں تمھارا فائدہ تھا۔ اور حضور کی اطاعت تمھارے لیے سب سے بہتر ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مزارعت کی ممانعت کی علت یہ شروط فاسدہ تھیں جن کا وہاں عام رواج تھا اور جو طرح طرح کی خرابیوں کا باعث بنتی رہتی تھیں۔ نیز رافع کی حدیث جس میں اربیتما کا لفظ آیا ہے کہ تم دونوں (مالک زمین اور کاشتکار) نے سودی کاروبار کیا ہے۔ یہ حدیث قابل حجت نہیں، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی بکیر بن عامر البجلی الکوفی ہے، جس کے متعلق علماء الجرح والتعدیل نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

ابوزرع کہتے ہیں: لیس بقوی (میزان الاعتدال)

Marfat.com

امام احمد نے فرمایا، لیس بالقوی فی الحدیث۔ (تہذیب التہذیب)

یحییٰ بن معین کہتے ہیں، قال الجمہور ھو الضعیف (تہذیب الاسماء)

ان احادیث پر بحث کرنے کے بعد جن سے بظاہر مزارعت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو یہودیوں نے گذارش کی کہ حضور ہمیں یہاں سے جلاوطن نہ کیا جائے بلکہ ہمیں یہ زمین بٹائی پر دے دیں ہم اس میں کھیتی باڑی کریں گے، باغات کی آبیاری اور نگہداشت کا فریضہ انجام دیں گے، نصف غلہ اور پھل ہم لیں گے اور نصف حضور کی خدمت میں پیش کریں گے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس عرضداشت کو منظور فرمایا۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں اسی کے مطابق بٹائی ہوتی رہی۔ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں یہی معمول رہا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے یہودیوں کو حجاز سے جلاوطن کر دیا۔

اگر زمین مزارعت پر دینا جائز نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے۔ حضورؐ کا عمل جو آخر وقت تک جاری رہا، کوئی دوسری روایت اس کی ناسخ نہیں بن سکتی۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے اور لُٹے پٹے مہاجرین بھی وہاں پہنچ گئے تو انصارِ مدینہ نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی،

اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل قال لا۔ فقالوا

Marfat.com

تکفونا المؤنۃ ونشرککم فی الثمرۃ۔ قالوا سمعنا واطعنا۔

(بخاری شریف)

ترجمہ: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کھجوروں کے باغات کو ہمارے درمیان اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیں، حضورؐ نے ان کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انصار نے عرض کی کہ پھر ایسا کریں کہ ان باغات کی نگہداشت آب پاشی اور دیگر خدمات ہمارے مہاجر بھائی انجام دیں اور جو پھل ہوگا اس میں ہم انہیں حصہ دار بنالیں گے سب نے کہا ہمیں یہ منظور ہے۔

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر زمین اور اس میں لگایا ہوا باغ ایک شخص کا ہو اور محنت اور مشقت دوسرا شخص کرے اور پیداوار میں دونوں حصہ دار ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مزارعت کی بھی بعینہٖ یہی صورت ہے۔

(۳) امام بخاری نے حضرت امام ابوجعفر محمد باقر کا یہ قول نقل کیا ہے:

عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع۔

ترجمہ: امام باقرؓ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں کوئی مہاجر گھرانہ ایسا نہیں جو تہائی اور چوتھائی پر کاشت کاری نہ کرتے ہوں۔

(۴) صحابہ کرام میں سے جو جلیل القدر صحابہ مزارعت پر زمینیں دیا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی پر بھی ایک نظر ڈالیے:

قال ابن حزم ومن اجاز اعطا الارض بجزء مسمی مما منھا ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابن عمر وسعد وابن

Marfat.com

مسعود وخباب و حذیفة ومعاذ رضی الله تعالیٰ عنهم ۔

ترجمہ: ابن حزم فرماتے ہیں کہ وہ حضرات جو بٹائی پر اپنی زمینیں دیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن عمر، سعد ابن مسعود، جناب حذیفہ اور معاذ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اس فہرست میں دیگر جلیل القدر صحابہ کے علاوہ خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ اسلام میں ان حضرات کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پھر ان حضرات نے عملی طور پر احکام شرعیہ کو اسلامی مملکت کے گوشہ گوشہ میں نافذ کیا۔ ان احکام کا جتنا علم ان حضرات کو ہے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ امام بخاری کا یہ جملہ بھی پیش نظر رہے۔

وزارع علی وسعد بن مالك وعبد الله بن مسعود و عمر بن عبد العزیز وقاسم وعروة بن زبیر وال ابی بکر وال عمر وال علی وال سیدین ۔ (بخاری)

ترجمہ: یعنی حضرات سیدنا علی، سعد بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، صدیق اکبرؓ کا سارا خاندان، فاروق اعظم کا سارا خاندان، علی المرتضیٰ کا سارا خاندان اور ابن سیدین مزارعت پر اپنی اراضی دیا کرتے تھے۔

امام بخاری نے اگرچہ اس تعلیق کی سند بیان نہیں کی لیکن ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے ان تعلیقات کو موصولاً بیان کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، عینی ص۱۶۵ جلد ۱۲۔

جس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ انسان اپنی زمین خود کاشت کرے ورنہ اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لیے دے دے، یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو اچھا ہے۔ یہ حکم اگر وجوب کے لیے ہوتا تو وہ صحابہ کرام جن

Marfat.com

کے اسمار گرامی اوپر لکھے گئے ہیں وہ اپنی زمینیں ہرگز بٹائی پر نہ دیتے، نیز اس حدیث کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے:

قال عمرو قلت لطاؤس لو ترکت المخابرۃ فانھم یزعمون ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی عنہ قال ای عمرو انی اعطیھم و اعینھم و ان اعلمھم اخبرنی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال ان یمنع احدکم اخاہ خیرلہ من ان یاخذ علیہ خرجا معلومًا۔

ترجمہ: عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس کو کہا کہ اگر تم مخابرت ترک کر دیتے تو کتنا اچھا ہوتا، کیونکہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے روکا ہے۔ طاؤس نے کہا: اے عمرو! میں اپنے مزارعین کو بیج وغیرہ دیتا ہوں، اور زراعت کے کام میں ان کی اعانت کرتا ہوں اور ان لوگوں سے ایک بڑے عالم یعنی ابن عباس نے مجھے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا، بلکہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو بطور عطیہ زمین دیدے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس سے کوئی معاوضہ لے۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اس قسم کی مزارعت جس میں شرائط پائی جاتی ہوں جو باہمی نزاع، جنگ وجدل اور فریب دہی کا سامان بنتی ہوں ایسی مزارعت ممنوع ہے۔ اور جس میں شروطِ فاسدہ نہ ہوں وہ جائز ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود خیبر کو بٹائی پر زمین دی۔ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ بٹائی پر

Marfat.com

زمینیں دیتے تھے۔ اس لیے مزارعت کو حرام قرار دینا قطعاً درست نہیں۔

آخر میں ہم فاضل مضمون نگار کی دلیل جائزہ لیتے ہیں، جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عراق فتح کیا تو ان زرعی زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ انھیں اپنے پہلے مالکوں کے پاس ہی رہنے دیا۔ بے شک یہ درست ہے، لیکن آپ کے اس فیصلہ کا مزارعت کے جواز اور حرمت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں، آپ کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں تو ان سے صرف عشر وصول کیا جا سکے گا، جس کی مقدار مقرر ہے اور جس کے مصارف متعین ہیں اور اس صورت میں بیت المال کی آمدنی کم ہو جائے گی اور عام مسلمانوں کی بہبود اور فلاحی اسلامی مملکت کے لیے جتنا سرمایہ درکار ہے وہ مہیا نہ ہو سکے گا۔ اور اگر زمینیں انہی لوگوں کے پاس رہنے دی جائیں تو ان سے خراج وصول ہو گا، جس کی مقدار بھی کافی ہو گی اور جسے خرچ کرنے کے لیے میدان بھی وسیع ہو گا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے اپنے موقف کی توضیح کرتے ہوئے بارہا اس امر کی صراحت کی۔ اس لیے اس فیصلہ کا مزارعت کے جواز اور عدمِ جواز کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اور اگر آپ مزارعت کو ناجائز سمجھتے تو خود اپنی زمینیں مزارعت پر کیوں دیتے اور صحابہ کرام اس طریقۂ کار کو کیوں اختیار کرتے۔ صحابہ کرام کی سیرت قول و عمل کے تضاد سے یکسر منزہ اور پاک ہے۔ وہ جس چیز کو ناجائز کہتے تھے اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ فقط وہی کام کرتے تھے جن کے جواز اور حلت پر ان کا ایمان ہوتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق بھی یہ خیال کرنا کہ آپ پٹہ پر زمین دینے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے، درست نہیں۔ آپ پٹہ پر اراضی دینے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ بٹائی کے متعلق

Marfat.com

عدمِ جواز کا قول آپ سے مروی ہے۔ اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ اس طرح منفعتِ مجہولہ پر مزارعت طے پاتی ہے جو آپ کے نزدیک جائز نہیں۔

قال الشافعی وابوحنیفه والعترة وکثیرون انه یجوز کراء الارض بکل ما یجوز ان یکون ثمنا فی المبیعات من الذھب والفضة۔

ترجمہ: یعنی امام شافعیؒ، ابوحنیفہؒ، ائمہ اہلِ بیت اور دوسرے کثیر التعداد علماء زمین کو سونے اور چاندی یعنی درہم و دینار کے عوض پٹہ پر دینا جائز سمجھتے ہیں۔

(نیل الاوطار ص۲۹ ج ۵)

بھارت کا قانون نہ ہمارے لیے حجت ہے اور نہ سند، اور نہ ہم اس کی پیروی کے مکلف ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام میں اجتہاد

کی

اہمیّت اور ضرورت

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا یہ ایمان ہے کہ سرورِ عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں اور حضور پر جو کتاب نازل ہوئی یہ اللہ تعالےٰ کی آخری کتاب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے بعد نہ کسی نبی کی آمد کا امکان ہے۔ اور نہ اس کتاب کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل ہوگی۔ تمام بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک یہی کتاب صحیفۂ رشد و ہدایت ہے اور اسی نبی مکرم کا لایا ہوا دین۔ وہ روشن چراغ ہے جو اپنی شعاعوں سے تا ابد زندگی کی شاہراہ کو منور کرتا رہے گا۔

اسی طرح یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ زندگی، ایک دریا کی طرح رواں دواں ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں ٹھہراؤ ممکن نہیں۔ ہر زمانہ کے اپنے مخصوص مسائل ہوتے ہیں۔ اور ہر معاشرہ کے اپنے الگ تقاضے ہیں کوئی نظریۂ حیات اگر ان مسائل کا مثبت جواب نہیں دیتا اور ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا وہ زندگی کے کارواں سے بچھڑ جاتا ہے اور کچھ عرصہ بعد اسے یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ یا ماضی کے عجائب گھر میں اسے کوئی جگہ دے دی جاتی ہے۔

بعض لوگوں کے دلوں میں اس خیال کا پیدا ہونا بعید از امکان نہیں کہ وہ کتاب

Marfat.com

جسے نازل ہوتے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ کیا اس کا لایا ہوا نظامِ حیات آج ان بدلے ہوتے حالات میں انسانی معاشرہ کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتا ہے، کیا اس کی تعلیمات میں یہ دم خم ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں نوع انسانی کو خوشحالی اور فلاح کی منزل تک پہنچا سکے۔ یہ تسلیم کہ ایک زمانہ میں اس کتاب کی برکت سے اس کے ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والے زمین کی پستیوں سے اٹھے اور عرش کی بلندیوں پر آشیاں بند ہو گئے۔ اس نورِ مبین نے ان کو انفرادی اور اجتماعی بداخلاقی کی ظلمتوں سے نکالا اور اور ہدایت کی وادیٔ ایمن تک پہنچا دیا جس کا ہر ہر گوشہ انوارِ الٰہی سے جگمگا رہا تھا لیکن ان بدلتے ہوتے حالات میں کیا اب بھی وہ کتاب، اپنا دیرینہ کردار انجام دے سکتی ہے، عالم انسانی کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ساحل آشنا کرنے کی ہمت رکھتی ہے۔

ہمارے نزدیک اس کا قطعی جواب یہ ہے جس میں ہمیں ادنیٰ سا تردد بھی نہیں کہ بیشک یہ کتاب آج بھی یہ معجزہ دکھا سکتی ہے۔ پہلے کی طرح قعرِ مذلت میں گرے ہوئے افراد اور قومیں اس کا دامن پکڑنے سے ہمدوشِ ثریا بن سکتے ہیں۔

یہ جواب، محض عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقائق اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگر اس دین میں عصرِ حاضر کے چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت نہ ہوتی، اگر اس نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات، ایک مخصوص زمانہ تک ہی لوگوں کو راہِ ہدایت پر گامزن کر سکتیں تو اللہ تعالیٰ نبوت کے دروازے کو بند نہ کرتا۔ نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کسی نئے نبی کو مبعوث کرتا تاکہ نوع انسانی وحی کی روشن تعلیمات اور برکات سے محروم نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت کا اس لیے اختتام کیا کہ اس آفتاب عالم تاب کے طلوع ہونے کے بعد

Marfat.com

اب کسی چراغ کی ضرورت نہیں، اس مہرِ نیمروز کی تابشیں، ہر زمانہ کے لیل و نہار کو منور اور روشن کرتی رہیں گی۔

قرآن کریم میں جو اوامر و نواہی مذکور ہیں ان میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، اس کے ان احکام میں کسی آمر کی مطلق العنانی کی بو تک نہیں۔ جب ہم ان احکامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے آئینہ میں اللہ تعالےٰ کی صفات، العلیم اور الحکیم کے جلوے منعکس نظر آتے ہیں۔ جہاں کوئی امر فرمایا ہے وہاں ان برکات و سعادات کا بھی ذکر کر دیا ہے جو اس امر کی بجاآوری سے انسان کو مرحمت کی جاتی ہیں۔ اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے، وہاں ان مفاسد اور مضرات کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو ان منہیات کے ارتکاب پر مرتب ہوتے ہیں۔ ایک دو مثالیں سماعت فرمائیے:

اقامتِ صلوٰۃ کا حکم جس کثرت اور شدت سے دیا گیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، لیکن اس کی حکمت بھی بیان فرما دی، ارشاد ہے:

ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر ط

یعنی تمہیں اقامتِ صلوٰۃ کا بار بار حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے خود ہی سوچیے وہ انسان کتنا خوش بخت اور معاشرہ کے تمام طبقات میں محترم اور معزز ہو گا جس کی زندگی کا دامن فواحش اور منکرات سے منزّہ ہو اور وہ انسان جو فواحش و منکرات کے ارتکاب سے باز نہیں آتا جاہ و منصب کے اعتبار سے وہ کتنا ہی بلند و بالا ہو کسی شریف انسان کے دل میں اس کے لیے عزّت و تکریم کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ یوں نماز کا حکم بھی دیا اور اس کی حکمت بھی بتا دی۔

Marfat.com

شراب نوشی اور قمار بازی عرب کے جاہل معاشرہ میں امارت کی نشانیاں سمجھی جاتی تھیں۔ عرب کی نوے فیصد آبادی، ان دونوں چیزوں کی خوگر تھی۔ قرآن کریم نے محض ایک آرڈی ننس کے ذریعہ ان کی حرمت بیان نہیں کی، بلکہ اس کی وجہ بھی شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرمادی۔ ارشاد ہے:

انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ط

یعنی شیطان چاہتا ہے کہ مے نوشی اور قمار بازی کے ذریعے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض کی آگ بھڑکا دے نیز تمھیں اللہ تعالےٰ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے۔ کیا ایسی مہلک اور تباہ کن چیزوں سے تم باز نہیں آؤ گے؟

یعنی تمھیں شراب نوشی اور قمار بازی سے اس لیے نہیں روکا جارہا کہ تمھیں زندگی کے عیش ونشاط سے محروم کردیا جائے بلکہ اس پر مرتب ہونے والے اثرات بے حد مہلک ہیں ان سے تمھیں بچانا مقصود ہے۔

قرآن وسنت میں اوامر ونواہی کا جہاں بھی ذکر آیا ہے وہاں ان کی حکمتیں بھی بیان کردی گئی ہیں، کبھی صراحتہً کبھی کنایتہً اس سے دو فائدے بیک وقت حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اوامر ونواہی کے سلسلہ میں انسانی ذہن اور ضمیر کو مطمئن کردیا جائے کہ ان احکام کے بجالانے میں خود ان کا اپنا فائدہ ہے۔ اس لیے اگر اس سلسلہ میں انھیں کچھ تکلیف برداشت کرنا پڑے یا ضبط جذبات سے کام لینا پڑے تو لوگ اس کو بخوشی گوارا کرلیں، اس میں بوجھ اور اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔ دوسرا فائدہ جو اہمیت اور

Marfat.com

افادیت کے لحاظ سے بہت بڑا فائدہ ہے، یہ ہے کہ جہاں بھی یہ مصلحتیں پائی جائیں۔ اگرچہ ان کے بارے میں صراحتہً کوئی نص نہ ہو تو بھی ایسے مفید اور نیک افعال کا ارتکاب اور ایسے مضر اور بُرے اعمال سے اجتناب ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کا یہی وہ پہلو ہے جس کے باعث اسلام کو نوع انسانی کا ابدی دین بنا دیا گیا ہے اور اس کی ہدایت کی روشنی میں کاروانِ انسانیت قیام قیامت تک اپنی رفیع منزل کی طرف رواں دواں رہے گا۔

احکامِ الٰہی کے ساتھ ساتھ حکمتوں اور مصلحتوں کے بیان نے اجتہاد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور ہر عہد کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے صرف یہی نہیں بلکہ قرآن و سنت میں کثیر التعداد ایسے اشارات موجود ہیں جن سے نئے مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے اجتہاد کی تاکید کی گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی مقرر فرمایا اور جب وہ اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے روانہ ہونے لگے۔ تو رحمت عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے معاذ! اگر تمھارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق۔

فرمایا: اگر اس کا صحیح جواب کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر

عرض کی: سنتِ نبوی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

فرمایا: اگر سنت میں بھی اس کا صحیح جواب نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟

انھوں نے عرض کی: اجتھد رائی لا آلو۔ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کروں گا۔

Marfat.com

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول مکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرطِ مسرت سے فرمایا:

الحمد لله الذی وفق رسول الله لما یرضاه رسول الله کہ اس اللہ تعالٰے کی تعریف کرتا ہوں جس نے اپنے رسول کے پیغامبر کو ایسی چیز کی توفیق بخشی جس کو اللہ تعالٰی کا رسول پسند کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کی طرف ایک گرامی نامہ بھیجا جس میں مقدمات کے فیصلہ کرنے کے اصول، ان کی طرف تحریر فرماتے آپ نے لکھا:

اقض بما استبان لك من كتاب الله فان لم تعلم كل كتاب الله فاقض بما استبان لك من قضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فان لم تعلم كل اقضية رسول الله فاقض بما استبان لك عن الائمة المجتهدين. فان لم تعلم كلما قضت به الائمه المجتهدون فاجتهد رايك واستشر اهل العلم والصلاح.

یعنی جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو تو کتاب اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کرو۔ اگر تم کتاب اللہ سے نہ معلوم کر سکو تو حضور کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ اور اگر تمہیں اس بارے میں حضور کے فیصلہ کا علم نہ ہو تو ائمہ مجتہدین کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ائمہ مجتہدین سے بھی پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہل علم و صلاح سے مشورہ کرو۔

Marfat.com

اس طرح کی کثیر التعداد آیات، احادیث اور آثارِ خلفاء راشدین موجود ہیں۔ جن سے اجتہاد کے جواز کا ہی پتہ نہیں چلتا بلکہ اجتہاد کرنے کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

پاکستان کے مطالبہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطّہ زمین مل جائے۔ جہاں ہم آزادی سے اپنے نظامِ حیات کو اس کے تمام پہلوؤں سمیت اسلام کے قالب میں ڈھال دیں اور اس میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ بیسویں صدی میں قومی زندگی کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں میں ایسے نئے نئے مسائل رونما ہو گئے ہیں جو پہلے زمانوں میں موجود نہ تھے۔ جن کے بارے میں قرآن و سنت میں ہمیں صراحتہً کوئی حکم نہیں ملتا، اور وہ مسائل اتنے اہم اور ناگزیر ہیں کہ ان سے پہلوتہی بھی نہیں کی جا سکتی نہ ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم ان کو یکسر نظر انداز کر دیں اور نہ ہم ان کو موجودہ نئے نظاموں کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں ورنہ ہماری اجتماعی زندگی چوں چوں کا مربّہ بن جائے گی۔ زندگی کے کچھ مسائل تو ہم اسلام کی روشنی میں حل کریں اور جدید مسائل کو حل کرنے کے لیے مشرق و مغرب کے جدید نظام ہائے حیات سے مدد لیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس دوغلی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے لیے صرف یہی طریقہ کار ممکن ہے کہ کتاب و سنت میں جو واضح احکام، جو ارشادات اور جو ہدایات موجود ہیں۔ ان کی روشنی میں ہم ان مسائل کا حل تلاش کریں۔ فقط اسی صورت میں ہم اپنی ساری زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگ سکتے ہیں۔ اس لیے اہلِ علم و دانش کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اپنے مسائل کا اسلامی حل تلاش کریں۔

علومِ اسلامیہ میں اصولِ فقہ کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ علماء نے اس فن میں جہاں ان قواعد و ضوابط پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ جن سے احکامِ شریعت کا استنباط

Marfat.com

کیا جاتا ہے وہاں انھوں نے اجتہاد کے موضوع کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور بڑی تفصیل سے اس کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ انہی مباحث کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں تاکہ ان اصول وضوابط پر آپ آگاہ ہو جائیں جن کی پابندی، ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے تاکہ آپ قرآن وسنت کے اتباع میں اور ہوائے نفس کی پیروی میں واضح فرق محسوس کریں اور ہوائے نفس کے اتباع سے احتراز کرتے ہوئے قرآن وسنت کی پیروی اختیار کریں۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ تین چیزیں بیان کی جائیں گی:

(۱) اجتہاد کسے کہتے ہیں؟

(۲) مجتہد کے منصب پر کون فائز ہو سکتا ہے اس کے لیے کن کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۳) کون سے مسائل ہیں جن میں اجتہاد کی اجازت ہے۔

یہ بحث بے شک بہت پیچیدہ بھی ہے اور خشک بھی، اس میں تفنن طبع کا بھی کوئی سامان نہیں شاید بہت سے لوگوں کے لیے اس کا تذکرہ بار خاطر ہو لیکن ان مباحث کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کے بیان سے مفر نہیں۔ امید ہے آپ حضرات صبر، توجہ اور ضبط سے ان معروضات کو سننے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

علماء اصول نے اجتہاد کی جو تعریفات کی ہیں ان کے الفاظ میں معمولی تفاوت ضرور ہے لیکن مقصد اور مآل کے نقطۂ نظر سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ میں یہاں ان متعدد تعریفات میں سے علامہ ابوالحسن علی الآمدی کی تعریف کرنے پر اکتفا کروں گا۔

الاجتهاد، فهو فى اللغة عبارة عن استفراغ الوسع فى

Marfat.com

تحقیق امر من الامور مستلزم للکلفۃ والمشقۃ یقال اجتھد فلان فی حمل حجر۔ ولا یقال اجتھد فی حمل خردلۃ۔

ترجمہ: لغت میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے میں اپنی امکانی طاقت کو صرف کر دینا، اور اس میں کلفت اور مشقت برداشت کرنا۔ اہل عرب یوں تو کہتے ہیں کہ اجتھد فلان فی حمل حجر کہ فلاں شخص نے بھاری پتھر اٹھانے میں کوشش کی، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ اجتھد فلان فی حمل خردلۃ کہ رائی کے دانے کے اٹھانے میں فلاں نے کوشش کی۔

گویا اہل لغت اجتہاد کا لفظ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کوشش کی جائے اور اس کوشش میں دقت اور مشقت بھی ہو۔ اجتہاد کا لغوی معنی ذہن نشین کرنے کے بعد اب علماء اصول کے نزدیک اس کی جو تعریف ہے وہ سماعت فرمائیے:

و فی الاصطلاح، استفراغ الوسع فی طلب الظن بشیٔ من احکام الشریعۃ علی وجہ یحسّ من النفس العجز عن المزید فیہ۔ (احکام الاحکام ج ۳ الآمدی)

یعنی "فقہاء کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کے بارے میں غلبہ ظن حاصل کرنے کے لیے اپنی کوشش کی انتہا کر دینا، اس طرح کہ نفس اس سے زیادہ کوشش کرنے سے عاجز ہو۔

اجتہاد کی تعریف پوری طرح سمجھ لینے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ اجتہاد کے منصب کا اہل کون ہے۔ کیا ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اپنے زعم و گمان کے مطابق اجتہاد کرتا

Marfat.com

رہے اور احکام شرعیہ کے بارے میں فتوے صادر کرتا رہے اگر شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کرنے کی یوں کھلی چھٹی ہوتی تو شریعت اسلامیہ کبھی کی اپنی افادیت کھو دیتی اور بچوں کا کھیل بن کر رہ جاتی۔ اس لیے علماء اصول نے مجتہد کے بارے میں بڑی شرح و بسط سے بحث کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد مجتہد کے منصب کی اہمیت اور اس منصب جلیل پر فائز ہونے کی اہلیت کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی نے اپنی مشہور کتاب الموافقات میں مجتہد کی جو تعریف کی ہے وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی جامع بھی ہے، فرماتے ہیں:

انما تحصل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفين. احدهما فهم مقاصد الشريعة على كمالها. والثانى التمكن من الاستنباط بناء على فهمه فيها (الموافقات ج ۴)

یعنی اجتہاد کا درجہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان دو وصفوں سے متصف ہو:

(۱) شریعت کے مقاصد کو مکمل طور پر سمجھتا ہو۔

(۲) مقاصد شریعت کے سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس میں استنباط احکام کا بھی پورا پورا ملکہ ہو۔

علامہ شوکانی نے مجتہد کی جو تعریف کی ہے وہ بڑی واضح ہے اس کے سمجھنے کے بعد مجتہد کے مقام کو سمجھنے میں کوئی التباس باقی نہیں رہتا، وہ لکھتے ہیں:

المجتهد، هو الفقيه، المستفرغ بوسعه لتحصيل ظن بحكم شرعى ولابد ان يكون بالغا عاقلا قد ثبتت له ملكة

Marfat.com

یقتدر بہا علی استخراج الاحکام من ماخذھا۔

یعنی "مجتہد وہ فقیہہ ہے جو کسی حکم شرعی کو جاننے کے لیے اپنی ساری قوت خرچ کر دے۔ اس کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسا ملکہ اور استعداد کا پایا جانا بھی ناگزیر ہے جس کی وجہ سے وہ قوانین اسلامی کے ماخذوں سے احکام کا استخراج کر سکے۔"

کسی فقیہہ میں یہ استعداد کب پیدا ہوتی ہے اور استخراج احکام کا ملکہ اسے کب میسر آتا ہے۔ اس کے لیے علماء اصول نے پانچ شرائط رقم کی ہیں:

(۱) ان یکون عالما بنصوص الکتاب والسنۃ فان قصر فی احدھما لم یکن مجتھدا ولا یجوز لہ الاجتھاد۔

یعنی وہ کتاب اور سنت کے نصوص کا عالم ہو۔ اگر ان دو میں سے کسی میں اس کا علم ناقص ہو تو وہ مجتہد نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اجتہاد کرے۔

لیکن کیا تمام آیاتِ قرآنی اور تمام سنن نبوی کا جاننا مجتہد کے لیے شرط اول ہے اس کے بارے میں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ کم از کم ان آیات کا علم ضروری ہے جن کا تعلق احکام سے ہے۔ اور علماء کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد پانچ صد ہے۔ اسی طرح احادیث سے مراد بھی وہی احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے۔ اہل علم کے نزدیک ان کی تعداد بارہ سو ہے۔

قال احمد رحمۃ اللہ الاصول التی یدور علیھا العلم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینبغی ان تکون الفا وماْتین۔

Marfat.com

امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ اصول جن پر اس علم کا دارومدار ہے جو بارگاہ نبوی سے مستفاد ہوتے ہیں ان کی تعداد بارہ سو ہے۔

عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ اجتہاد کرنے کا حق صرف اس شخص کے لیے تسلیم کیا جائے جو قرآن وسنت میں ماہرانہ دسترس رکھتا ہو، کیونکہ یہی وہ دو چشمے ہیں جن سے احکام شرعیہ کا استنباط کیا جاتا ہے جس شخص کو ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک میں ماہرانہ دسترس نہ ہو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجتہاد کی مسند پر متمکن ہونے کا خواب دیکھ سکے۔

(۲) ان یکون عارفا بمسائل الاجماع حتی لا یفتی بخلاف ما وقع الاجماع علیہ۔

مجتہد بننے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ وہ ان مسائل سے بھی باخبر ہو جن پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے تاکہ وہ ایسا فتویٰ نہ دے جو اس مسئلہ کے خلاف ہو جس پر پہلے اجماع متحقق ہو چکا ہے۔

(۳) ان یکون عالما بلسان العرب بحیث یمکنہ تفسیر ما ورد فی الکتاب والسنۃ من الغریب ونحوہ

تیسری شرط یہ ہے کہ عربی زبان کا عالم ہو تاکہ جو مشکل اور غریب الفاظ قرآن کریم اور سنت نبویہ میں استعمال ہوتے ہیں ان کی تشریح کر سکے۔

(۴) صرف ونحو، معانی اور بیان میں بھی مہارت رکھتا ہو تاکہ جملوں کی ترکیب کر سکے اور عبارت میں دیگر لطائف بلاغت جو پنہاں ہیں ان پر آگاہی حاصل کر سکے۔

Marfat.com

⑤ ان یکون عارفا بالناسخ والمنسوخ۔

یعنی وہ آیات اور احادیث میں سے ناسخ اور منسوخ کو جانتا ہو ایسا نہ ہو کہ عدم واقفیت کی وجہ سے وہ ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ پر عمل پیرا رہے۔

امام علاؤ الدین البخاری نے کشف الاسرار میں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے المستصفیٰ میں مجتہد کی شرائط کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور ان علوم کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جن میں کسی مجتہد کا ماہر ہونا ضروری ہے۔

غزالی اس بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں:

ومعظم ذلك يشتمل عليه ثلاثة فنون. علم الحديث وعلم اللغة وعلم اصول الدين۔

یعنی تین علوم میں مجتہد کا ماہر ہونا ضروری ہے علم حدیث، تاکہ مسائل شریعت کے بارے میں ارشاد نبوت کا اسے پوری طرح علم ہو نیز حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے میں فرق کر سکے، رواۃ حدیث کے بارے میں فن رجال کے علماء نے جو جرح و تعدیل کی ہے اس سے واقف ہو، فقط اس صورت میں وہ ہر حدیث کو اس کے صحیح مقام پر محمول کر سکے گا۔ اور اس سے جس قسم کا حکم ثابت ہو سکتا ہے اسے مستنبط کر سکے گا۔ علم لغت میں بھی ہو اور اصول فقہ میں دسترس رکھتا ہو تاکہ خاص و عام مطلق و مقید، حقیقت و مجاز، صریح و کنایہ، نیز دلالت کے اقسام یعنی دلالۃ النص، عبارۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص اور اس کی دیگر اقسام سے پوری طرح باخبر ہو۔

آپ ان شرائط کو سننے کے بعد بلا جھجک یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شرائط بلاوجہ نہیں

Marfat.com

بلکہ ایک مجتہد میں ان کا پایا جانا ازبس ضروری ہے اگر ان میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہوگی تو ایسے خود ساختہ مجتہد کا اجتہاد، قوم کو کتاب وسنت سے دور پھینک دے گا اور ہدایت کے بجائے ضلالت وغوایت کے گڑھے میں گرا دے گا۔

عصر حاضر میں اجتہاد کے پرجوش علمبردار اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ مجتہد شریعت کے ہر مسئلہ میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے اور اگر وہ چاہے تو زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان احکام میں بھی تغیر وتبدل کر سکتا ہے جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے دائرہ کار کے بارے میں بھی وضاحت کر دی جائے کہ کون سے مسائل ہیں جن میں مجتہد کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے اور کون سے ایسے مسائل ہیں جو اس دائرہ کار سے خارج ہیں۔

علماء اصول نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مجتہد کو شریعت کے تمام احکام کے بارے میں اجتہاد کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کا ایک محدود دائرہ کار ہے جس کی حدود کی پابندی اس پر لازم ہے اگر وہ ان حدود سے تجاوز کرے گا تو پھر وہ مجتہد نہیں رہے گا، بلکہ مستقل قانون ساز (مقنن) کا درجہ حاصل کرے گا کسی اور نظام حیات میں اس کی گنجائش ہو تو ہو، اسلام ایسے قانون ساز کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قانون سازی کا حقیقی منصب اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے یا اس کے اذن سے اس کا رسول، قانون ساز ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا عالم، کوئی بڑے سے بڑا فرمانروا، اور کوئی بڑے سے بڑا فاتح، قانون سازی کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ اسے بہرحال اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا ہوگا۔

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

والمجتهد فيه، كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي.

یعنی صرف اس حکم شرعی میں اجتہاد کی ضرورت ہے جس کے لیے کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔

اس کے بعد غزالی فرماتے ہیں کہ وہ امور جن کا تعلق عقلیات سے ہے، یا وہ مسائل جن کا تعلق عقائد سے ہے، یا وہ مسائل جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں ان میں کسی کو اجتہاد کی اجازت نہیں۔ ان امور میں اگر کوئی رائے زنی کرے گا تو اجتہاد نہیں ہوگا بلکہ تحریف ہوگی۔ اور دین میں تحریف کی اجازت نہیں۔

آج سے پہلے بھی کئی ایسے مدعیانِ اجتہاد رونما ہوتے جنھوں نے کتاب وسنت سے ثابت شدہ احکام میں بھی ردّ و بدل کیا اور اسے اجتہاد کا عنوان دیا، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی ضمیر نے ان کی ان جسارتوں کو کبھی قبول نہیں کیا کیونکہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے حبیبِ مکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مستقل قانون ساز تسلیم کرتا ہے اور ان کے ہر ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا جانتا ہے ان کے علاوہ جس کسی نے بھی شریعت اسلامیہ میں اپنی من مانی کرنا چاہی اور اسے اجتہاد کے عنوان سے ہی کیوں نہ پیش کیا۔ ملت اسلامیہ نے اسے اور اس کے اجتہاد کو مسترد کر دیا اور کبھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ماضی بعید اور ماضی قریب میں ایسی شخصیتوں سے آپ بھی اچھی طرح واقف ہیں جنھوں نے کتاب وسنت کی نصوص میں ردّ و بدل کرنا چاہا، لیکن انھیں چند خوشامدیوں کے بغیر کہیں پذیرائی نصیب نہیں ہوئی۔

Marfat.com

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں بعض مشکل مسائل ایسے ہیں جن کو حل کرنے کے لیے اہلِ علم و دانش کے اجتہاد کی اشد ضرورت ہے، لیکن ان مجتہدین کو ان اصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا۔ جو علماء اصول نے بیان فرمائے ہیں اور یہ اہم کام انفرادی طور پر کرنے کے بجائے اگر اجتماعی طور پر کیا جائے یعنی ایسے علماء و فضلاء کی مجلس مقرر کی جائے جو ان مسائل پر سیر حاصل بحث و تمحیص کے بعد کوئی فیصلہ صادر کرے تو یہ از حد مفید ہو گا۔

Marfat.com

اسلام

کا ایک تعزیری قانون

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

شریعت اسلامیہ کے تعزیری قوانین میں سے ایک اہم قانون کا ذکر ہو رہا ہے انسان کی جان، مال، ناموس کی حفاظت اسلامی قوانین کا مقصد اولین ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی جان کو تلف کرتا ہے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر کسی کے مال پر دست اندازی کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر کوئی شخص کسی کی عزّت و ناموس کو داغدار کرتا ہے تو اس کو دُرّوں اور رجم کی سزا دی جائے گی۔ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، ایک تو یہ ہے کہ مجرم کو اس کے کیے کی سزا دی جائے، دوسری یہ کہ وہ لوگ جن میں جرائم کے ارتکاب کا میلان پایا جاتا ہے، وہ اس خوف ناک سزا سے

Marfat.com

ڈر کر جرائم کا ارتکاب نہ کریں اور چاہیے بھی ایسا۔ اگر کسی سزا میں یہ دو عنصر مقصود نہیں تو اسے سزا کہنا ہی غلط ہے۔ گناہ کے ارتکاب سے جو لذت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلے میں اگر سزا ہلکی ہوگی، تو لوگ اس سزا کو خاطر میں نہیں لائیں گے، اور حصولِ لذّت کے لیے وہ جرم کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔ اور اگر سزا میں دوسروں کے لیے عبرت کا پہلو نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ چاہتے ہی نہیں کہ اس جرم کا سدِّباب ہو اور کوئی اس کے نزدیک نہ پھٹکے۔ آپ صرف ضابطے کی کارروائی پوری کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اس سے سروکار نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ تو ایک بچوں کا کھیل ہوا۔ اس کے پیشِ نظر معاشرہ کو گناہوں سے پاک کرنا اور ان کے خطرناک نتائج سے محفوظ رکھنا نہ ہوا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس ملک میں اس کا پرچم لہرا رہا ہے وہاں امن ہو، سکون ہو، محبت ہو، پیار ہو تاکہ وہاں کے بسنے والے اپنی صلاحیتوں کو نیکی اور اصلاحی سرگرمیوں میں خرچ کرسکیں۔ تعمیری کاموں کے لیے ان کے پاس وقت کی قلت نہ ہو، عداوت، حسد، منافرت کے شعلے ان کے خرمنِ عافیت کو جلا کر خاکستر نہ کرتے رہیں۔ اس لیے اس نے انسدادِ جرائم کی ادھوری اور غیر مؤثر کوشش نہیں کی بلکہ ایک جامع منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل کرنے سے سوسائٹی ان جرائم سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال پر ایمان اور روزِ محشر کے محاسبہ کا خوف پیدا کیا اور یہ حقیقت ان کے سامنے واضح کر دی کہ جس خدا کو تم اپنا معبود کہتے ہو، جو تمہارا اور سارے عالم کا خالق و مالک ہے اس نے ان اعمال کو جرم قرار دیا ہے اگر تم ان کا ارتکاب کرو گے اور وہ ہمہ دان اور ہمہ بین بھی ہے تم اس سے اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکتے۔ تصنّع اور بناوٹ کے رنگین غلافوں میں لپٹنے کی کوئی کوشش وہاں کامیاب

Marfat.com

نہیں ہو سکتی. تم اپنے حسن نیت یا مجبوری کو کتنے موثر پیرایہ میں بیان کرو تم اسے فریب نہیں دے سکتے. وہ تمھارے اعمال، ان اعمال کے محرکات اور عوامل سے خوب آگاہ ہے اور قیامت کے دن تم اپنے ان اعمال کی جواب دہی کے لیے اس کی بارگاہ میں ضرور پیش کیے جاؤ گے.

اسلام دینِ فطرت ہے، اس کا نظامِ شریعت ایسا نہیں جو انسان کے فطری تقاضوں سے ہر وقت بر سرِ پیکار ہو. اللہ تعالٰے ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اس لیے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز، مناسب اور خوب صورت طریقوں کو جائز قرار دیا ہے. فطری تقاضوں کی تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے، اسے وہ سزا دیتا ہے. اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کر کے اس نے اپنے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عبرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ارتکاب کی جسارت شاذ و نادر ہی کیا کرتے ہیں.

وہ متعدد اعمال جن کے ارتکاب کو اسلام نے جرم قرار دیا ہے ان میں زنا بھی ہے. قرآن کریم نے ایک دوسری آیت میں اس سے ممانعت کی حکمت بڑے بلیغ انداز میں صرف دو لفظوں میں بیان کر دی:

"لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا"

یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ. یہ بڑی بے حیائی ہے اور یہ راستہ بہت بُرا ہے. یعنی تمھیں اس فعل بد سے ہم اس لیے نہیں روک رہے کہ تم لطف نہ اٹھاؤ، تمھاری زندگی کا دامن مسرتوں سے خالی رہے بلکہ اس میں سراسر تمھارا ہی فائدہ ہے. یہ فعل مجسّم

Marfat.com

بے حیائی ہے۔ اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے تو شرم و حیا کی قوت جو تمھیں ہر بُرے کام سے ہر رذیل حرکت سے ہر خلاف مروت اقدام سے روکتی ہے بلکہ گناہوں اور بدکاریوں کے سیلاب کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑی ہو جاتی ہے، وہ کمزور پڑ جائے گی، وہ بیمار پڑ جائے گی حتیٰ کہ دم توڑ دے گی اور جب یہ قوت فنا ہو جائے گی تو غیرت و حمیت کا جنازہ نکل جائے گا۔ پھر اگر کوئی یہ فعل شنیع جس کے تصور سے ہی تم کانپ اُٹھتے ہو تمھاری بیوی، بہن بلکہ بیٹی کے ساتھ بھی کرے گا تو تم اسے کوئی اہمیت نہ دو گے۔ یورپ، امریکہ اور ان سے متاثر ہونے والے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے رقص گاہوں میں لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی بہو بیٹیوں کو دوسروں کے آغوش میں دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے، بلکہ وہ دیوث فخر سے اِترا رہے ہوتے ہیں اور داد دے رہے ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کسی مسخ شدہ ذہن والے آدمی کے نزدیک اخلاق عالیہ کی یہ گراں بہا قدریں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں، وہ محض انھیں قدامت پرستی اور رجعت پسندی کی علامت قرار دیتا ہو، لیکن ساء سبیلا (یعنی بہت بُرا راستہ) فرما کر ایسے کند ذہن کو بھی حقائق کی تلخیوں، حالات کی بے رحمیوں اور واقعات کی سنگینیوں کے روبرو کر کے کھڑا کر دیا۔ یعنی یہ راستہ ہی بہت بُرا راستہ ہے۔ چند لمحوں کی فانی اور جھوٹی مسرت کے لیے انسان اپنی صحت کو کن خطرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ آتشک، سوزاک وغیرہ موذی امراض کس کا کرشمہ ہے، یہ تحائف کون دیتا ہے اور کسے دیتا ہے، وہ عورت جو مرد کی شہوت رانی کا شکار ہوتی ہے۔ اسے اگر حمل ٹھہر گیا تو وہ کہاں سر چھپائے گی۔ حمل گرانے کی صورت میں وہ اپنی جان بھی کھو سکتی ہے۔ ہم نے مانا کہ یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے ہسپتال اور کلینک موجود ہیں جو اسقاط حمل کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ایسی پناہ گاہیں

Marfat.com

بھی موجود ہیں جہاں غیر شادی شدہ ماؤں کو پناہ مل جاتی ہے، لیکن کیا سوسائٹی میں انھیں کوئی قابلِ احترام مقام نصیب ہو سکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ ان دونوں نے اپنے کیے کی سزا پائی لیکن وہ بچے جو اس طرح پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا قصور؟ اس ہوسناک باپ نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں، ماں بھی اسے محتاج خانے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ ان کو ماں کا آغوشِ محبت نصیب ہوا نہ باپ کا ظلِ عاطفت۔ یہ محرومیاں اسے ورثہ میں کیوں ملیں۔ یہ سزا انھیں کس گناہ کی مل رہی ہے۔ کیا ان بچوں کے اذہاں متاثر نہیں ہوتے۔

چند ماہ ہوئے امریکہ کی ایک خاتون کوریا گئی۔ وہاں اس نے بے شمار ایسے معصوم بچے دیکھے جن کی مائیں تو کوریا کی تھیں، لیکن ان کے باپ امریکہ کے وہ سپاہی تھے۔ جو کوریا کی جنگ میں اہلِ کوریا کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ کوریا والوں کو کمیونسٹوں کی غلامی سے چھڑانے آئے تھے، وہ انھیں جمہوریت کی بالادستی کا سبق ازبر کرانے آئے تھے۔ وہ سبق تو انھیں ازبر ہوا یا نہیں البتہ یہ ضرور ہوا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کورین دوشیزائیں ان کے ڈالروں کی جھنکار سے مسحور ہو کر یا جنگ کی لائی ہوئی محرومیوں اور فاقوں سے مجبور ہو کر اپنی عصمت کی دولت لٹا بیٹھیں اور ان کے مہربان امریکی حلیف انھیں حرامی بچوں کا ایک لشکر جرار دے گئے۔ خود تو وہ اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہ معصوم بچے اپنے ظالم جفا کار اور طوطا چشم باپوں اور غربت زدہ ماؤں کی مفارقت کے صدمے برداشت کرنے کے لیے کوریا میں رہ گئے اور وہ اب تک وہاں کے گلی کوچوں میں دھکے کھا رہے ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ امریکہ کی اس خاتون نے جب یہ حال دیکھا تو رحم کی ایک رو نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے امریکہ کے اخبارات میں ایک اپیل شائع کی کہ ان بچوں کی سرپرستی کے لیے امریکہ کے دولت مند چندہ دیں۔ لاکھوں ڈالر چندہ ہوا۔ اخبارات

Marfat.com

میں امریکہ کی غریب پروری اور انسانیت نوازی کی تشہیر ہوئی اور خوب تشہیر ہوئی لیکن سوچیے ان لاکھوں بچوں میں سے اگر ہزار دو ہزار بچے کفالت میں لے بھی لیے گئے تو یہ مسئلہ حل ہو گیا؟ باقی رہ جانے والے بچوں کے دکھ کا مداوا اور درد کا درماں ہو گیا؟ ان کفالت میں لیے جانے والے بچوں کو ماں کا پیار اور باپ کی محبت بھی مل گئی؟ وہ محترمہ اس ہنگامہ آرائی کے بجائے اگر اپنے سپوتوں کو شرم و حیا کا درس دیتی اور اس فعل شنیع سے باز آنے کی تلقین کرتی تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ آگ لگا کر اسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا یہ بہتر نہیں کہ لگانے کی حماقت نہ کی جائے۔ وساء سبیلا کے الفاظ کتنے جامع ہیں۔ آپ ان افراد، ان خاندانوں اور قوموں کا جتنی گہری نظر سے تجزیہ کریں گے آپ کے سامنے ہولناک حقائق بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ بڑے فراخ دل، مغربیت زدہ اور جدت پسند ہونے کے باوجود کانپ جائیں گے، لرز جائیں گے۔

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے سپاہی اپنے دوست ملک برطانیہ کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے، وہ چند سال برطانیہ میں ٹھہرے اور جب گئے تو سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۷۰ ہزار حرامی بچے چھوڑ کر گئے۔ اس کے علاوہ جو جنسی لاعلاج بیماریاں انھوں نے ایک دوسرے کو بطور تحفہ دی ہوں گی، ان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ آپ اپنے قانون ساز اداروں کے ذریعے ایک فعل کو جرائم کی فہرست سے نکال سکتے ہیں۔ اگر آج تک وہ حرام اور ممنوع رہا ہے، تو آپ ایک بل پاس کر کے اسے جائز قرار دے سکتے ہیں، لیکن کیا کسی قانون ساز ادارہ میں یہ طاقت ہے کہ ان جرائم کو جنھیں اب قانون کی سند مل گئی ہے۔ ان کے برے نتائج و عواقب سے الگ کر سکے۔ مغرب کے بیشتر ممالک میں اگر کوئی غیر شادی شدہ مرد یا عورت اپنی مرضی

Marfat.com

سے اس فعل شنیع کا ارتکاب کرے تو وہاں ملکی قانون کی رو سے یہ جرم نہیں، آپ انھیں کوئی سزا نہیں دیں گے، لیکن کیا قدرت کی گرفت سے بھی کوئی انھیں بچا سکتا ہے؟ قدرت کی گرفت کے مختلف انداز ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر ہوا۔ کیا قدرت کا بے لاگ قانون انھیں مختلف قسم کے شکنجوں میں کس نہیں رہا۔ یورپ کے بعض ملکوں میں حرامی بچوں کی شرح پیدائش ساٹھ فی صد سے بھی متجاوز ہوگئی ہے اور غیر شادی شدہ ماؤں میں ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے۔ طلاقوں کی کثرت ہے۔ گھروں میں سکون کی دولت نہیں ملتی۔ میاں بیوی میں اعتماد مفقود ہے۔ میاں بیوی میں وہ سچی محبت جس کے ہم یہاں خوگر ہیں جس کی وجہ سے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کی حیران کن مثالیں قائم کرتے ہیں، اس کا نام و نشان تک وہاں نہیں۔ برداشت اور ایثار کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ کوئی بات کسی کی مرضی کے خلاف ہوگئی جھٹ طلاق حاصل کرلی۔ خود غور فرمائیے! گھر معاشرہ کی خشتِ اوّل ہے۔ یہ وہ محکم اساس ہے جس پر معاشرے کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے اگر یہ بنیاد ہی کمزور ہوگی تو صحت مند معاشرہ کیسے تعمیر ہوگا۔

اس لیے جب آپ شریعتِ اسلامی کا مطالعہ فرمائیں تو ازراہِ خدا بھڑکے ہوئے جذبات کی رو میں بہتے ہوئے مرعوبیت کے احساس کے زیرِ اثر ہو کر نہ کیا کریں بلکہ ان تمام چیزوں سے بلند ہو کر کیا کریں۔ بے شک آپ جذبۂ عقیدت کو بالائے طاق رکھ دیں لیکن حقیقت کا دامن تو کسی کے کہنے یا بہلانے سے نہ چھوڑ دیا کریں۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس کی حقیقت پسندی جب آپ کے سامنے عیاں ہوگی تو اس کا حسن خود ہی آپ کو مسحور کرلے گا۔

اسلام نے جن چیزوں کو بجالانے کا حکم دیا ہے اس میں ہمارا، ہماری قوم کا بلکہ ساری

Marfat.com

انسانیت کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس میں ہمارا، ہماری قوم کا اور ساری انسانیت کا نقصان ہے کیونکہ یہ دین ابد تک کے لیے ہے، اس لیے کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو جائیں یا ان پر مرتب ہونے والے نقصانات ختم ہو جائیں۔

یورپ کے کئی ممالک میں شراب پینا اور جوا کھیلنا قانوناً جائز ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہاں شراب پینے اور جوا کھیلنے سے وہ مضرتیں رونپذیر نہیں ہوتیں جن کے باعث شراب و قمار کو ممنوع کیا گیا تھا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ اور اگر ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا جائے، تو حکومت اس آمدنی سے محروم ہو جائے گی۔ غور فرمایا آپ نے عقلِ انسانی کی قلابازیوں کا کیا حال ہے۔ جب جرائم اور قبائح کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر ہی الگ ہے تو ان کے انسداد کے لیے اسلام کا طریقہ کار اگر دیگر اقوام سے الگ ہو تو اس میں قطعاً کوئی حیرت نہیں۔ مجرم کے ساتھ ایسی مہربانی اور شفقت جو دوسرے بے شمار لوگوں کو جرم کے ارتکاب پر جری کر دے۔ اس سے وہ سختی بہتر ہے جو مجرم سے وہ ہمت چھین لے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب کر سکے اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں ایسی دہشت اور خوف پیدا کر دے کہ کسی کے دل میں اس جرم کے ارتکاب کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔

زنا کا فعلِ قبیح کیونکہ گوناگوں ایسی ہی لازمی اور متعدی خرابیوں کا سرچشمہ تھا، اس لیے اسلام نے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ اگرچہ قانونِ اسلام کو معطل ہوئے عرصۂ دراز گزر چکا ہے شرم و حیا کی اس چادر کو تار تار کرنے کی بڑی منظم کوششیں بھی شروع ہیں، لیکن اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اسلام نے جو نفرت اس سے پیدا کر دی ہے، اس کے باعث

Marfat.com

اس فعلِ شنیع کا ارتکاب نسبتاً بہت ہی کم ہے۔ چند مسخ شدہ گھروں کے علاوہ سارے ملک میں عصمت وعفت کا مقام بہت ہی بلند ہے۔

یہ عرض کرنے کے بعد اب بدکار عورت اور بدکار مرد کے لیے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے اس کو مختصراً پیش کرتا ہوں، انھیں آپ ابتدائی معلومات ہی قبول فرمائیں۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کو بالتفصیل پیش کیا جا سکے۔

زانی مرد اور زانیہ عورت کو شریعت نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور اسی تقسیم کے پیش نظر ان کی سزاؤں میں تفاوت ہے:

(۱) غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت۔

(۲) شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت۔

زمانۂ جاہلیت میں دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ زنا کا رواج بھی عام تھا اور اس کا ارتکاب بے دھڑک کیا جاتا تھا، پیشہ ور عورتیں بڑے ٹھاٹھ سے اپنی دکانیں سجاتی تھیں۔ اونچے اونچے جھنڈے ان کے مکانوں پر لہرایا کرتے تھے۔ انھیں اور ان کے پاس آنے والوں کو قطعاً حجاب معلوم نہ ہوتا تھا۔

کان فی ذلک الزمان زنی النساء فاش وکان لاماء العرب وبغایا الوقت رایات وکن مجاھرات بذلک۔

(قرطبی)

اسلام جو انسان کو رذالت وکمینگی کی ان پستیوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا وہ اس کو کیسے گوارا کرتا۔ چنانچہ سورۃ الفرقان جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں اہلِ ایمان کی

Marfat.com

دیگر صفات کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا گیا کہ وہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتے " و لا یزنون " اور سورۃ الممتحنہ میں جہاں عورتوں کے مشرف باسلام ہونے اور بیعت کرنے کا ذکر ہے، وہاں ان سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ " و لا یزنین " کہ وہ آئندہ زنا نہیں کریں گی۔ یاد رہے کہ سورہ الممتحنہ بھی مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ تو روحانی اور اخلاقی تربیت تھی جس کی تلقین ہر اسلام قبول کرنے والے کو پہلے دن ہی کی جاتی اور اس سے یہ وعدہ لیا جاتا جس کی پابندی اس پر ضروری ہوتی۔

اس جرم شنیع کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق جو حکم ہوا وہ سورہ نساء کی آیت ۱۵ میں مذکور ہے کہ شادی شدہ عورت اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کو گھر میں محبوس کر دو یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اللہ تعالےٰ کوئی دوسرا حکم نازل کرے " فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا " اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ابتداء میں یہ سزا تجویز کی گئی کہ انھیں لعنت ملامت کی جائے اور خوب اذیت دی جائے " و اللذان یاتیانھا منکم فاذوھما " کچھ عرصہ اسی حکم کے مطابق عمل ہوتا رہا، پھر پانچ یا چھ ہجری میں جب سورہ النور نازل ہوئی تو یہ حکم نافذ ہوا کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ ساری امتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا یہ ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے یعنی اس پر اتنے پتھر برسائے جائیں کہ وہ مر جائے۔ صرف خوارج کا یہ قول ہے کہ سو کوڑوں کی سزا ہر زانی اور زانیہ کے لیے ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں انھوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے۔ یہاں مطلق زانی اور زانیہ کی سزا مقرر کی گئی ہے

Marfat.com

صاف الفاظ میں اقرار کرے کہ اس نے یہ فعلِ شنیع کیا ہے۔ حضور کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب ماعز بن مالک سلمی نے آکر یہ عرض کی یا رسول اللہ! مجھے پاک فرمائیے میں نے زنا کیا ہے، تو حضور نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا:

ویحك ارجع فاستغفر اللہ و تب الیہ (اے جوان واپس چلا جا اور توبہ استغفار کر)

اس نے پھر سامنے ہو کر یہی کہا۔ حضور نے پھر منہ پھیر لیا۔ تیسری مرتبہ بھی اس نے اقرار کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے متنبہ کیا کہ اب اگر چوتھی بار تو نے ایسا ہی کہا تو تجھے رجم کر دیا جائے گا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ چوتھی مرتبہ بھی وہی الفاظ کہے ۔ اب حضور اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

لعلك قبلت او غمزت او نظرت (شاید تو نے بوسہ لیا ہو یا نظر بازی کی ہو۔)

لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ حضور نے فرمایا:

ابك جنون۔ قال لا۔ کیا تو مجنوں تو نہیں۔ اس نے کہا، نہیں۔ پھر فرمایا، کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے عرض کی، ہاں، یا رسول اللہ۔ آخر میں حضور نے فرمایا: اذھبوا به فارجموہ۔ (اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔)

شہادت:

شہادت میں بھی حد درجہ کی احتیاط کی گئی ہے۔ چار ایسے مرد گواہ ہونے چاہئیں جو مسلمان عاقل، بالغ، آزاد اور عادل ہوں۔ جن کی صداقت اور دیانت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو اور گواہی بھی اس طرح دیں کہ انھوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالتِ مباشرت میں دیکھا ہے: کالمیل فی المکحلة والرشاء فی البیر (یعنی جس طرح سرمہ میں سلائی

Marfat.com

وہ کہتے ہیں جن روایات سے رجم کی سزا کا ثبوت ملتا ہے، وہ قرآن کریم کی مخصص یا ناسخ نہیں ہوسکتیں. قدیم خوارج کے علاوہ اس زمانہ کے جدید خوارج کا بھی یہی قول ہے. ان کی خدمت میں مختصراً اتنی گزارش ہے کہ رجم اخبار احاد سے نہیں. بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے، حضور سرور عالمیاں صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد بھی متعدد بار رجم کی سزا دی جن کی تفصیل کتب احادیث میں مذکور ہے. حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سب نے اپنے اپنے عہدِ خلافت میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کیا. ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت کا مفہوم قدیم و جدید خوارج سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم بہرحال بہتر سمجھتے تھے اور حضور کے خلفاء راشدین جن کی زندگی کا ہر لمحہ اقامتِ دین میں صرف ہوا، وہ قطعاً کوئی ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس سے فرمانِ الٰہی کی خلاف ورزی ہو۔ اس سے واضح تعامل کے باوجود شادی شدہ کے لیے رجم کا انکار کرنا کھلی ہوئی زیادتی ہے اور اس کا ارتکاب صرف خارجی ہی کرسکتے ہیں ۔

○ ثبوتِ زنا : اس کے دو طریقے ہیں :

(۱) اقرار

(۲) شہادت

کیونکہ یہ بہت گھناؤنا جرم ہے، اس سے انسان کی عزت و آبرو جو اس کا متاعِ گراں بہا ہے متاثر ہوتی ہے نیز اس کی سزا بھی از حد سنگین ہے. اس لیے اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے بڑی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے. جس اقرار سے یہ جرم ثابت ہوتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس فعل کا ارتکاب کرنے والا امام یا نائب امام کے سامنے چار مرتبہ

Marfat.com

اور کنوئیں میں رسی) اگر گواہوں کی گواہی میں جگہ، وقت مزنیہ وغیرہا امور کے متعلق اختلاف پایا جائے، تو گواہی مردود ہوگی اور حد نہ لگائی جائے گی۔

اثبات زنا کے لیے اتنی سختی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کو لوگوں کو سزا دینے کا شوق نہیں ہے تاکہ جہاں کہیں کسی نے انگشت نمائی کر دی وہاں کوڑے برسنے لگے اور لہو بہنے لگا۔ یا ذرا موقع پاتے ہی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ سزا ایک انتہائی اقدام ہے جو صرف ایسے شخص کے خلاف ہی کیا جائے گا جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہے، نہ قیامت کا ڈر ہے نہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا پاس ہے اور نہ اسے سوسائٹی میں رسوا اور ذلیل ہونے کا کوئی اندیشہ ہے۔ اس نے یہ کام اس طرح کیا کہ چار آدمیوں نے عین حالت مباشرت میں دیکھ لیا۔ نیز شریعت نے یہ بھی ضروری قرار نہیں دیا کہ جو شخص تنہائی میں چھپ کر یہ کام کر بیٹھے وہ ضرور عدالت میں حاضر ہو کر اس کا اعتراف کرے۔ گواہوں پر بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کے خلاف ضرور جا کر گواہی دیں، بلکہ اسے چاہیے کہ خود بھی اپنا پردہ فاش نہ کرے اور گواہوں کے لیے بھی بہتر ہے کہ وہ اس کی پردہ دری نہ کریں۔ حدیث پاک میں ہے:

من اتی شیئا من ھذہ القاذورات فلیستتر بستر اللہ فان ابدی لنا صفحتہ اقمنا علیہ کتاب اللہ۔ (احکام القرآن)

یعنی جس کسی سے اس قسم کا گندہ فعل صادر ہو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالٰی کے پردے کو فاش نہ کرے اور جو شخص ہمارے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرے گا ہم اس پر حکم الٰہی ضرور جاری کریں گے۔ ہزال بن معین جس نے ماعز کو بارگاہ رسالت میں اس جرم کا اقرار کرنے کے لیے بھیجا تھا، حضورؐ نے فرمایا: لو سترتہ بثوبک کان خیرا لک۔

Marfat.com

اگر تو اسے اپنے کپڑے میں ڈھانپ لیتا، تو تیرے لیے بہتر ہوتا، لیکن اگر یہ چیز حاکمِ وقت کے سامنے پیش کر دی جائے اور اقرار یا شہادت سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حد قائم نہ کرے: تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد قد وجب (ابوداؤد، نسائی) آپس میں حدوں سے درگزر کرتے رہو، لیکن جب وہ حد مجھ تک پہنچ جائے گی، تو پھر اس کا نفاذ ضروری ہو جائے گا۔

نیز یہ جرم قابلِ مصالحت نہیں کہ کچھ معاوضہ دے کر قصہ ختم کر دیا جائے۔ ایک لڑکا کسی آدمی کے ہاں کام کرتا تھا۔ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی۔ لڑکے کے باپ نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کے خاوند کو دے کر راضی کر لیا، لیکن جب مقدمہ بارگاہِ نبوت میں پیش ہوا تو حضور نے فرمایا: اما غنمك وجاريتك فرد عليك۔ وہ تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھے واپس کر دی جائے گی اور تیرے لڑکے پر حد لگے گی۔

جس کوڑا کے ساتھ مارا جائے وہ نہ زیادہ سخت ہو نہ زیادہ نرم اور حد جسم کے ایک حصے پر ہی نہ لگائی جائے۔ بلکہ منہ، سر اور شرمگاہ کے علاوہ جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائے۔

حضور کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے حاکم کو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جس نے حد میں کمی کی ہوگی، اس سے پوچھا جائے گا: لم فعلت ذلك، تو نے ایسا کیوں کیا۔ وہ کہے گا: رحمة لعبادك۔ تیرے بندوں پر رحمت و شفقت کے لیے۔ اسے کہا جائے گا: أأنت ارحم بهم مني۔ کیا تو مجھ سے زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے۔ فيومر به الى النار۔ اسے دوزخ میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر ایسے حاکم کو پیش کیا جائے گا جس نے مقررہ حد سے ایک کوڑا زیادہ مارا ہوگا، اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی۔ اللہ تعالےٰ فرمائیں گے: أأنت احکم به

Marfat.com

منی۔ فیومر به الی النار، کیا تو مجھ سے زیادہ حکم کرنے والا ہے، پھر اسے بھی آگ میں پھینکے جانے کا حکم صادر ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام خداوندی کی صحیح طور پر تعمیل ہی ہماری فلاح ہے اپنی خود ساختہ مصلحتوں کے پیش نظر ان میں کمی یا زیادتی کرنا خطرناک نتائج کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں بھی حدود کے قیام میں تساہل کیا گیا جرائم میں ہوشربا اضافہ ہوا۔ قتل کی وارداتوں میں آئے دن جو زیادتی ہو رہی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہی فعل مذموم ہے۔ جب اس شخص کی داد رسی نہیں ہوئی جس کی عصمت لوٹ لی گئی، تو وہ جوش غضب سے مغلوب ہو کر خود انتقام لینے کے لیے بڑھتا ہے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیتا ہے اس لیے رافت اور مہربانی یہ نہیں کہ ایک جان بچانے کے لیے بیسیوں جانیں تلف کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے۔

کیونکہ اس سزا کا ایک اہم مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے، اس لیے حکم دیا کہ یہ حد مجمع عام میں قائم کی جائے تاکہ عام لوگ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور مجتنب رہیں۔ جب کوئی شخص حد قائم کرنے کے باعث مر جائے تو اس کی نعش کی تذلیل اور توہین نہیں کی جائے گی بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اذا مات فی الحد یغسل و یکفن و یصلی و یدفن فی مقابر المسلمین۔ (تفسیر کبیر)

Marfat.com

Marfat.com

مزدوروں کی گمشدہ جنت

Marfat.com

Marfat.com

یہ ایک کتاب کا نام ہے (Workers Paradise Lost) اس کا مصنف ای لینیز، ای (E.Lyonse) ہے جو چھ سال تک ماسکو میں اخباری نمائندہ رہا۔ ابتدا میں وہ اشتراکیت کا جاں نثار معتقد تھا لیکن جب اس نے روس میں رہ کر اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کیا تو اسے حقیقت کی سنگینی کا علم ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں جب روسیوں نے اشتراکی انقلاب کی پچاسویں سالگرہ منائی اور اس میں اپنے انقلاب کی کامیابی کے بلند بانگ دعوے کیے تو مصنف نے یہ عظیم اور معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر حقیقتِ حال کو عریاں کر دیا۔

پاکستان آج جس نازک مرحلے سے گزر رہا ہے اس کے پیشِ نظر ضروری معلوم ہوا کہ اس اہم کتاب کے ضروری ابواب کا خلاصہ اپنے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ کسی فریب میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھوں سے اپنے مستقبل کو تاریک نہ بنا دیں۔

Marfat.com

"اشتراکیت کی مشعل کو بلند رکھتے ہوئے روس کے باشندوں نے عالمی تاریخ کے ایک نئے عہد کا آغاز کیا ہے۔ اشتراکیت کی قوت پایاں ناپذیر ہے اس کا برپا کیا ہوا انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے سوشلزم آج انسانوں کا حال ہے اور آئندہ سارے نوعِ انسانی کا مستقبل۔"

یہ فقرے ایک ایسے اعلان سے لئے گئے ہیں جو تیس صفحات پر مشتمل ہے اور جسے اشتراکی انقلاب کی پچاسویں سالگرہ پر شائع کیا گیا ہے اس میں واضح طور پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ روس میں اشتراکی انقلاب مکمل طور پر کامیاب ہو گیا ہے۔ دیرینہ عادت کے مطابق اس میں بڑی لاف زنی سے کام لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ روس میں بے روزگاری کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ معاشی اور عمرانی طور پر بے نظیر ترقی کی گئی ہے سرمایہ داری کا بیڑا غرق کر دیا گیا ہے۔ اجتماعی زراعت اور صنعت نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کل کی ناکامیوں کو پروپیگنڈے کے ذریعے شاندار کامیابیاں بتایا جا رہا ہے حقائق کو موڑ توڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ غرضیکہ اس تقریب پر جو دستاویزی ثبوت پیش کیے جا رہے ہیں وہ عصرِ حاضر کی دیومالا کی ایک ناقابل تصور مثال ہیں۔

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ روسی اشتراکیوں کی یہ لاف زنیاں حقیقت سے کیا تعلق رکھتی ہیں۔ کیا واقعی اشتراکی نظام کامیاب ہو گیا ہے؟ کیا واقعی روسی باشندوں کو غربت و افلاس کا اب کوئی اندیشہ نہیں رہا؟ کیا مارکس اور لینن کا یہ نظریہ درست ثابت ہو گیا ہے کہ اشتراکی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے جو جبر و تشدد کیا جا رہا ہے انجام کار یہ سچی جمہوریت امن اور آزادی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ پچاس سالہ

Marfat.com

طویل اشتراکی تجربے کے بعد اب یہ مناسب ترین وقت ہے کہ حقائق کی روشنی میں ہم ان دعاوی کا جائزہ لیں۔

میں روس کے منہ پر تھوکتا ہوں

چھ سات نومبر ۱۹۱۷ء کی درمیانی رات کو جو واقعہ رو پذیر ہوا اسے نصف صدی تک ایک انقلابی واقعہ کہا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے لینن، ٹراٹسکی Trotsky اور ان کے ذہین ساتھیوں نے اس رات کا کام انجام دیا، اس کے باعث انقلاب برپا نہیں ہوا بلکہ ان کے اس اقدام نے جمہوری اور عوامی انقلاب کو ناکام بنا دیا۔ حقیقت میں انھوں نے جمہوری نظام کو پارہ پارہ کر دیا جو روس کی تاریخ میں وہاں پہلی مرتبہ قائم کیا گیا تھا۔ لینن نے خود اعتراف کیا کہ اس انقلاب سے روسی حکومت دنیا کی سب سے زیادہ حریت پسند مملکت تھی روس میں جمہوری انقلاب مارچ ۱۹۱۷ء میں وقوع پذیر ہوا جس نے روسی شہنشاہیت کا خاتمہ کرنے جمہوری آئین کی داغ بیل ڈالی اور الیگزینڈر Alexander Kerensky کی قیادت میں ایک عبوری جمہوری حکومت قائم کی گئی۔

یہ بات غلط ہے کہ بالشویکوں نے روسی باشندوں کو زارِ روس کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرایا۔ حقیقت یہ ہے کہ روسی باشندوں نے بالشویکوں کو جلاوطنی سے رہائی دلائی اور اپنے ملک کے دروازے ان کے لیے کھول دیے اور جو لوگ اندرونِ ملک قید و بند کی سختیاں برداشت کر رہے تھے انھیں رہائی کا مژدہ سنایا۔ جب زار کا تختۂ حکومت الٹا گیا تو لینن سوئٹزرلینڈ میں جلاوطنی کے دن گذار رہا تھا۔ اس نے زار کی شکست کی خبر وہاں کے اخبارات میں پڑھی۔ ۱۶ اپریل کو وہ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ روسی دارالخلافہ پیٹروگراڈ میں پہنچا۔ ٹراٹسکی اس وقت نیویارک میں وہ مئی میں واپس آیا۔ سٹالن اور دوسرے

Marfat.com

اشتراکی لیڈروں کے مختلف قید خانوں میں قید تھے اور اس انقلاب کے بعد انھیں رہا کیا گیا۔لینن اور اس کے ساتھی ایک نہایت مختصر طبقہ کے نمائندہ تھے۔ ہوس اقتدار کے سوا ان کے پاس کوئی واضح پروگرام نہ تھا۔ آخر کار لینن کا عزم اور پختہ ارادہ ان کا رہنما ثابت ہوا۔ لینن کے نزدیک انقلاب عوام الناس سے بل بوتے پر برپا نہیں کیے جاتے بلکہ ایک چست چالاک اور منظم گروہ ہی انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ لینن کہا کرتا تھا کہ مجھے پیشہ ور انقلابیوں کی ایک تنظیم دے دو میں چند دنوں میں روس کا تختہ الٹ کر رکھ دوں گا۔ پس وپیش کرنے والے لوگ اس کے نزدیک احمق اور بزدل ہوتے ہیں۔ لینن نے اپنے بالشویک ساتھیوں کے ساتھ وہ انتہائی اقدام کیا جسے اس کے اکثر ماننے والوں کی تائید حاصل نہ تھی اور وہ اسے پُر خطر مہم خیال کرتے تھے۔ ان سے یہ حقیقت مخفی نہ تھی کہ عوام کی اکثریت اشتراکیت کی خواہش مند نہیں اس لیے انھوں نے جمہوری نعروں اور جھوٹی قسموں کے ساتھ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اور اپنے اصل مقاصد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ روس کے مشہور اخبار پراودا جو اس وقت کے مولوٹوف اور سٹالن کی ادارت میں شائع ہوتا تھا لوگوں نے پختہ وعدہ کیا کہ وہ لوگوں کی سماجی آزادیوں رائے شماری کے مخفی طریقے اور ہڑتال کرنے کے حقوق اور غیر روسیوں کا یہ حق کہ وہ روس سے واپس جا سکیں گے، حقوق کو تسلیم کرتے ہیں[۱]۔

لینن کے الفاظ میں حقیقی اقدام ایک ایسے گروہ کے ذریعے کیا گیا جو حیرت انگیز حد

---

[۱] : لینن کے پاکستانی پرستار آج ہم سے بھی وہی وعدے کر رہے ہیں جو ان کے لیڈر نے اپنے ہم وطن روسیوں سے کیے تھے جو انجام ان وعدوں کا ہوا بعینہٖ وہی انجام پاکستان اشتراکیوں کے مواعید کا بھی ہوگا۔

Marfat.com

تک مختصر تھا۔ جس فوج نے اس کام میں حصہ لیا اس کی تعداد بیس ہزار سے بھی کم تھی اور ان میں سے بیشتر سُرخ محافظ (Red Guards) کے وہ دستے تھے جنھیں ابھی بھرتی کیا گیا تھا اور اس حملہ اور فوج کے سادہ لوح سپاہیوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ وہ آزادی اور مزدوروں کے حقوق کی بازیابی کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ معمولی سی جدوجہد اور قتل کی تھوڑی سی وارداتوں کے ساتھ بالشویکی شورشش پسندوں نے پیٹروگراڈ کے ٹیلیفون اور تارگھر کے دفتروں، پولیس کے صدر دفتر، مشہور اخبارات اور چند اہم ناکوں پر قبضہ کر لیا۔ عبوری حکومت کی ہائی کمانڈ کو جو اس وقت قصرِ سرما Winter Palace میں موجود تھی، اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ ہائی کمانڈ نے بڑی بہادری سے ان شورشش پسندوں کا مقابلہ کیا۔ اس وقت ایوان حکومت کی حفاظت کے لیے صرف عورتوں کی ایک بٹالین ڈیوٹی پر تھی جنھوں نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں، جنگی جہاز آروورا Aurora نے دریائے میں کھڑے ہو کر قصرِ حکومت پر بمباری کی۔ سرخ محافظ دستوں نے اس محل کرنسکی کا محاصرہ کر لیا اور چند دوسرے ارکان حکومت بالشویکوں کے محل پر قبضہ کرنے سے پہلے وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

زار کی بادشاہی کے خاتمہ پر روسی باشندے اپنی نمائندہ قومی حکومت قائم کرنے کے لیے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات پر اپنی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اسمبلی ان کے لیے ایک جمہوری آئین منظور کرے گی۔

لینن اور اس کے پیروکار بیچ میں کود پڑے اور یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ حقیقت میں وہی لوگ جمہوریت کے سچے دوست اور جمہوری آئین کو پاس کرنے کے لیے سب سیاسی پارٹیوں سے زیادہ مخلص ہیں۔ ان سے جب یہ پوچھا جاتا کہ اگر تم انتخابات

Marfat.com

میں ہار گئے تو تمھارا ردعمل کیا ہوگا تو وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے کہ ہم عوام کے فیصلے کا احترام کریں گے۔ جمہوری حکومت کے انتخاب کے متعلق پراودا اخبار نے صاف طور لکھا تھا کہ ہم عوام کے فیصلے کو ہرگز نظرانداز نہیں کریں گے اگرچہ ان کا فیصلہ ہماری رائے کے خلاف بھی ہو۔

چنانچہ ۲۵/نومبر سے ۹/دسمبر ۱۹۱۷ء تک الیکشن ہوتے رہے اگرچہ بیشتر ووٹ بالشویکوں کی نگرانی میں ڈالے گئے۔ بایں ہمہ ۳ کروڑ ساٹھ لاکھ ووٹوں میں سے صرف نوے لاکھ ووٹ لینن کو ملے بقیہ دو کروڑ ستّر لاکھ ووٹ مخالف پارٹیوں کو دیئے گئے۔

قانون ساز اسمبلی معطل کر دی گئی

حسبِ ضابطہ ۱۸/جنوری ۱۹۱۸ء کو پیٹروگراڈ میں اسمبلی کا پہلا اجتماع ہونا قرار پایا تھا اس روز مزدور اور کسان جوق در جوق شاداں و فرحاں اپنے اپنے پرچم لہراتے ہوئے جمہوریت زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے اسمبلی ہال کے سامنے میدان میں جمع ہوئے تاکہ اپنی مسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ جمہوریت پر اپنے کامل اعتماد کا اعلان کریں۔

جب یہ غیر مسلح اور پُرامن جلوس محل کے قریب پہنچا تو لینن کے غنڈوں نے ان پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی ایک سو کے قریب آدمی مارے گئے سینکڑوں زخمی ہوئے باقی لوگ دہشت و سراسیمگی کے عالم میں وہاں سے بھاگ گئے۔

اس خونی حادثہ کے باوجود قانون ساز اسمبلی کے ارکان اسمبلی حال میں جمع ہو گئے، اسمبلی کی گیلریوں میں اوباش لوگ جو لوگ نشے میں دھت تھے، کثیر تعداد میں جمع ہو گئے۔

Marfat.com

انھیں لینن کے فوجی دستوں نے وہاں داخل ہونے کی اجازت دی تھی جب اسمبلی کی کارروائی شروع ہوئی تو ان بن بلائے مہمانوں نے قوم کے منتخب نمائندوں پر آوازے کسنے شروع کر دیئے۔

اس اثناء میں لینن ان سیڑھیوں پر ٹہلتا اور مٹکتا رہا جو سپیکر کے پلیٹ فارم کی طرف جاتی تھیں وہ ان غیر شریفانہ حرکات پر ان اوباشوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا اور شور و غوغا کرنے پر انھیں اکساتا رہا حتیٰ کہ اسمبلی کے اجلاس کو مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔ اسمبلی کے وہ ارکان جو خوش فہم اور رجائی واقع ہوئے تھے دوسرے روز اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ایوانِ حکومت کے سارے دروازے مقفل کر دیئے گئے ہیں اور انھیں اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے بعد عوام کی منتخب شدہ اسمبلی کا اجلاس پھر کبھی منعقد نہ ہو سکا۔ اس طرح مٹھی بھر بالشویکوں نے عوامی انقلاب کو ناکام بنا دیا اور جبر و تشدد اور مکر و فریب سے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لینن کے ساتھیوں نے جب اس سے یہ شکایت کی کہ تمھارے اس غیر جمہوری اقدام نے روس کو بدنام کر دیا ہے، تو اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ میں روس کے منہ پر تھوکتا ہوں۔ عالمی انقلاب برپا کرنے کے لیے ہمارا اس مرحلہ سے گزرنا ناگزیر ہے۔

بغاوت اور سرخ خطرہ

بالشویکوں کے اس اقدام نے عوام میں شدید مخالفت کی ایک لہر دوڑا دی جو آخر کار طویل خانہ جنگی میں بدل گئی۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء تک روس عجیب قسم کی طوائف

کش مکش اور جنگ و جدل کی آماجگاہ بنا رہا۔ سفید فوجیں زار کی شہنشاہیت کو بحال کرنے کے لیے برسرپیکار ہو گئیں اور کچھ فوجیں یوکرائین جارجیا، کاکیشیا کی آزادی حاصل کرنے کے لیے مصروف ہو گئیں۔

وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں بھی اپنے آپ کو اشتراکی غلامی سے نجات دلانے کے لیے میدان میں نکل آئیں۔ ملک کی غالب اکثریت جمہوری دستور کی بحالی کے لیے برسرپیکار ہو گئی باہم دست بہ گریباں جماعتیں سب کی سب کمیونسٹوں کے مخالف تھیں لیکن باہمی رقابتیں اور عداوتیں اتنی شدید تھیں کہ وہ اشتراکیت کے خطرے کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لیے متحدہ[1] محاذ نہ بنا سکیں۔

انجام کار بالشویک ان تمام جماعتوں کو شکست دے کر تہس نہس کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سرخ فوج نے ٹراٹسکی کی قیادت میں دوسری روسی فوجوں کی کمر ہمت توڑ ڈالی اور عوام کی بغاوتوں کو سرخ تشدد نے کچل کر دیا۔ ٹراٹسکی لکھتا ہے کہ لینن ہر موقع پر یہ بات ہمارے ذہن میں ٹھونستا رہتا تھا کہ ابتدا میں اس قسم کا تشدد اشتراکی انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ازحد ضروری ہے۔ لینن نے ایک خفیہ پولیس چیکا Chekka کے نام سے قائم کر دی جس نے روس کے پژمردہ جسم پر اپنی غلامی کی مہر ثبت کر دی۔

لینن اور ٹراٹسکی نے اپنی ساری توجہ بائیں بازو کی جماعتوں کو تباہ و برباد کرنے پر مرکوز کر دی، کیونکہ یہی عنصر ان کے مقاصد کے لیے دنیا بھر کے بادشاہوں سے زیادہ خطرناک تھا۔

---

[1] : پاکستان کے موجودہ حالات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے بعینہ یہی صورت حال یہاں بھی پیدا ہو چکی ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے انجام بد سے بچائے۔

Marfat.com

چند دنوں میں ہی ذہین انقلاب پسندوں، جمہوریت پر عقیدہ رکھنے والوں اور دانشوروں سے ملک کے قید خانے بھر دیئے گئے۔ حکومت کے خلاف مخالفت کی رو عوام میں جوں جوں شدت اختیار کر لی گئی حکومت نے بھی خونریزی کا بازار گرم کر دیا مجرموں کی بجائے بیگناہوں کا قتل عام شروع ہو گیا تاکہ ان لوگوں سے انتقام لیا جائے کہ دس آدمیوں میں سے ایک آدمی کو گولی ماردی جائے گی خواہ وہ مجرم ہو یا بے گناہ لیکن یہ نسبت مقررہ حد سے بڑھ گئی قید و بند اور موت کی سزاؤں کے علاوہ لینن نے اپنے مخالفین کے لیے جبری محنت اور بے گار کیمپوں کی سکیم کا آغاز کر دیا اور ان کیمپوں میں ان بے گناہ لوگوں کو بھی دھکیلا جانے لگا جن کے متعلق یہ وہم کیا جا سکتا تھا کہ وہ آگے چل کر اشتراکی نظام کی مخالفت کریں گے۔

ماسکو اور پیٹرو گراڈ کے علاوہ دوسرے شہروں میں چھوٹے لینن اپنے لیڈر کی نقل کرنے لگے چنانچہ برائنسک Bryansk میں شراب کی سزا موت مقرر کر دی گئی۔ وی آٹکا Viatka میں جو شخص آٹھ بجے شب کے بعد گھر سے باہر نکلتا اسے بھی موت کی سزا دی جاتی بعض علاقوں میں چوری کی سزا موت قرار دی گئی۔

گریگوری زینوف نے پیٹرو گراڈ میں اعلان کیا کہ دس کروڑ روسیوں میں سے ہمیں نو کروڑ کو اپنا ہمنوا بنانا چاہیے۔ باقی ایک کروڑ جو ان نظریات کو قبول نہ کریں گے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ تاریخ کے صفحات اس امر کے شاہد ہیں کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس کے مجوزہ اندازے سے بہت زیادہ -------- - - بھی ان لوگوں میں سے تھا، جنھیں مجرم قرار دے کر گولی سے اڑا دیا گیا۔

۳۰ اگست ۱۹۱۸ء کو جب ڈوراکپلن Dorakaplan ایک مشہور سماجی انقلاب پرست نے لینن پر گولی چلا کر اس الزام میں اسے زخمی کر دیا کہ وہ جمہوری انقلاب کا غدار ہے

Marfat.com

تو بالشویکوں کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انھوں نے خونریزی کی انتہا کر دی۔ اس کا انتقام لینے کے لیے پانچ سو قیدیوں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ پانچ سو بارہ آدمی جو بطور یرغمال پیٹروگراڈ میں نظر بند تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔ ماسکو سے ایک ٹیلی گرام ملک کی تمام سوویت کونسلوں کو بھیجا گیا جس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ دشمن کو ختم کرنے میں کمزوری کو ترک کر دو دشمن کو ختم کرنے میں ہر قسم کے احساسات کو نظر انداز کر دو۔ چیکا خفیہ پولیس کے ایک افسر کامریڈ لیٹیس Latsis نے اعلان کر دیا کہ متوسط طبقہ کو سرے سے ختم کر دو ان کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کا انتظار نہ کرو۔

اس جور و جفا کے باوجود عوام کی طرف سے مقابلہ جاری رہا کوئی کتاب ان صدہا بغاوتوں کی تفصیلات نہیں بتا سکتی جو ان سالوں میں روس کے تمام علاقوں میں برپا ہوئیں لیکن سب سے زیادہ خطرناک بغاوت جزیرہ کرانسٹڈٹ Kronstadt کی تھی۔ کرانسٹڈٹ پیٹروگراڈ کے قریب واقع ہے اور یہاں روسی بحریہ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہ لوگ ابتداء میں بالشویکیوں کی تحریک کے حامی تھے جونہی سُرخ تشدد نے اپنے رُخ سے نقاب الٹا اور ظلم و تشدد کا بازار گرم کیا تو ان کی آنکھیں کھلیں اور کفِ افسوس ملنے لگے۔ آخر کار ان کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ یکم مارچ ۱۹۲۱ء کو بحری فوج کے پندرہ ہزار ملاحوں اور مزدوروں کا ایک اجتماع ہوا جس میں اشتراکیوں کے مظالم کی مذمت کی گئی۔ اس میں کہا گیا کہ موجودہ حکومت مزدوروں اور کسانوں کی نمائندہ حکومت نہیں ہے۔ اس لیے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ از سر نو انتخابات کرائے جائیں اور خفیہ ووٹ ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا جائے چار روز بعد ان ملاحوں نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی جو زیادہ تر کمیونسٹوں پر مشتمل تھی۔ جس نے اس قصبہ، بحری فوج کے دفاتر اور وہاں موجود تمام جنگی جہازوں پر ٹرانسکی قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

ٹراٹسکی نے لینن کی اجازت سے ان ملاحوں کو بڑے سخت الفاظ میں الٹی میٹم دیا کہ وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں ورنہ انھیں تیتر بٹیر کی طرح گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔
جب اس کمیٹی نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تو ٹراٹسکی نے جنرل ٹکھل کو ان پر حملہ بولنے کا حکم دیا جب پیٹروگراڈ کے مزدوروں کو پتہ چلا تو وہ سمندر کی برفانی منجمد سطح کو عبور کر کے اپنے ملاح بھائیوں کے ساتھ آملے۔ جنرل ٹکھل ساٹھ ہزار منتخب شدہ لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا اور اس لشکر کے عقب میں خفیہ پولیس (چیکا) کے دستے متعین تھے جنھیں حکم دیا گیا تھا کہ اگر کوئی سپاہی ان بہادر ملاحوں پر حملہ کرنے میں پس وپیش کرے تو اسے فوراً گولی مار دی جائے۔ زمینی محاصرہ کے ساتھ ساتھ ہوائی جہازوں سے بمباری کی گئی اور توپوں کے دہانے ان پر گولے برسانے لگے ان ملاحوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ جب سرخ فوج نے پیش قدمی کی تو کئی مقامات پر برف کی تہ ٹوٹ جانے سے سینکڑوں فوجی ڈوب کر ہلاک ہو گئے لیکن یہ حملہ کامیاب رہا اور سرخ فوجوں نے اس جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔

فاتح جرنیل نے خود تسلیم کیا کہ قتل و خونریزی کا ایسا ہولناک منظر اس نے عمر بھی نہیں دیکھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ جنگ نہیں تھی بلکہ ایک آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا تھا۔ ملاح وحشی درندوں کی طرح ہمارے ساتھ لڑتے۔ مجھے یہ راز اب تک معلوم نہیں ہوا کہ اس غیض و غضب کی وجہ کیا تھی؟ ہمیں ہر گھر پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ لڑنی پڑی جنرل ٹکوزنے ۱۸ مارچ کو ٹراٹسکی کو اطلاع دی کہ اس کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے، اٹھارہ ہزار باغی قتل کر دیئے گئے ہیں اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انہیں بھی امن بحال کرنے کے لیے گولی سے اڑا دیا گیا۔
ملاحوں کے اس سفاکانہ قتل عام نے روسی عوام اور اشتراکی حکومت کے درمیان

Marfat.com

آخری رابطہ کو بھی منقطع کر دیا۔ اشتراکی حکومت کے قدم جم گئے۔ اس طرح روس کے بسنے والے ایک ایسی قوم بن گئے جنھیں اندرونی دشمنوں نے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔

اعداد و شمار کی شعبدہ بازی

لینن کو اب ایک اور خطرناک بحران سے دو چار ہونا پڑا یہ بحران قحط کی شکل میں نمودار ہوا خشک سالی، حکومت کی طرف سے زرعی پیداوار کی ضبطی اور دیگر عوامل نے روسی کسان کو بالکل بے بس کر دیا۔ بھوک افلاس بخار کی وبا ہر طرف پھیل گئی۔ شب و روز ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ لاکھوں بچے جنگلی حیوانوں کی طرح مارے مارے پھرتے تھے جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ لکھو کھا آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔ قحط کی شدت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا لینن نے اپنی حکومت کو تباہی سے بچانے کے لیے مجبوراً چند رعائتوں کا اعلان کیا۔ ایک نئی معاشی پالیسی اختیار کی گئی جس کے ذریعے زراعت و صنعت کے میدانوں میں نجی کاروبار کی اجازت دی گئی۔ یہ پسپائی صرف اقتصادی پہلو سے تھی سیاسی طور پر گورنمنٹ کی گرفت پہلے کی طرح مضبوط تھی۔ بڑی صنعتوں، ذرائع مواصلات، بنک بیرونی تجارت کا نظم و نسق حکومت کے ہاتھ ہی میں رہا۔

اس نسبتاً نرم پالیسی کی وجہ سے اقتصادی طور پر بڑا اچھا اثر ہوا۔ آناً فاناً شہروں کی گلیوں میں ایسی دوکانیں نمودار ہو گئیں جو طرح طرح کے مال سے بھری ہوتی تھیں زراعت کو بھی بڑی تقویت ملی اور زرعی پیداوار میں غیر متوقع اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۸ء تک ملک کی اقتصادی حالت قبل از جنگ کے برابر ہو گئی لیکن اس وقت تک لینن مر چکا تھا ٹرانسکی کو

Marfat.com

ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ اور سٹالن سارے روس کا واحد مالک بن بیٹھا تھا۔

سٹالن نے اختیار سنبھالتے ہی اس پالیسی کو ختم کر دیا اور اقتصادی زندگی کی ساری سرگرمیوں کو حتیٰ کہ ریڑھیوں پر ہونے والے کاروبار کو بھی حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا پھر اس نے پانچ سالہ منصوبہ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۲ء کا اعلان کیا تاکہ بھاری صنعتوں کے قیام اور اجتماعی زرعی سکیم پر عمل کیا جا سکے۔ اس طرح ایک بار پھر قوم کو تباہی اور بربادی کے گڑھے کی طرف دھکیل دیا گیا۔ دنیا میں آج تک کسی اقتصادی منصوبہ کی اتنی تشہیر اور اتنی تعریف نہیں کی گئی جتنی سٹالن کے پہلے پنجسالہ منصوبہ کو نصیب ہوئی۔ روس کے نصف صدی کے حالات کو جاننے کے لیے اس منصوبہ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا ناگزیر ہے یہ بتایا گیا تھا کہ اس منصوبہ کے بروئے کار آنے سے لوگوں کی روزمرہ کی ضروریات کی صنعت کو بڑا فروغ حاصل ہوگا۔ زرعی پیداوار بڑھے گی اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ ہوگا۔ اور منصوبہ بندی کی ایجنسی گاسپلین Gosplan نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ روسیوں کا معیارِ زندگی اس منصوبے سے بہت بلند ہو جائے گا۔ روس کی کرنسی کی قوتِ خرید بیس فی صد اضافہ ہوگا۔ اور ضروریات زندگی کی قیمتوں میں چودہ فی صد کمی ہو جائے گی۔

ان سنہری وعدوں کا کیا حشر ہوا؟ اس کا علم سٹالن کی اس تقریر سے ہوتا ہے جو اس نے جولائی ۱۹۳۱ء میں کی اس نے شکوہ کیا کہ مزدوروں کی پیداوار میں تیس یا چالیس فیصد کمی ہو گئی ہے بہت سے مزدور اپنی نوکریاں چھوڑ کر تلاشِ روزگار میں دوسری جگہوں پر جا رہے ہیں۔ اس نے اعتراف کیا کہ جن منصوبوں کے متعلق یہ بتایا گیا کہ وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گئے ہیں یہ محض کاغذی کارروائی ہے اس منصوبہ کی مدت کے اختتام سے اٹھارہ ماہ پیشتر سٹالن کے اپنے الفاظ میں حالات کی یہ تصویر تھی اس کے باوجود جنوری ۱۹۳۳ء میں سٹالن

Marfat.com

نے یہ اعلان کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ اس کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ ۹۳.۷ فیصد تک مکمل ہو گیا ہے۔

اس منصوبہ کے اعداد و شمار میں جس شعبدہ بازی سے کام لیا گیا ہے اس کی جرأت فقط اشتراکی حکومت ہی کر سکتی ہے۔ کروڑوں عورتوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کی چاردیواری اور اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو چھوڑ کر مردوں کے دوش بدوش سڑکوں کے بنانے، کوئلے کی کانوں میں کام کرنے اور بھاری بھرکم عمارتوں کی تعمیر میں مرد مزدوروں کی طرح کام کریں اور اس المیہ کو اس خوشنما عنوان سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا کہ ہم نے عورت کو مردوں کے برابر حقوق دے دیئے ہیں۔

اگر بعض چیزوں کی پیدائش میں اضافہ ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ مصارف زندگی بھی کئی گناہ بڑھ گئے تنخواہیں کم ہو گئیں بھوک ہر طرف پھیل گئی استعمال کی چیزیں نایاب ہو گئیں ان مضر نتائج کے باوجود اس منصوبہ کو انتہائی طور پر کامیاب منصوبہ کہا گیا۔ ان سالوں میں دنیا کے دوسرے ممالک عالمی معاشی بحران کا شکار تھے اور ایک مایوس کن فضا ہر طرف چھائی ہوئی تھی ان حالات میں سٹالن اور اس کے رفقاء کی لاف زنیوں نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور کئی ترقی یافتہ اشتراکی نظام میں اپنی نجات یقین کرنے لگے۔

بیگار کیمپ

اگرچہ جبری بیگار کیمپوں کا آغاز لینن کی زندگی میں ہو گیا تھا، لیکن سٹالن کے پنجسالہ منصوبہ کے زمانہ میں یہ سکیم اپنے شباب کو پہنچ گئی تھی ان کیمپوں میں جن بدنصیب لوگوں کو جبری مزدوری کے لیے بھیجا جاتا تھا ان کی حالت غلاموں سے بھی بدرجہا بدتر تھی غلاموں

Marfat.com

کے مالک ان کے لباس اور ان کی خوراک کا بہرحال خیال رکھا کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ شادیاں کر کے اپنے گھر بھی بسا لیتے لیکن ان بدنصیب لوگوں کے حصے میں بھوک اور بیماری کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ غلام بھی تھے اور ملک سے غداری کے مجرم بھی۔ سٹالن کی حکومت ان کے علاج اور خوراک پر روپیہ خرچ کرنے سے اس چیز کو ارزاں سمجھتی تھی کہ انھیں یوں ہی مرنے دیا جائے اور ان کی بجائے روسی شہریوں کو گرفتار کر کے ان کیمپوں میں لایا جائے اور بھوک پیاس کے باوجود جتنا عرصہ ان کی جسمانی قوت کام کر سکتی ہے اس سے کام لیا جاتے جب ان کی صحت اور قوت جواب دینے لگے تو انھیں بھی اپنے پیشروؤں کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جانے دیا جائے۔ روس کا ہر شہری اس خطرہ سے لرزہ بر اندام رہا کرتا تھا کہ کسی وقت بھی اسے پکڑ کر سائبیریا کے سنسان برفستانوں کی طرف روانہ کیا جا سکتا ہے۔

مذہب کی بیخ کنی

مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے پانچ سالہ منصوبہ تیار کیا گیا۔ مسلمانوں کے علماء، عیسائیوں کے پادریوں اور یہودیوں کے ربیوں سے ان بیگار کیمپوں کو بھر دیا گیا۔ لینن نے اگرچہ پرائیویٹ کاروبار کی اجازت دی تھی، لیکن اب نجی کاروبار کو جرم قرار دے دیا گیا، اور وہ لکھو کھہا روسی جو چھوٹے پیمانے پر دوکانداری، دست کاری یا کوئی اور کاروبار کیا کرتے تھے انھیں اپنی ملکیتوں سے محروم کر دیا گیا، انھیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا اور ان میں سے اکثر لوگوں کو جہازوں میں بھر کر بیگار کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔ وہ لوگ جو اس انقلاب سے پہلے تجارت کیا کرتے تھے یا اپنے کارخانوں میں لوگوں کو ملازم رکھا کرتے وہ بھی ایک فرمان کے ذریعے مجرم قرار دے دیئے گئے انھیں بھی اپنے گھروں سے نکال دیا گیا۔ انھیں

Marfat.com

راشن کارڈ دینے سے بھی حکومت نے انکار کر دیا اور بھیک مانگنے اور مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ ایسے لوگوں کی اولاد کو بھی خوراک اور تعلیم کی سہولتوں سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ اگر کوئی شخص ملازمت کے لیے یا پارٹی کا ممبر بننے کے لیے یا تعلیم حاصل کرنے کے لیے یا صرف زندہ رہنے کے لیے درخواست دیتا تو سب سے پہلے اس سے یہ پوچھا جاتا کہ تمھارے والدین کون تھے۔

اگرچہ اس وقت روس کو کاروبار میں مہارت رکھنے والے لوگوں کی ضرورت تھی لیکن ان تجربہ کار، ذہین لوگوں کے خلاف بڑی سفاکانہ مہم شروع کر دی۔ انجینئر، ماہر کاریگر، دواساز خاص طور پر ہدفِ ستم بنائے گئے۔ انشا پردازوں، فنونِ لطیفہ کے ماہروں معلموں اور مؤرخوں کے طبقہ کی بار بار تطہیر کی جاتی اور جو لوگ ان کی منشا کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کے لیے تیار نہ ہوتے ان کو ختم کر دیا جاتا اپنے ملک کے ماہرین کے قتلِ عام سے جو خلا پیدا ہوا۔ اس کو پُر کرنے کے لیے کریملن نے مغربی ممالک سے ہزاروں کی تعداد میں ماہرین کو بلایا باہر سے آنے والے ماہرین میں امریکیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ جتنے بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے ان کے سارے اعلیٰ افسر بیرونی لوگ ہوتے اور روسی باشندے ان اجنبی افسروں کے ماتحت غلاموں کی طرح مزدوری کیا کرتے۔ اگر مغربی دنیا نے روس سے تعاون نہ کیا ہوتا تو یہ پانچ سالہ منصوبہ پیدائش سے پہلے ہی دم توڑ چکا ہوتا۔

بیرونی ممالک سے آئے ہوئے ماہرین کی تنخواہوں کی ادائیگی کا مسئلہ بڑی پیچیدگی اختیار کر گیا۔ اشتراکی حکومت نے بنکوں میں رکھے ہوئے سونے اور چاندی کے ذخائر کو استعمال کرنا پڑا۔ بڑی بڑی نادر عجائبات کو دیگر ممالک کے عجائب خانوں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا پرانے گرجوں میں جو تاریخی نوادرات تھے وہ چھین لیے گئے سونا حاصل کرنے کے لیے ایک

Marfat.com

اور ذلیل حرکت کی گئی وہ روسی باشندے جو دیگر ممالک میں رہائش پذیر تھے انھیں یہ کہا گیا کہ اگر وہ روس میں رہنے والے اپنے رشتہ داروں کو رہا کرانا چاہتے ہیں یعنی انھیں اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں تو وہ بطور دیت بھاری رقمیں دوسرے ممالک کی کرنسی میں ادا کریں بڑے شہروں میں خاص دکانیں کھولی گئیں جہاں کھانے کی اشیاء اور دیگر نایاب چیزیں سونے، چاندی، جواہرات اور غیر ملکی کرنسی کے عوض فروخت کی جاتیں۔

ایک اور ظالمانہ قدم یہ اٹھایا گیا کہ جن لوگوں کے متعلق حکومت کو یہ پتہ چلا کہ ان کے رشتہ دار امریکہ یا یورپ میں سکونت پذیر ہیں، تو ان لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو خط لکھ کر ان سے روپیہ طلب کریں۔ اشتراکی حکومت کی خفیہ پولیس ان لوگوں کو اپنی حراست میں لے لیتی اور انھیں ہر طرح کی اذیت پہنچائی جن کے متعلق یہ گمان ہوتا کہ ان لوگوں کے پاس قیمتی چیزیں موجود ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے زیورات، جواہرات حتیٰ کہ چاندی کے چمچے تک بھی حکومت کو پیش کر کے اپنی جان چھڑاتے اور حکومت یہ پروپیگنڈہ کرتی کہ فلاں فلاں آدمی نے اپنی خوشی سے اپنے سونے چاندی کے زیورات وغیرہ حکومت کو پیش کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو اس طرح ہراساں کیا جاتا۔ ان میں یونیورسٹیوں کے پروفیسر، سرونٹ گرلز فیکٹری کے مزدور سبھی قسم کے لوگ ہوتے اور ہر شخص کو ایک بار نہیں متعدد بار اس ابتلا سے گزرنا پڑتا۔

ستر ہزار گاؤں کا جہنم زار

سٹالن نے خود چرچل کو بتایا کہ اجتماعی زرعی سکیم کو کامیاب کرنے کے لیے جتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار اگیا، ان کی تعداد دوسری جنگ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کو تعداد

Marfat.com

سے بھی زیادہ تھی۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو سٹالن نے ایک نعرہ تخلیق کیا کہ تمام متمول کسانوں کا خاتمہ کر دو۔ KALAKS اس کے بعد سٹالن نے خوش حال کسان کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ ہر وہ کسان جو دو یا دو سے زیادہ گائیں رکھتا ہو وہ خوشحال ہے اور عملی طور پر اس نعرہ سے مراد یہ تھی کہ جو شخص اپنی زمین کا ٹکڑا اپنے پاس رکھنے پر مصر ہو اس کو ختم کر دیا جائے یہ نعرہ ایک جابرانہ حکم تھا جس کا مدعا لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو کم از کم وقت میں خانماں برباد کر دینا تھا تاکہ دوسرے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنی زمینیں حکومت کے حوالے کر دیں۔ ستر ہزار گاؤں اس جہنم زار میں جھونک دیئے گئے، کم از کم پچاس لاکھ افراد اپنی جائیدادوں سے محروم کر دیئے گئے اور انھیں مویشیوں کی گاڑیوں میں بھوسے کی طرح بھر کر سائبیریا کے منجمد علاقوں میں یا وسطی ایشیا کے غیر آباد ریگستانوں میں پہنچا دیا گیا۔ ان میں سے ہزاروں آدمی گرمی کی شدت، بھوک اور بیماری کے باعث راستے ہی میں لقمۂ اجل بن گئے اور ان وسیع ویرانوں میں پہنچنے والے بدنصیبوں پر کیا گزری اس کے متعلق کسی کو کچھ خبر نہیں۔ ماں باپ سے محروم، ویران اور خستہ حال بچے انبوہ در انبوہ گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ اس ظلم و تشدد سے دیہاتی لوگ غصے سے بے قابو ہو کر مقابلے کے لیے اتر آتے حکومت کی مسلح فوجوں کے سامنے لاٹھیاں کلہاڑیاں لے کر سینہ سپر ہو گئے۔ سُرخ فوج کے خون آشام دستے اور خفیہ پولیس کو ان بغاوتوں کے فرو کرنے کے لیے فوراً موقع پر بھیج دیا جاتا۔ گاؤں کے باشندے اپنے گھروں کو اور غلہ کے گوداموں کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دیتے باغوں کے مالک اپنے پھل دار درختوں کو اکھاڑ پھینک دیتے۔ اجتماعی زرعی سکیم کو عملی جامہ پہنانے والے افسر اندھیرے میں نکلنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ ان افسروں کے ادنیٰ سے اشارے پر سینکڑوں بے گناہوں کو قتل کر دیا جاتا۔

Marfat.com

عوامی ردعمل کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں اپنے مویشی ہاتھوں سے مار ڈالے۔ وہ اپنے پیارے جانوروں کو حکومت کی تحویل میں دینے سے انھیں ذبح کرنا بہتر سمجھتے تھے۔ کسانوں کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے حکومت کو یہ قانون جاری کرنا پڑا کہ جو شخص ایک سؤر یا بھیڑ کو مارے گا اس کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔

پانچ سالہ منصوبہ کی میعاد ختم ہونے سے قبل نصف سے زیادہ مویشی اور گھوڑے ختم کر دیئے گئے۔ دو تہائی بھیڑیں اور بکریاں مار ڈالی گئیں۔ یہی حالت دوسرے جانوروں کی تھی۔ روس آج تک ان جانوروں کی وہ کمی پوری نہیں کر سکا۔ ۱۹۵۳ء میں خروشیف نے بڑے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہمارے پاس ۱۹۲۸ء میں جتنی گائیں تھیں آج اس سے ۹۰ لاکھ کم گائیں روس میں موجود ہیں اور یہ کمی مویشیوں کے اس قتل عام سے پیدا ہوئی جو حکومت کی غیر دانشمندانہ پالیسی کے ردّعمل میں کسانوں نے کیا۔ ۱۹۳۲ء میں قابل زراعت زمین کا ۸۰ اسّی فیصد حکومت کی اجتماعی سکیم کے مطابق زیر کاشت تھا۔ اسی موسم سرما میں اشتراکی دور کا دوسرا بدترین قحط شروع ہوا اس قحط کو ابتدا میں مخفی رکھا گیا۔ لیکن آخر کار حکومت کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔

اس لحاظ سے یہ قحط اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ حکومت نے اس کے سدّباب کے لیے کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ دانستہ اس کی تباہ کاریوں کے دائرہ کو وسیع ہونے دیا تاکہ چار پانچ کروڑ باغیوں کو پوری سزا دی جا سکے اور ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکے۔ وہ کسان جن کی زمینوں کو جبراً اجتماعی سکیم میں لے لیا گیا تھا۔ انھوں نے اس سکیم کو ناکام کرنے کے لیے

Marfat.com

ایک اور چال چلی وہ صرف اتنا رقبہ کاشت کرتے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جاتیں۔ کریملن کے سامنے یہ صورت حال تھی دیگر ممالک کی منڈیوں میں غلہ ارزاں تھا۔ چند لاکھ ڈالر کا غلہ خرید کر حکومت لوگوں کو اس تباہی سے بچا سکتی تھی، لیکن سٹالن نے اس آسان طریقہ کو چھوڑ کر ایک اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ جو کسان گورنمنٹ کی سکیم کو ناکام بنانے کے لیے کوشاں ہیں ان کے سارے غلہ پر قبضہ کر لیا جائے اور انھیں بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے حکم ملتے ہی ایک بار پھر فوج، خفیہ پولیس اور کمیونسٹ پارٹی کے کارکنوں نے زرعی کھیتوں پر حملہ بول دیا اور جتنا غلہ دستیاب ہو سکا اپنے ٹرکوں میں بھر لیا اور ان دیہاتیوں اور کسانوں کے لیے ایک دانہ تک پیچھے نہ چھوڑا باغات کے سب پھل توڑ لیے جتنے انڈے ہتھے چڑھے وہ بھی لے لیے۔ ۱۹۳۲ء کے آخر میں قحط کی تباہ کاریاں اپنے اوج پر تھیں یوکرین اور کاکیشیا کے شہروں میں رات کو جو لوگ بھوک سے مر جاتے، صبح سویرے ان کی لاشیں ٹرکوں میں بھر کر ٹھکانے لگا دی جاتیں۔ وسط ایشیا کے شہروں میں سڑکوں کے کنارے پر قطار در قطار لاشے پڑے ہوتے اور جن علاقوں میں حالات اس سے بھی زیادہ سنگین تھے لوگ انسانوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ان انسانیت سوز مظالم کا نتیجہ

غور طلب امر یہ ہے کہ ان انسانیت سوز مظالم سے کمیونسٹوں کو کیا ملا؟ زراعت کا ایک ایسا طریقہ جس پر کبھی عمل نہیں ہو سکا۔ اڑتیس سال تک اجتماعی کاشتکاری Collective Farm کے باوجود ابھی تک روسی حکومت اس قابل نہیں ہوئی کہ وہ اپنے باشندوں کو مناسب خوراک مہیا کر سکے ان کی فی ایکڑ زرعی پیداوار تمام ترقی یافتہ ممالک سے کم ہے

Marfat.com

روس جو کسی وقت غلہ برآمد کرنے والے ممالک میں سرفہرست تھا۔ اب غلہ درآمد کرتا ہے۔
۱۹۶۵ء میں اشتراکی روس میں مزروعہ رقبہ امریکہ کے مزروعہ رقبہ سے ۵٫۷ فیصد زیادہ تھا اور اس پر کام کرنے والے کارکنوں کی تعداد چار گنا تھی۔ اس کے باوجود اس کی زرعی پیداوار امریکہ کی زرعی پیداوار کے نصف سے بھی کم تھی ان کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور کوئی دلچسپی نہیں لیتے بلکہ دانستہ نقصان پہنچاتے ہیں جس بے ڈھنگے پن سے وہ کھیتوں میں کام کرتے ہیں، فصل کاٹنے میں جو تاخیر کی جاتی ہے اناج کو منڈیوں میں پہنچانے میں جو غفلت اور بے پروائی برتی جاتی ہے اور زرعی سامان کو جس بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے اس پر روسی پریس ہر وقت کارکنوں کو لعنت ملامت کرتا رہتا ہے۔ سرکاری اندازے کے مطابق پچیس فی صد مصنوعی کھاد کھیتوں تک پہنچتی ہی نہیں بلکہ ریلوے اسٹیشنوں پر پڑی پڑی بکھر بن جاتی ہے۔ خروشیف نے ایک مرتبہ خود کہا تھا کہ ہم جب فصل کاشت کرتے ہیں تو کیچڑ اور برف سے لت پت ایسے ڈنٹھل اٹھاتے ہیں جو گاہے نہیں جا سکتے۔ ۱۹۶۱ء میں خروشیف نے یہ الزام لگایا تھا کہ اس کے آبائی وطن یوکرین میں نصف فصل کاٹنے سے پہلے ہی چرا لی جاتی ہے اور لوٹ لی جاتی ہے۔ متعدد دیہات میں افسروں کو ایسے پہرہ دار مقرر کرنا پڑتے ہیں جو شب و روز کھیتوں کی رکھوالی کرتے ہیں اور کسان جب کھیتوں سے واپس گھر لوٹتے ہیں تو ان کی باقاعدہ تلاشی لی جاتی ہے۔

زرعی پالیسی کی یہ ناکامی سارے اشتراکی ممالک میں یکساں ہے۔ مشرقی جرمنی، چیکوسلاویکیہ، ہنگری، سرخ چین سب کا یہی حال ہے۔ جب یوگوسلاویہ اور پولینڈ میں کسانوں کو اجتماعی فارم چھوڑنے کی آزادی دی گئی تو تمام کسان ان فارموں کو چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے نجی کھیتوں میں کام کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلیل عرصہ میں زرعی پیداوار

Marfat.com

میں اضافہ ہو گیا نجی اور اجتماعی زرعی نظاموں میں نتائج کے لحاظ سے جو تفاوت ہے اس کی حیرت انگیز مثال خود روس میں دیکھی جا سکتی ہے۔ سٹالن نے مجبور ہو کر اجتماعی فارموں پر کام کرنے والے کسانوں کو اجازت دی کہ وہ ایک گائے اور چند دوسرے جانور رکھ سکتے ہیں اپنے گھر کے قریب چھ کنال رقبہ کاشت کر سکتے ہیں اور اس کی پیداوار کو آزاد منڈی میں آزاد نرخوں پر فروخت کر سکتے ہیں۔ یہ رعایت محدود وقت کے لیے دی گئی تھی لیکن اس کے نتائج اتنے حوصلہ افزا اور خوش کن نکلے کہ وہ رعایت آج تک بحال ہے۔

نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر ای ریمانڈ E.Remond نے کئی مرتبہ روس کا دورہ کیا تاکہ وہ وہاں کی زرعی اقتصادیات کا بنظر غائر مطالعہ کرے ایک دورے کے متعلق اس نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں قلم بند کیے ہیں "میں نے دیہات کے سامنے میلوں تک پھیلا ہوا وہ رقبہ دیکھا جہاں اجتماعی طرز پر کاشتکاری کی جاتی تھی۔ اس میں گھاس اور جڑی بوٹیاں اُگی ہوئی تھیں، سوکھے اور بدمنظر کھیت تھے لیکن ہر جھونپڑے کے آس پاس میں نے چھوٹے چھوٹے اور سرسبز و شاداب باغ دیکھے۔ یہ وہ چھوٹے ٹکڑے ہیں جن کے متعلق روسی حکومت نے لوگوں کو اجازت دی ہے کہ وہ انھیں اپنی مرضی سے کاشت کریں اس کھیت کا ایک ایک انچ بڑی ہنرمندی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ گھر کے سامنے صحن میں بھی طرح طرح کی سبزیاں کاشت کی جاتی ہیں جو خالی زمین رہ جاتی ہے اسے اس طرح صاف ستھرا رکھا جاتا ہے گویا کسی نے اس پر جھاڑو پھیر دیا ہو، کسانوں کو اس سے چھوٹے سے ٹکڑے سے جو آمدن ہوتی ہے وہ ان اجتماعی کھیتوں پر سارا دن محنت کرنے کی مزدوری سے زیادہ ہے اور اگر یہ چھوٹے چھوٹے باغیچے نہ ہوتے تو روس میں فاقہ کشی کی نوبت آجاتی۔"

Marfat.com

۱۹۶۶ء میں حکومت کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ان پرائیویٹ کھیتوں کی آمدنی جو روس میں مزروعہ رقبہ کا صرف تین فیصد ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

اناج	تیس فیصد
آلو	ساٹھ فیصد
سبزیاں	چالیس فیصد
گوشت	اڑسٹھ فیصد

ان واضح نتائج کے باوجود روس میں اجتماعی کاشت کاری کا نظام مسلّط ہے اور اسی لیے اناج کی قلت ایک مستقل مسئلہ بن گئی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ ان روشن حقائق اور واضح نتائج کے بعد لوگوں کو بڑے پیمانے پر نجی طور پر کاشت کرنے کی اجازت دے دی جاتی، لیکن روسی لیڈر یہ اجازت دینے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر زراعت کو آزاد کر دیا جائے تو پھر صنعت اور سیاسی زندگی کو صرف چند ہاتھوں میں باقی نہیں رکھا جا سکتا۔

ہٹلر کی سب سے بڑی غلطی

ربع صدی تک اشتراکی ڈکٹیٹر شپ روس کی نئی نسل کو ایک خوفناک قالب میں ڈھالتی رہی۔ یہ سیرت سازی کی ایک عظیم مہم تھی جس کے متعلق کمیونسٹ یہ دعوے کرتے تھے کہ وہ ایک نیا اشتراکی انسان پیدا کریں گے۔ جون ۱۹۴۱ء میں نازی فوجوں نے روس پر ہلہ بول دیا اور روسی حکمرانوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ جس نئے اشتراکی انسان کی تخلیق کے منصوبے وہ بنا رہے تھے اس میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اس ہنگامی وقت میں یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ

Marfat.com

کریملن لوگوں کو اپنی کمیونسٹ سوسائٹی، اپنی اجتماعی زرعی پالیسی اور اجتماعی صنعت کے تحفظ کے لیے جہاد کرنے کی دعوت دے گا، لیکن پروپیگنڈے کی مشینری سے اس وقت سوشلزم اور کمیونزم کے الفاظ نکال دیتے گئے۔ مارکس اور لینن کا نام بھی ترک کر دیا گیا۔ سارے اشتراکی نعرے نظر انداز کر دیتے گئے اور لوگوں کو اپنے مادرِ وطن کے تحفظ کے نام پر جنگ کی دعوت دی گئی۔ مزید مذہب جسے غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا۔ اس سے بھی پابندی ہٹا دی گئی۔ اللہ تعالٰے کی ذات کے خلاف جو مہم زور شور سے جاری تھی اس کو بھی ترک کر دیا گیا۔ گرجوں کی گھنٹیاں عرصہ دراز تک خاموش رہنے کے بعد پھر بجنے لگیں ——————

اس تبدیلی کی وجہ بالکل ظاہر تھی —————— نازی حملہ کے پہلے لمحہ سے ہی کمیونزم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پندرہ سو میل لمبے محاذ پر جرمن فوجیں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں، روسی فوجیں پسپا ہو رہی تھیں اور ہتھیار ڈال رہی تھیں۔ لوگ اس کثرت سے قیدی بن رہے تھے اور روسی سپاہی اتنی تعداد میں یونٹوں کو چھوڑ رہے تھے کہ جرمنوں کے لیے ان کے اردگرد خار دار تار لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ پہلے چار مہینوں میں حملہ آوروں نے چالیس لاکھ روسی قیدی بنا لیے۔ پہلے ہلہ میں ہی نازیوں نے روس کی آبادی (جو فرانس کے کل رقبہ سے کئی گنا زیادہ رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی) پر قبضہ کر لیا۔ روسی عوام اس لمحہ کے لیے ہر وقت دعائیں مانگا کرتے تھے، کیونکہ اشتراکی غلامی کے چنگل سے نجات کی صرف یہی ایک صورت تھی اور اسی خطرہ سے بچنے کے لیے سٹالن نے ہٹلر کے ساتھ معاہدہ کیا تھا لیکن حقیقتِ حال سٹالن کے تمام اندازوں سے زیادہ خوفناک اور ہولناک تھی۔

ایک جرمن صحافی جرگن (Jergon) جس نے مشرقی محاذ کے حالات بڑی تفصیل سے قلم بند کیے ہیں۔ لکھتا ہے کہ روسی خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے اور

Marfat.com

ہر جگہ جرمن سپاہیوں کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے، قصبوں اور دیہات میں ہر جگہ نازی فوجوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے، سویلین اپنے آپ کو غیر جنگی خدمات کے لیے رضا کارانہ طور پر پیش کر رہے تھے، کئی شہروں میں انھوں نے لینن، سٹالن اور مارکس کی کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا۔

لیکن روسیوں کی اس خوشی کی میعاد طویل ثابت نہ ہوئی۔ بہت جلد نازی فاتحین کی اصلی فطرت بے نقاب ہوگئی۔ انھوں نے روسیوں پر ظلم کی حد کر دی، ہمیشہ کے لیے انھیں اپنا غلام بنائے رکھنے کے منصوبے شروع کر دیئے۔ جنگی قیدیوں کو شدید سردی کے موسم میں کھلے میدانوں میں جمع کر دیا جاتا، ان کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا اور طرح طرح کی ناروا حرکتیں کی جاتیں۔ اس طرح بے شمار روسی قیدی لقمۂ اجل بن گئے اور لاکھوں روسیوں کو جبری مزدوری کے لیے جرمنی منتقل کر دیا گیا۔ یہ ہٹلر کی فاش غلطی تھی، اسی نے روسیوں کے دل میں حب الوطنی کی روح بیدار کر دی۔ جو کام سٹالن نہ کر سکا تھا وہ نازی عاقبت نااندیشوں نے کر دکھایا۔ روسیوں کو جب یہ تلخ حقیقت معلوم ہوگئی کہ جرمن فوجیں انھیں بالشویکوں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ نازی ازم کا طوق ان کے گلے میں ڈالنے آئی ہیں تو ان کے رویّہ میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی جس نے حملہ آوروں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ جنگ کے سالوں میں روسی حکومت نے یہ کہہ کر لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ اب ماضی کا وحشت انگیز دور ختم ہوگیا اور اب حریت و آزادی کا عہدِ زریں شروع ہوگا، لیکن جونہی جنگ ختم ہوئی ڈکٹیٹر شپ کی گرفت اور زیادہ سخت ہوگئی۔ ہر محکمہ کی تطہیر کئی بار کی گئی۔ بیگار کیمپوں کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ ہوا، پرانی دہشت انگیزی پوری سطوت سے واپس آگئی اور ایک نیا پانچ سالہ منصوبہ سامنے رکھ دیا۔

Marfat.com

اقتصادی خوشحالی کے کھوکھلے نعرے

قطب شمالی کے قریب سائبیریا کی دلدلی برفانی زمین میں جہاں برف کے ظالم طوفان ہر وقت حشر برپا کرتے رہتے ہیں، ایک ریلوے لائن ہے جو پانچ سو پچاس میل لمبی ہے، اس کا لوہا اب زنگ آلود ہو چکا ہے اس کے سٹیشن پل اور ملازمین کے رہائشی مکانات میں کھود کر بنائے گئے ہیں۔ روسی اخبارات اسے مردہ سڑک Dead Road کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نہ کبھی مکمل ہوتی اور نہ کبھی اسے استعمال کیا گیا۔ اس کے بنانے کا کام جنگی قیدیوں سے لیا گیا۔ اس علاقہ میں جہاں درجہ حرارت صفر سے ساٹھ درجے کم تھا۔ بڑی روح فرسا مشکلات میں یہ کام شروع کیا گیا۔ ساری لکڑی اور لوہا ہزارہا میل کی مسافت سے برفانی دریاؤں کے ذریعے لایا گیا۔ اس منصوبے کا آغاز کیونکر ہوا؟ یہ ایک دلچسپ بلکہ زہرہ گداز کہانی ہے۔ سٹالن کو یہ خبط سمایا کہ اگر قطب شمالی کے متوازی ایک ریلوے لائن قائم کر دی جاتی تو شمالی بعید کی بحری تجارت میں بڑی ترقی ہو گی۔ (کیونکہ وہاں سارے سال میں صرف دو ماہ بحری جہاز چل سکتے ہیں۔ باقی دس مہینوں میں برف باری کی وجہ سے آمد و رفت معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔) چنانچہ ۱۹۴۹ء میں اس نے ریلوے لائن کے بچھانے کا حکم دے دیا۔ کسی کو سٹالن کے اس غلط فیصلے پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور کام کئی سال تک شروع رہا۔ اگرچہ ماسکو والوں نے اسے فراموش کر دیا تھا۔ اس کام میں جو انسانی جانیں تلف ہوئیں اور مزدوروں پر رنج و الم کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ سٹالن کی موت کے بعد ۱۹۵۳ء میں اس منصوبہ کو ختم کر دیا گیا یہ مردہ سڑک اس انسانیت سوز، وحشیانہ، ظالمانہ طریقہ کار کی ایک کھلی ہوئی نشانی ہے جو اشتراکی نظام میں انسانوں کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ آج دنیا میں

Marfat.com

روسی حکومت سب سے بڑی اجارہ دار ہے، روس کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس کی ملکیت ہے۔ وہی تمام منصوبوں کا انتظام کرتی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ تیرہ لاکھ افسر انتظامی امور کی انجام دہی پر متعین ہیں بلکہ اگر تفصیلات کو دیکھا جائے تو افسران کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بنتی ہے۔

روس بے شک آج ایک طاقتور صنعتی ملک بن گیا ہے، لیکن اس کے لیے اسے بڑی اذیت ناک قیمت ادا کرنا پڑی۔ اس کے باوجود صنعتی ترقی میں روسی ماہرین اقتصادیات کی رائے کے مطابق دنیا میں روس کا چودھواں نمبر ہے اور مغربی ماہرین کے نزدیک اس کا بیسواں نمبر ہے۔ ان پچاس سالوں میں کئی دوسری قوموں نے اس سے بھی زیادہ ترقی کی ہے اور صنعتی میدان میں بالادستی حاصل کرنے کے لیے انھیں انسانیت پر ایسے مظالم توڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی جو روس میں توڑے گئے۔ پہلی جنگ عظیم اور اشتراکی انقلاب سے پہلے بھی روس ایک ترقی یافتہ صنعتی ملک تھا اور اگر اشتراکی نظام نہ آتا تب بھی وہ موجودہ حالت سے کئی گنا ترقی کر چکا ہوتا۔

سپٹنک کے چھوڑنے سے روس کی معجزانہ ترقی کے خیال کو تقویت پہنچتی ہے لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے قدیم مصر کے اہرام۔ اہرام مصر اس بات کی شہادت تو دیتے ہیں کہ مصر کے حکمران بڑے طاقت ور اور جابر تھے لیکن وہ یہ گواہی دینے سے قاصر ہیں کہ مصر کے عوام بھی اس وقت خوشحال اور فارغ البال تھے۔

اس کے باوجود روسی مصنوعات کیفیت اور عمدہ کارکردگی کے لحاظ سے بہت ہی گھٹیا ہیں۔ چنانچہ روسی صنعت کے ایک ماہر جوزف لے لکھتے ہیں:

(۱) اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ روس امریکہ سے زیادہ مشینی آلات بناتا ہے کیونکہ

Marfat.com

امریکہ پہلے ہی ایک انتہا کو پہنچ چکا ہے لیکن جتنے مزدوران آلات کو بنانے پر کام کرتے ہیں ان سے ساڑھے تین گنا مزدوران کی مرمت میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲) برقی موٹریں پہلے سال ہی اپنے کارکردگی کے اوقات کا تیس چالیس فیصد مرمت میں خرچ کرتی ہیں۔

(۳) روسی ٹرک وغیرہ میں سے تیس چالیس فیصدی بیکار کھڑے رہتے ہیں۔

(۴) روسی ٹریکٹروں کی مرمت کا خرچ ہر سال ان کی قیمت کا ایک تہائی حصہ ہوا کرتا ہے۔

۱۹۶۷ء میں روس میں موٹروں کی پیداوار اتنی تھی جتنی ستاون سال پہلے ۱۹۱۰ء میں امریکہ کی روس میں کاروں کی صنعت کا آغاز ۱۹۳۰ء میں ہوا اور وہ اس طرح کہ روسی حکومت نے فورڈ کی فیکٹری کو اس کے آلات سمیت خرید لیا اور اس کو چلانے کے لیے امریکی ماہرین کی خدمات کو حاصل کیا۔ تیس سال گزرنے کے بعد آج بھی روسی حکومت اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ وہ موٹر سازی کا جدید کارخانے کا نقشہ انھوں نے اٹلی کی فیٹ Fiat کمپنی سے بنوایا ہے اور اسی کمپنی کے ماہرین کو یہ کارخانہ لگانے کا کام سپرد کیا۔ روسی حکومت جاپان اور فرانس کی موٹر کمپنیوں سے بھی گفت وشنید کر رہی ہے، اگر مغربی ممالک صنعت کا بنیادی مواد اور ضروری ساز وسامان روس کو مہیا نہ کریں تو روس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔ خروشیف اور اس کے بعد کوسیگن وغیرہ نے روسی صنعت کی خامیوں کا بارہا اعتراف کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں کوسیگن نے کہا کہ ہماری صنعتی ترقی کی رفتار بہت سست ہے بسا اوقات ایک مشینری نصب کی جاتی ہے اور وہ عرصہ دراز تک بیکار پڑی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زنگ آلودہ ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

روس کے ایک مشہور عالم پروفیسر ایبل نے ماسکو یونیورسٹی میں لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ گزشتہ چھ سال سے ہماری معیشت میں ۲/۳ کمی واقع ہوئی ہے۔ زراعت میں ۹/۱ اور ہماری قومی آمدنی میں بھی بہت کمی ہوئی ہے۔ ہمارا پیداواری نظام تمام صنعتی ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں ناقص ہے، بیروزگاری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، دیہات میں پچیس تیس فیصد تک اور بڑے شہروں میں آٹھ فیصد تک لوگ بیروزگار ہیں، گھر مہیا کرنے کی سکیموں پر کبھی عمل نہیں کیا جا سکا۔

اقتصادی میدان میں ناکامی کے باوجود اس چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روسیوں نے سامانِ حرب تیار کرنے میں بڑی ترقی کی ہے۔ انھوں نے قومی دفاع اور بھاری صنعتوں کو ہر چیز پر ترجیح دے رکھی ہے۔ بہترین دماغ صرف جنگی سامان بہتر سے بہتر بنانے پر وقف ہیں۔ روس کے ہوائی جہاز، ٹینک، میزائل بہت بہتر ہیں اور اسی وجہ سے صنعت کے دوسرے شعبوں میں روس نے خاطر خواہ ترقی نہیں کی۔

مزدور

دیکھنا یہ ہے کہ وہ مزدور جس کے نام پر یہ سارا ہنگامہ برپا کیا گیا اس کا کیا حال ہے؟ آپ وہاں کسی مزدور سے یہ سوال پوچھیے کہ تمھارا کیا حال ہے وہ تمھیں ایک ہی جواب دیگا۔ یعنی آنے والے کل سے آج بہرحال بہتر ہے۔ ایک فیکٹری کے مزدور کی اوسط آمدنی پینسٹھ روبل ماہوار ہے لیکن لاکھوں مزدور ایسے ہیں جن کی کل ماہوار آمدنی چالیس پینتالیس روبل ہے اور کسانوں کی ماہوار آمدنی جو مزدور طبقے کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں، چالیس روبل سے بھی کم ہے۔ اب اگر آپ روبل کی قوتِ خرید کا اندازہ لگانا چاہیں تو

Marfat.com

ماسکو کی بہت بڑی فرم گم اینڈ زم کی قیمتوں پر ایک نظر ڈالئے۔ کپڑوں کے ایک جوڑے کی قیمت ۱۹۱ ڈالر عورتوں کے جوتوں کا ایک جوڑا ۴۴ ڈالر، ایک چھوٹا ریڈیو ۴۷ ڈالر ایک درمیانہ درجہ کا فرج ۴۰۰ روبل میں ملتا ہے یعنی متوسط مزدور کی چار ماہ کی تنخواہ۔ ولگا کار کی قیمت پانچ ہزار چھ سو روبل ہے یہ رقم پہلے جمع کرانا پڑتی ہے اور سالہا سال کے انتظار کے بعد کہیں باری آتی ہے۔ مزدوروں میں پچاس فیصد عورتیں ہیں، کیونکہ خاندان کا مرد سربراہ اپنے خاندان کے تمام افراد کی کفالت نہیں کر سکتا۔ روس میں عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں مساویانہ حقوق دینے کا بہت پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مساوات صرف اس امر میں ہے کہ عورتیں بھی مزدوری کرتی ہیں بھاری بھرکم لکڑی کی گیلیاں اٹھانا خندقیں کھودنا، گلیوں میں جھاڑو دینا اور فولاد کی ملوں کی بھٹیوں میں آگ جھونکنا، یہ وہ کام ہیں جو روس میں صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ انگلینڈ میں ۱۸۴۲ء میں عورتوں کو کوئلے کی کانوں میں کام کرنے سے روک دیا گیا تھا، لیکن روس میں آج بھی عورتیں یہ کٹھن کام کرتی ہیں اور روسی حکومت اس کو بڑے فخر سے پیش کرتی ہے۔ رہائش کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں لاکھوں مزدور اپنے کارخانوں کے قریب ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں گزر اوقات کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں رہائشی سہولتیں مہیا کرنے کا جو عظیم منصوبہ بنایا گیا اس کے مطابق ایک خاندان کے لیے ایک کمرہ اور تین خاندانوں کے لیے ایک باورچی خانہ اور وہ بھی بڑی خستہ حالت میں مہیا کیے جا سکے، لیکن یہ کمرہ بھی آسانی سے نہیں ملتا بلکہ مزدوروں کو اس ایک کمرے کے لیے پانچ پانچ سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔ رہائشی سہولتوں کے ناکافی ہونے کی وجہ سے باہمی تنازعات ہر روز کا معمول ہیں۔ بات بات پر پڑوسی پڑوسی سے الجھتا ہے، میاں بیوی کے درمیان کشیدگی بڑھتی ہے، طلاقیں کثرت سے وقوع پذیر ہوتی ہیں لطف یہ ہے کہ مطلقہ عورت

Marfat.com

دوسرا مکان نہ ملنے کی وجہ سے اپنے طلاق دینے والے خاوند کے کمرے میں عرصہ دراز تک رہنے پر مجبور ہوتی ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے نئے خاوند کو وہیں لے آتی ہے اور درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی شدید قلت ہے۔ معمولی معمولی چیزوں کے لیے عرصہ دراز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ راشن کارڈ بنوانے کے لیے کئی کئی دن دفتروں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ (واضح ہو کہ روس میں ضروریاتِ زندگی صرف راشن کارڈ کے ذریعے ہی دستیاب ہو سکتی ہیں) تند مزاج افسروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور لمبی لمبی قطاریں بنا کر پہروں کھڑا رہنا پڑتا ہے کوئی شخص اجازت کے بغیر اپنا پیشہ تبدیل نہیں کر سکتا، اپنی رہائش نہیں بدل سکتا ہے اور دوسرے شہر میں بہتّر گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ مذہبی لوگ اپنی اولاد کو بڑی رازداری سے اللہ تعالےٰ کے متعلق کچھ بتاسکتے ہیں اور ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ ان کی مخبری نہ کر دی جائے۔ لوگ دروازے بند کر کے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سٹالن کی لڑکی سوتیلانہ جو اپنے باپ کے بنائے ہوئے "فردوس بریں" سے بھاگ آئی ہے اس نے اپنے فرار کی وجہ یہ بتائی کہ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اسے حکومت کی ملکیت تصور کیا جائے اور اس کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے جو مالک اپنی مملوکہ چیز کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس ایک جملہ میں اس نے اپنے ہم وطن روسیوں کی تکالیف اور تذلیل قصہ بیان کر دیا ہے۔

اصلاحات

حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر کریملن نے اب کھلے طور پر ان مشکلات کا حل تلاش کرنا شروع کر دیا ہے اب وہاں نفع، سود، کرایہ، منڈی وغیرہ کے الفاظ عام استعمال ہوتے

Marfat.com

لگے ہیں۔ اب وہاں آزادانہ کاروبار کے حق میں آوازیں سنائی دینے لگی ہیں تاکہ کھلے مقابلہ سے مصنوعات کی حالت بہتر بنائی جا سکے اور قیمتوں میں کمی کی جا سکے ۔

روس میں طبقات

صرف حقائق سے بے خبر آدمی ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ روسی معاشرہ میں طبقات کا وجود نہیں سٹالن نے ۱۹۳۰ء میں یہ جھوٹ بولا تھا جو آج بھی ایک معیاری جھوٹ کی طرح جوں کا توں قائم ہے کہ روسی معاشرہ میں طبقات کا کوئی وجود نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت روسی معاشرہ بہت ہی امیر اور بہت ہی غریب اور حصوں میں بٹا ہوا ہے، کہیں مراعات ہی مراعات ہیں اور کہیں محرومیاں ہی محرومیاں۔ اونچے درجے کے افسر اور کمپنیوں کے منیجر بھاری بھر کم تنخواہیں وصول کرتے ہیں اور انھیں بہترین سہولتیں میسّر ہیں۔ ان کے مکانات بھی بڑے خوبصورت اور دلکش ہوتے ہیں اور ان کے پہلو میں غریبوں کی وہی تاریک تنگ اور غلیظ کوٹھڑیاں نظر آتی ہیں۔ اعلٰے افسر اپنی چھٹیاں منانے کے لیے اعلٰے درجے کی تفریح گاہوں میں جاتے ہیں جہاں صرف چند ایسے مزدور جا سکتے ہیں جنھوں نے کوئی اہم کارنامہ انجام دیا ہو۔ فیکٹریوں اور دوسرے اداروں میں کھانے کے کمرے بھی مختلف درجوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ تیسرے درجے کے طعام خانے عام لوگوں اور مزدوروں کے لیے مخصوص ہیں۔ ریلوے گاڑیوں میں بھی تین درجے ہیں، بہترین ہسپتال بہترین لوگوں کے لیے وقف ہیں۔ طبقات سے پاک سوسائٹی تو وہ ہوتی ہے جو سیاسی، اقتصادی اور سماجی لحاظ سے مساوی ہو لیکن وہاں یہ چیزیں مفقود ہیں ۔

یوگوسلاویہ کا سابق وائس پریذیڈنٹ جسے بعد میں معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا، لکھتا ہے:

Marfat.com

"قانونی طور پر تو ساری جائیداد قومی ملکیت ہے لیکن حقیقت میں اس کا فائدہ صرف ایک گروہ حاصل کرتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنھیں وہ قوت اور اختیار حاصل ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ امیروں کے لڑکوں کو بہترین تعلیمی سہولتیں میسر ہیں اور سیاسی اور معاشی مفاد ان کے لیے وقف ہیں۔"

اعلیٰ درجے اور کم تر درجے میں جو تفاوت ہے وہ حکومت کا ایک راز ہے جو افشا نہیں کیا جاسکتا تاکہ لوگ شور نہ مچائیں۔ اعلیٰ درجے کے لوگوں کی خوشحالی، بہترین بنگلے، کاریں اور دیگر سہولتیں جو انھیں نصیب ہیں، عام لوگ ان کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اشتراکی انسان کہاں ہے جس کی تخلیق کے لیے مظالم کا ایک طوفان برپا کیا گیا۔ عام آدمی تو ہمیں انتہائی پستی میں بلکتا ہوا یا کسی بیگار کیمپ یا کسی سنسان علاقہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتا ہوا نظر آتا ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ ان میں مساوات صرف اس امر میں ہے کہ سب غلام ہیں اور اعلیٰ افسروں کے قبضے میں ہیں اور بلاشبہ سارے غلام یکساں اور مساوی ہوا کرتے ہیں۔

ایک دھوکہ

عام طور پر جو لوگ روس میں سیروسیاحت کے لیے جاتے ہیں وہ یہ تاثر لے کر آتے ہیں کہ وہاں ہر طرح کا امن وامان ہے اور کسی قسم کی بے چینی کے آثار وہاں نظر نہیں آتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں جاسوسی کا اتنا ہمہ گیر نظام کارفرما ہے کہ ہر شخص ہر وقت ہراساں رہتا ہے کہ کہیں اس کی مخبری نہ کر دی جائے۔ سیاحوں کو سیر کرانے کے لیے خاص قسم کے تربیت یافتہ رہبر ہوتے ہیں جو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں کسی قسم

Marfat.com

کا اضطراب یا بے چینی نہیں ہے حالانکہ بیگار کیمپوں میں بارہا شدید قسم کی خونریزیاں ہوئیں طفلس میں ۱۹۵۶ء میں بہت بڑا ہنگامہ ہوا، ہزاروں کی تعداد میں نوجوان مارے گئے۔ حکومت نے ان کے خلاف ٹینک اور توپ خانہ استعمال کیا۔ اسی طرح بغاوت کی متعدد وارداتیں ہوتی رہتی ہیں جنھیں بڑی بے رحمی سے کچل دیا جاتا ہے اور اخبارات کو ہمت نہیں کہ اس قسم کی خبریں اشارۃً بھی شائع کرسکیں۔

دنیا کی سب سے بڑی استعماری حکومت

۱۹۱۷ء سے استعماری قوتوں نے اپنے نو آبادیات کو آزادی دینا شروع کر دی ہے اور یکے بعد دیگرے کئی آزاد سلطنتیں معرض وجود میں آچکی ہیں، لیکن ماسکو لینن کی ہدایات کے مطابق اپنے استعمار کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ بعض غیر روسی مفتوحہ علاقوں کو سویت یونین کا جز بنا دیا گیا (جیسے مشرقی پاکستان کی اسلامی ریاستیں)، اور بعض ممالک کو علیحدہ رہنے دیا گیا ہے لیکن حقیقی اقتدار روسی فرمانرواؤں کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک روسی استعمار اور جبر و تشدد کی وجہ سے اشتراکی بنے ہیں۔ جو لوگ وہاں برسر اقتدار ہیں انھوں نے کبھی آزادانہ انتخاب کرانے کی جرأت نہیں کی۔ اور وہ فقط روسی قوت کے بل بوتے پر وہاں حکومت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں مشرقی جرمنی میں جب وہاں کے لوگوں نے سر اٹھایا اور ۱۹۵۶ء میں ہنگری میں جب اس نظام کے خلاف بغاوت ہوئی تو روسی فوجیں لاکھوں کی تعداد میں جدید اسلحہ سے لیس ہو کر دندناتی ہوئی وہاں پہنچیں اور ان لوگوں کا قلع قمع کر دیا گیا جنھوں نے اشتراکیت کے خلاف آواز اٹھائی تھی یہی داستان

Marfat.com

چیکوسلاویکیہ میں دہرائی گئی۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر روس نے بیشتر مفتوحہ ممالک کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور آج تک وہاں آزادی کی صبح طلوع نہیں ہوئی، روسی ان ممالک سے بعینہ وہی فائدہ اٹھا رہے ہیں جو سامرین اپنی نوآبادیات سے اٹھایا کرتے تھے۔ اربوں ڈالر کا سامان وہاں سے منتقل ہو کر روس میں جاتا ہے۔ ایبل جو مشرقی جرمنی کے منصوبہ بندی کمیشن کا چیئرمین تھا اس نے جب دیکھا کہ اس کے ملک کی دولت بڑی فراوانی سے روس میں منتقل کی جا رہی ہے اور اس کے ملک کے عوام کا خون بے رحمی سے چوسا جا رہا ہے تو اس نے بڑا شور مچایا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی یہ المیہ اپنی انتہا کو پہنچا جب پندرہ بلین (پندرہ ارب) ڈالر کا پانچ سالہ تجارتی معاہدہ روس اور مشرقی جرمنی کے درمیان طے ہوا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ یہ تجارتی معاہدہ نہیں بلکہ روس کی انتہا درجے کی زیادتی ہے۔ اس کی شدید مخالفت کے باوجود جب اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے تو اس نے بطور احتجاج اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔

روس ہر لحظہ اپنے اقتدار اور اثر و نفوذ کو دیگر ممالک میں بڑھانے کے لیے مصروف تگ و دو ہے۔ جنوبی کوریا اور کیوبا وغیرہ اس کے استعماری عزائم کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

علم کی ترقی
میں
مسلمانوں کا حصّہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عقل و خرد کی آنکھ اس وقت تک نہیں دیکھ سکتی، جب تک علم کی روشنی نہ ہو۔ علم کی شمع گل ہو جاتے تو انسانی سوچ کو اوہام و خرافات اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اس کی توانائیاں تعمیر سے زیادہ تخریب کے لیے استعمال ہونے لگتی ہیں۔ اس سے ایسے خسیس و رذیل اعمال صادر ہونے لگتے ہیں، جن سے شیطان کی پیشانی بھی فرطِ ندامت سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔ وطنی، نسلی، قومی اور لسانی عصبیتیں اسے خونخوار درندہ بنا دیتی ہیں۔ اس کی وہ خوبیاں، جن سے اس کے خالق نے اسے سرفراز فرمایا ہے، یوں ہی بیکار پڑی رہتی ہیں۔

اللہ تعالٰی نے جو رب العالمین ہے، عالم انسانیت کی راہنمائی کے لیے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ جو صحیفۂ رشد و ہدایت آپ پر نازل فرمایا، اس کی پانچ بابرکت آیتیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں، ان میں نہ عبادت الٰہی کا حکم دیا گیا، نہ اخلاق حسنہ کو اپنانے کی تاکید کی گئی ہے، نہ ان میں گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کی تلقین ہے اور نہ ان اصول و ضوابط کا بیان ہے، جن پر اسلامی معاشرہ

Marfat.com

کا قصرِ رفیع تعمیر کرنا اسلام کے اولین پاکیزہ مقاصد میں سے ہے، بلکہ "اقراء" کا حکم دے کر علم وعرفان کے انمول خزانوں کے قفل کھولنے کی کنجی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ نیز انسان پر اپنے ان گنت احسانات میں سے یہاں صرف دو احسانوں کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔ ایک ہے انسان کی تخلیق، اور دوسرا ہے اپنی تخلیق کے شاہکار انسان کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کا بیان۔

قلم، جو علم کے فروغ کا مؤثر ترین وسیلہ ہے اس کو بھی فراموش نہیں کیا گیا بلکہ اس کی اہمیت اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا بھی ذکر کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اقراء باسم ربك الذی خلق ط خلق الانسان من علق ط
اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم ط علم الانسان
مالم یعلم ط

آپ پڑھیئے، اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے (سب کو) پیدا فرمایا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیئے آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ خود سوچیئے کہ جس کتابِ مقدس کا آغاز علم کی عظمت کے بیان سے کیا گیا ہو، اس کتاب پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کے دلوں میں حصولِ علم کا کتنا شوق ہو گا اور اس شوق کی تسکین کے لیے انھوں نے کتنی جانفشانی سے کام لیا ہو گا۔

قرآن کریم نے علم کی عظمت اور برتری کا نقش اپنے ماننے والوں کے لوحِ قلب پر ثبت کرنے کے لیے تخلیقِ آدم علیہ السلام کے واقعہ کو پہلے پارہ میں بڑی تفصیل سے بیان

Marfat.com

کیا ہے، جب زمین و آسمان کے خالق و مالک نے حضرت آدم کو اپنی خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا، ہم شب و روز تیری تسبیح و تقدیس اور حمد و شکر میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمیں یہ شرف مرحمت ہونا چاہیئے۔ وہاں یہ وجہ بیان کی گئی کہ آدم اس منصب کے لیے کیوں پسند کیا گیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ شیر سے زیادہ طاقت ور ہے، ہاتھی سے زیادہ گرانڈیل ہے، ہرن سے زیادہ تیز رفتار ہے، شاہین سے زیادہ تیز نگاہ ہے یا فرشتوں سے زیادہ عبادت گذار ہے۔ ان خوبیوں میں سے کوئی خوبی بھی اس پیکرِ خاکی کے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے لیے ذکر نہیں کی گئی، بلکہ علم کو وجہ شرفِ انسانی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم على الملائكة فقال انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتم صادقین ط

اور اللہ تعالیٰ نے سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام، پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا، بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے، اگر (اپنے خیال میں) سچے ہو۔

جب ملائکہ نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموٰت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ط (البقرة)

تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں، سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی، اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

Marfat.com

ان آیات میں قرآن کریم نے وضاحت سے بیان فرمایا کہ تمام مخلوق پر نیز نورانی ملائکہ پر حضرت آدم کی فضیلت و برتری کی وجہ ان کا خداداد علم ہے۔ جو شخص بھی اپنے پدرِ بزرگوار کی اس بزرگی اور عظمت کا وارث بننا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ علم کے حصول کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دے۔

اس علم سے مراد صرف چند مذہبی کتابوں کا علم ہی نہیں، بلکہ غور و فکر، تحقیق و تدقیق، اور پیہم تجربات سے مستور حقائق سے پردہ اٹھانے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور کائنات کی ان چھوٹی بڑی تمام چیزوں کو اللہ تعالے کی توحید کے لیے آیات بیّنات یعنی روشن دلائل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں افلا تعقلون، افلا تتذکرون، افلا تتفکرون کی تنبیہہ موجود نہ ہو۔ سورج کا طلوع و غروب چاند کے گھٹنے بڑھنے، گردش لیل و نہار، ہواؤں کے چلنے، بارش کے برسنے، پھولوں کے کھلنے، کلیوں کے مسکرانے، پہاڑوں کی بلندیوں اور سمندروں کی وسعتوں، سب میں بندۂ مؤمن کو غور و فکر کی بار بار شوق آفریں دعوت دی گئی ہے اور اس کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے تمہیں عرفانِ الٰہی نصیب ہو گا۔ اللہ تعالے کی صفاتِ جمال و کمال کے جلوے کا مشاہدہ کر کے اس کی بے پایاں قدرت، بے نظیر حکمت اور وسیع علم پر ایمان مستحکم ہو جائے گا۔ ان بے شمار آیات میں سے صرف ایک کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں ارشاد ہے:

وسنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔

یعنی اگر وہ غور و فکر سے کام لیں گے تو ہم زمین و آسمان کے آفاق میں کائنات

Marfat.com

کے جو مینا بازار سجے ہوتے ہیں اور خود ان کی اپنی ذات میں اسرار و معارف کے جو خزانے مخفی ہیں، ان میں قدرت، حکمت اور علم کے ایسے روشن دلائل دکھائیں گے جن سے یہ بات ان پر واضح ہو جاتے گی کہ یہی حق ہے۔

مسلمان، جس کی نجات کا دار و مدار معرفتِ الٰہی پر ہے۔ اس کے حصول کا راستہ جو قرآن کریم نے متعین فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ ہم کائنات کی ہر چیز کو اور ان میں رونما ہونے والے ہر تغیر کو دقتِ نگاہ سے دیکھیں اور اپنے نشترِ تحقیق سے ہر چیز کا دل چیریں، تو قوت و توانائی کے اُمڈتے ہوئے سمندر سے آشکار ہو جائیں گے۔ اس وقت ہمیں پتہ چلے گا کہ جس قادرِ مطلق نے ان چیزوں کو ان تاثرات اور خاصیات سے بہرہ مند کر کے پیدا فرمایا ہے۔ اس کی عظمت اور جلالت شان کا کیا حال ہے۔

ارشاداتِ ربانی کے علاوہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو حصولِ علم کی جس طرح ترغیب دی، اس نے مسلمانوں کے شوقِ علم کو اس قدر فزوں ترکر دیا کہ انھوں نے ایک قلیل عرصہ میں علوم و معارف کے دریا بہا دیئے۔ چند ایک ارشاداتِ نبوی آپ بھی سماعت فرمائیں:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔

جو شخص حصولِ علم کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ کر واپس آجاتے۔

رحمتِ عالم نے حصولِ علم کے لیے جد و جہد کو جہاد فی سبیل اللہ کا ہم پایہ بنا دیا۔ ان

Marfat.com

پاکیزہ کلمات سے مسلمانوں میں حصولِ علم کا جو پایاں ناپذیر شوق پیدا ہوا ہوگا۔ اس کا کیونکر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک اور جاں پرور ارشادِ نبوی پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول، من سلک طریقا یبتغی فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ وان الملٰئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما صنع. وان العالم یستغفر لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض حتی الحیتان فی الماء وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکوکب. و ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا و لادرھما انما ورثوا العلم. فمن اخذہ اخذ بحظ وافر

حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جو کسی راستہ پر اس لیے چلتا ہے کہ علم حاصل کرے۔ اللہ تعالےٰ جنت کے راستہ کو اس کے لیے آسان بنا دیتا ہے اور فرشتے طالبِ علم کے لیے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں تاکہ اس کے حسنِ عمل پر اپنی رضامندی کا اظہار کریں اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیز بھی ہے وہ عالم کی مغفرت کے لیے دست بدعا رہتی ہے یہاں تک پانی کی مچھلیاں بھی۔ عالم کو عابد پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی چاند کو ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، کیونکہ انبیاء دینار و درہم کو اپنے ورثہ میں نہیں چھوڑتے۔

Marfat.com

وہ علم کو اپنے ورثے میں چھوڑتے ہیں جس نے علم حاصل کیا، اس نے انبیاء کے ورثہ سے حظ وافر پایا۔

یہ اور اسی انداز کے دیگر شوق انگیز کلمات نبوی تھے، جن کے اعجاز نے جہالت و وحشت کی گود میں پرورش پانے والے اہلِ عرب کو علم کا دیوانہ بنا دیا اور وہ شمع علم پر پروانوں کی طرح قربان ہونے لگے۔ جن لوگوں کو صحابہ کرامؓ کی سیرت کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے وہ ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے جاتے تھے۔ علم کا یہی شوق انھوں نے اپنی آنے والی نسلوں کو بطور ورثہ دیا۔ ان سعادت مند آباء کے بیدار بخت اور بلند اقبال فرزندوں نے علم و معرفت کے میدان میں وہ بے مثال فتوحات حاصل کیں کہ آج دنیا کی کوئی قوم بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عہدِ صحابہ سے ہی شروع ہو گیا تھا، لیکن جیسے جیسے مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، علوم و فنون میں بھی ان کے کارنامے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خواہش پر ایک عیسائی عالم ابن آثال نے طب کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ عبدالملک کے میر منشی سالم نے ارسطو کے بعض رسائل کو عربی کا جامہ پہنایا۔ عباسی خلفائے نے تو علم و حکمت کی روشنی پھیلانے کے لیے حد کر دی۔ انھوں نے اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی اپنے خاص کارندے بھیجے۔ جن کے پاس اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں ہوا کرتی تھیں، جو جگہ جگہ سے مخطوطات کے قیمتی نوادرات لے کر بغداد پہنچتے۔ جہاں کہیں کسی اہلِ علم و دانش کا پتہ چلا، خلفاء اسے اپنے دربار کی زینت بنانے میں فخر محسوس کرتے۔ اس کو فکرِ معاش سے فارغ کر کے دیگر زبانوں کی علمی کتب کو عربی میں منتقل کرنے پر متعین کر دیتے۔

Marfat.com

عہدِ عباسی میں یونان کا سارا فلسفہ، جو کسمپرسی کے عالم میں بند کمروں، متروک لائبریریوں کی الماریوں میں پڑا ہوا تھا، اسے عربی میں منتقل ہی نہیں کیا گیا، بلکہ اس کی ایسی شروح لکھی گئیں، جن میں ان کتب کے مجمل مباحث کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ جہاں ابہام اور التباس تھا، اس کا ازالہ کیا گیا۔ جہاں ان کے راہوارِ فکر نے ٹھوکر کھائی تھی۔ اس کی نشاندہی بھی کی گئی اور کی اصلاح بھی کی گئی۔ مسلمان علما، حکما، سابقین کے اندھے مقلد نہ تھے بلکہ وہ ان کا مطالعہ کرتے اور ان میں غور و فکر کا حق ادا کرتے اور جہاں ضروری ہوتا وہاں تنقید کا فریضہ بھی بڑی جرأت اور دیانت داری سے انجام دیتے۔ بطلیموس، جو ایک مشہور اور ماہرِ علومِ فلکیہ ہوا ہے، اس کے مشاہدات پر مسلم علما نے بھرپور تنقید کی۔ انھوں نے نہایت عرق ریزی سے ستاروں کے مقامات کا تعین کیا۔ ان کی حرکت کی وضاحت کی، سورج اور چاند گرہن کیونکر وقوع پذیر ہوتا ہے، اس کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ اگر ان مسلم علما نے حکمتِ یونان کے احیا کے لیے شب و روز جگر سوزی سے کام نہ کیا ہوتا تو آج ارسطو اور افلاطون سے شاید کوئی آشنا ہی نہ ہوتا۔

اسلامی دنیا کے مغربی کونہ قرطبہ سے لے کر اس کے آخری مشرقی کنارہ تک ہزاروں ایسی درس گاہیں قائم تھیں جہاں ہر وقت طلبہ کی بھیڑ رہتی تھی۔

ول ڈیوران لکھتا ہے:

> جغرافیہ دانوں، مؤرخوں، منجموں، فقیہوں، محدثوں، طبیبوں اور حکیموں کے ہجوم سے سڑکوں پر چلنا دشوار تھا۔ (ایج آف فیتھ ص ۲۳۷)

جہاں بھی مسلمانوں کی چھوٹی سے چھوٹی آبادی ہوتی وہاں ایک مسجد کا ہونا ناگزیر ہوتا۔ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ درس گاہ بھی تھی دنیائے

Marfat.com

اسلام میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں چھوٹی بڑی جتنی مسجدیں تھیں، وہ مدارس کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں۔ جہاں محلے اور بستی کے بچے اور بچیاں تحصیل علم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ مساجد کے علاوہ ہر بڑے شہر میں بڑے بڑے دار العلوم اور جامعات تھے بغداد میں شہرۂ آفاق جامعہ نظامیہ کے علاوہ تیس دیگر بڑے بڑے کالج تھے جن میں ہزارہا طلبہ بیک وقت تعلیم پاتے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی حالات سعدی صفحہ نمبر ۶۷ میں لکھتے ہیں:

> دار العلوم نظامیہ پورا ایک شہر تھا۔ لاتعداد کمرے اور ایک وسیع ہال جس میں دس ہزار انسان سما سکتے تھے۔ یہاں قرآن حدیث، فقہ، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کی تدریس کا پورا انتظام تھا۔ ایک شعبہ اجنبی زبانوں کا تھا۔ جہاں یونانی عبرانی لاطینی، سنسکرت اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ ان علوم کے علاوہ تیر اندازی، تیغ بازی، گھڑ سواری کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔

خلیفہ عبد الرحمٰن سوم (۹۱۲ تا ۹۶۱ء) نے اندلس کے پایۂ تخت قرطبہ میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ اس میں صرف اندلس کے طلبہ ہی زیورِ علم سے آراستہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ یورپ کے دیگر ممالک نیز افریقہ اور ایشیا کے تشنگانِ علم بھی علم و حکمت کے اس سرچشمۂ شیریں سے سیراب ہونے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں موجود رہتے تھے۔ اس یونیورسٹی کی لائبریری بھی بڑی وسیع تھی۔ مختلف علوم و فنون پر چھ لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ ان کتابوں کی ایک مکمل فہرست تھی جو چوالیس جلدوں میں مرتب کی گئی تھی۔ اس کی مدد سے مطالعہ کرنے والوں کو جس کتاب کی ضرورت ہوتی وہ آسانی سے دستیاب ہو جاتی۔

Marfat.com

کلونی (فرانس) کا پیٹرا بیبٹ ۱۲۸۰ء لکھتا ہے:

میں نے قیامِ ہسپانیہ کے دوران میں دیکھا کہ فرانس جرمنی اور برطانیہ کے طلبہ جوق در جوق، عربوں کے علمی مراکز میں جمع ہو رہے ہیں۔

(تشکیلِ انسانیت ص۲۸۵ از رابرٹ بری فالٹ)

یہ علمی مراکز صرف قرطبہ تک محدود نہ تھے بلکہ اسپین کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں قائم تھیں۔ طلیطلہ کے مقام پر مسلمانوں نے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جہاں یورپ کے ہر ملک کے طلبہ آتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تین فاضل جن پر انگلستان کو ناز ہے طلیطلہ یونیورسٹی کے ہی فارغ التحصیل تھے۔

① رابرٹ (۱۰۴۰) اس نے قرآن کریم اور خوارزمی (۸۴۴) کے الجبرا کو لاطینی میں منتقل کیا۔

② مائیکل سکاٹ۔ یہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ اس نے سات سال طلیطلہ کے جامعہ میں طالب علم کی حیثیت سے گزارے۔ اس نے ارسطو، ابنِ رشد، نیز ہیئت اور اخلاق کی بعض عربی کتابوں کو لاطینی میں منتقل کیا۔

③ ایڈل ہارڈ۔ یہ بارہویں صدی کا برطانوی عالم ہے، جس نے عربی میں کمال حاصل کرنے کے لیے شام کا سفر کیا۔

سپین کے علاوہ عربوں نے فرانس کے ایک مشہور شہر ماؤنٹ پلیر اور اٹلی کے کئی شہروں میں درس گاہیں قائم کی تھیں، جن میں پڈوا اور پیسا دونوں شہر بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ یہاں بوعلی سینا اور ابوالقاسم بن عباس اندلسی کی کتابیں نصاب میں داخل تھیں۔ انھیں مدارس سے اٹلی کے دو مشہور سرجن فیلوپیس (۱۵۶۲ء) اور ویسالیوس، سرجری میں

Marfat.com

مہارت حاصل کر کے شہرت کے آسمان پر چمکے۔ شہرۂ آفاق منجم گلیلیو (۱۶۴۲ء) انھیں مسلم درس گاہوں کا فیض یافتہ تھا۔

بے شک قرآن کریم کی تعلیمات اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے مسلمانوں کے دلوں میں علم و حکمت کی بلند سے بلند چوٹیوں کو مسخر کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، اور وہ اپنی زندگی کو اسی مقصد کے لیے وقف کیے ہوئے تھے، لیکن اس کی اس بے نظیر ترقی میں یقیناً ان سلاطین و امراء کا بہت بڑا حصہ ہے، جنھوں نے علماء، فضلاء، حکماء اور فلاسفہ کی خدمت کے لیے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیتے تھے۔ وہ اپنی داد و دہش سے اہل علم و فضل کو یوں غنی اور بے نیاز کر دیتے تھے کہ فکر معاش ان کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوتی۔ ہارون الرشید کے طبیبِ خاص، جبرئیل بن بخت یشوع، جو بہت بڑا مصنّف بھی تھا اور ہارون الرشید کا طبیبِ خاص بھی، اس کی سالانہ آمدنی کا اندازہ لگائیے:

سرکاری مشاہرہ،	ایک لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ
جائیداد سے آمدنی	پندرہ لاکھ درہم سالانہ
عطیات	ایک لاکھ درہم سالانہ
یحییٰ بن خالد وزیر کی طرف سے	چھ لاکھ درہم سالانہ
جعفر بن یحییٰ کی طرف سے	بارہ لاکھ درہم سالانہ
فضل بن یحییٰ کی طرف سے	چھ لاکھ درہم سالانہ
اور دیگر امراء کی طرف سے	دو لاکھ درہم سالانہ
میزان:	تینتالیس لاکھ بیس ہزار درہم سالانہ

روم میں "لیو" نامی ایک مشہور فلسفی تھا۔ مامون الرشید نے قیصرِ روم کو لکھا کہ اگر

Marfat.com

وہ (لیو) کو دربارِ خلافت میں بھیج دے تو وہ اس کے عوض چالیس من سونا قیصرِ روم کو ادا کرے گا، نیز دائمی صلح کا وعدہ بھی کیا۔ مامون نے تالیف و تصنیف اور ترجمہ کے لیے جو دار الحکمت قائم کیا تھا، مقررہ تنخواہ کے علاوہ جو عالم کوئی تصنیف پیش کرتا، اس کو سونے میں تولا جاتا اور سونا مصنف کو دیا جاتا۔

مامون کے سامنے ایک شاعر محمد بن وہیب نے ایک قصیدہ پڑھا۔ مامون نے ہر شعر کے عوض اسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔

علماء فضلا پر انعام و اکرام اور داد و دہش کی داستان بڑی طویل ہے اور بسا اوقات اسراف کا گمان بھی ہونے لگتا ہے، لیکن جود و کرم کی اس بارش نے علم و حکمت کے ان سدا بہار گلستانوں کو رنگت و نکہت سے بھر دیا، اور آج تک ان کی مہک سے مشامِ جاں معطّر ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کو علم حاصل کرنے اور اس کی ترویج و اشاعت سے جو بے پناہ شغف تھا، اس کا اندازہ اِن کتب خانوں کے حالات پڑھ کر بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے، جو انھوں نے مختلف مقامات پر قائم کیے تھے۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ کاغذ کے کارخانے، لاکھوں ٹن کاغذ بنانے کے لیے مصروفِ عمل نہ تھے، بلکہ کاغذ بہت نایاب تھا، نیز پریس بھی ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا کہ وہ برقی قوت سے گھنٹوں میں ہزاروں صفحات کو طبع کر دے۔ ساری کتابیں ہاتھوں سے لکھی جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں اتنے بڑے بڑے کتب خانوں کا معرضِ وجود میں آ جانا ایک معجزہ تھا۔ اور یہ معجزہ اس عشق سے رونما ہوا جو مسلمانوں کو علم و حکمت سے تھا۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قرطبہ یونیورسٹی کا کتب خانہ چھ لاکھ علمی نوادرات پر مشتمل تھا، جس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔

Marfat.com

اس کے علاوہ ستر اور لائبریریاں بھی اس ایک شہر میں موجود تھیں۔ ہر مسجد اور مکتب کے لیے اس کی حیثیت کے مطابق ایک لائبریری کا ہونا ضروری تھا۔ سلاطین، خلفاء، وزراء اور امراء اپنی لائبریریوں کو وسیع، خوب صورت اور منظم بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ جرمنی کی ایک مشہور مستشرقہ ڈاکٹر زلیغرد ہونکا (SIGRID HUNKE) نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ بیروت میں "شمس العرب تسطع علی الغرب" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں اس نے یہ تاریخ بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھی ہے کہ عربی تہذیب نے یورپ کو کس حد تک متاثر کیا، اس میں عربوں کے قائم کیے ہوئے کتب خانوں کے بارے میں وہ رقمطراز ہے:

۸۹۱ء میں بغداد میں ایک سو سے زیادہ بڑے بڑے کتب خانے تھے اور ہر شہر میں ایک لائبریری قائم کی جاتی تھی جس میں سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ کتابیں مطالعہ کے لیے لے جا سکتا۔ لائبریری کی عمارت سے ملحق کئی ہال ہوتے تھے۔ جہاں لوگ بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتے، ساتھ ہی مصنفین اور مترجمین کے لیے الگ الگ کمرے ہوتے جن میں بیٹھ کر وہ بڑے سکون کے ساتھ تالیف و تصنیف کا شوق پورا کرتے اور اہم موضوعات پر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال بھی کرتے۔ موصوفہ لکھتی ہے کہ ہر ہسپتال کے ساتھ بھی ایک لائبریری ہوتی جہاں طب کے موضوعات پر اہم کتابیں بڑے قرینے سے رکھی ہوتیں جن سے علم طب کے طلبہ اور ان کے اساتذہ یکساں طور پر مستفیض ہوتے۔

نصیر الدین طوسی نے مراغہ میں جو رصدگاہ بنائی تھی اس میں اس نے چار لاکھ مخطوطات جمع کیے تھے۔ بخارا کا سلطان محمد المنصور بیمار ہوا۔ ابن سینا جس کی عمر ابھی اٹھارہ سال تھی،

Marfat.com

اس نے سلطان کا علاج کیا، وہ صحت یاب ہوا۔ اس نے ابن سینا کو اس خدمت کا معاوضہ دینے کی یہ صورت نکالی کہ اسے اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کی اجازت دے دی۔ اس کے محل کا اکثر حصہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا، جہاں ہر موضوع کی کتابیں الگ الگ رکھی ہوتی تھیں۔ ابن سینا نے کئی برس اس کتب خانہ میں بسر کئے۔ اس کی رائے یہ ہے:

هناك رايت كتبا لم يسمع اغلب الناس حتى باسمائها

میں نے وہاں ایسی ایسی کتابیں دیکھیں، جن کے نام بھی اکثر لوگوں نے شاید نہ سنے ہوں۔

قاہرہ میں خلیفہ عزیز باللہ نے جو کتب خانہ قائم کیا تھا، اس میں کتابوں کی تعداد سولہ لاکھ تھی، جس میں فن ریاضی کی چھ ہزار پانچ سو، فلسفہ کی اٹھارہ ہزار کتب تھیں۔ اس کا بیٹا جب مسند حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ایک اور عظیم الشان کتب خانہ تعمیر کرایا جس مں مطالعہ کرنے والوں کے لیے اٹھارہ ہال تھے، جہاں لوگ اطمینان اور سکون سے بیٹھ کر اپنی پسندیدہ کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ شاید انہی مکاتیب کو دیکھ کر "واں اوریاک" نے جو ۹۹۹ء میں سیلفسترس ثانی، کے نام سے روما کا پوپ مقرر ہوا، بڑے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا:

یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے روم میں کوئی شخص اتنی صلاحیت کا مالک بھی نہیں کہ وہ اس عظیم لائبریری کے دروازہ پر دربان کے فرائض انجام دے سکے۔

اسی جرمن مستشرقہ کا بیان ہے:

وزیر مہلبی جو ۹۲۳ء میں فوت ہوا اس کی لائبریری میں ایک لاکھ ستر ہزار کتب تھیں، اور اس کے نوجوان دوست ابن عباد نے اپنے کتبخانہ میں دو لاکھ چھ ہزار

Marfat.com

کتابیں فراہم کی تھیں۔

ابن ندیم متوفی ۹۹۵ء ایک کتب فروش تھا، لیکن اس نے اپنے زمانہ تک عربی میں جو کتب لکھی گئی تھیں ان کی فہرست مرتب کی جو دس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ مسلمانوں کی علمی ترقی کے یہ حیرت افزا احوال اس زمانہ کی بات ہے جب کہ یورپ کو عیسائیت قبول کئے ہوئے ایک ہزار سال گزر چکا تھا۔ اور ابھی تک وہ اوہام و خرافات کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کے کتب خانے لاکھوں کتب سے مزین و آراستہ تھے اور فن میں انھوں نے تحقیق و تدقیق کے علم گاڑ دیئے تھے اور ہمیشہ زندہ رہنے والی کتابوں سے انسانیت کے دامن کو مالا مال کر دیا تھا۔ اس عرصہ میں یورپ میں تالیف و تصنیف کی رفتار کو دیکھ کر آپ یقیناً چونک جائیں گے اور انھوں نے اس ایک ہزار سالہ دور میں علم کی منزل کی طرف جو پیش رفت کی تھی اس سے آپ کو آگاہی حاصل ہو گی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

بارھویں صدی عیسوی تک عیسائی یورپ میں کتابیں لکھنے کی رفتار یہ تھی:

ملک	زمانہ	تعداد مصنفین	تعداد کتب
روما شرقی غربی	۱۳۸۰ء تا ۱۵۵۵ء	تقریباً بیس	زیادہ سے زیادہ پچاس
جرمنی	تا ۱۳۵۰ء	تقریباً پچاس	زیادہ سے زیادہ ایک سو
فرانس	تا ۱۰۵۰ء	تقریباً دس	زیادہ سے زیادہ پندرہ
برطانیہ	تا ۱۱۶۰ء	پندرہ	زیادہ سے زیادہ پچیس
میزان		پچانوے	ایک سو نوے

Marfat.com

گویا سارے یورپ کے اہلِ قلم نے اندازاً ہزار برس میں دو سو کتابیں لکھیں۔ خود ہی اندازہ لگائیے کہ جب عالمِ اسلام کے در و دیوار علم و حکمت کی روشنی میں جگمگا رہے تھے، تو یورپ جہالت و وحشت کی پستیوں میں گرا پڑا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ انھیں علم سے کوئی رغبت نہ تھی بلکہ علم سے انھیں جو عداوت تھی اس کی کارستانیاں پڑھ کر کلیجہ شق ہونے لگتا ہے۔ جہاں بھی انھیں علم و حکمت کی کوئی شمع روشن نظر آئی، انھوں نے اسے بجھا کر دم لیا اور جس نے اس شمع کو فروزاں کیا تھا، اس کو عبرت ناک سزائیں دیں۔

عیسائیت قبول کرنے کے بعد عرصہ دراز تک یورپ، روم کے پوپ کے زیرِ اثر رہا، اور پاپائی نظام میں صرف دینی کتب کے مطالعہ کو ہی علم کی آخری سرحد یقین کیا جاتا رہا۔ اس المناک حقیقت کی طرف سامعین کی توجہ مبذول کرانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ انھوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف و تبدل کی جو مہم صدیوں جاری رکھی اس نے ان کا سراپا مسخ کر کے رکھ دیا اور وہ انہی مسخ شدہ کتب کو علم و دانش کی آخری سرحد یقین کرتے تھے ان سے ہٹ کر اگر کوئی پیہم غور و تدبر سے اور تحقیق و تجربہ سے کسی اور حقیقت کو آشکارا کرتا تو نہ صرف یہ کہ اس کو برا بھلا کہا جاتا بلکہ اس کو المناک سزا دی جاتی۔ "ڈریپر" نے اپنی مشہور کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" میں چند ایسے روح فرسا واقعات نقل کئے ہیں، جنھیں سن کر آپ یورپ کی ذہنی پسماندگی کا ماتم کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ چند واقعات آپ بھی سماعت فرمائیں۔

(۱) یونان کی ایک لڑکی جس کا نام "ہائے پیشیہ" تھا، ۴۱۴ء میں تحصیلِ علم کے لیے اسکندریہ آئی۔ سالہا سال تک وہ حصولِ علم میں مشغول رہی۔ یہاں تک کہ وہ فلسفہ میں استاد مانی جانے لگی۔ اسے افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ ریاضی و ہندسہ کے

Marfat.com

فنون میں بڑی مہارت حاصل تھی اسکندریہ کے بشپ سائرل نے اس لڑکی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ ایک روز جب وہ فرائض تدریس انجام دینے کے لیے اپنی درس گاہ کی طرف جا رہی تھی۔ سائرل کے بھیجے ہوئے چند سنگدل راہبوں نے اسے پکڑ لیا پہلے ننگا کر کے اسے بازار میں گھسیٹا۔ پھر اسے گرجے میں لے گئے۔ وہاں تیز سیپیوں سے اس کی کھال کھرچی۔ پتھر سے اس کا سر توڑا۔ لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور اسے آگ میں پھینک دیا۔

(۲) گلیلیو (۱۶۴۲ء) فلارنس، اٹلی کا وہ مشہور ہیئت دان ہے، جس نے دُوربین ایجاد کی تھی جب اس نے کارپرنیکی کے نظامِ شمسی کے نظریہ کی تائید کی تو پوپ نے اسے گرفتار کر کے مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا۔ عدالت نے اسے جیل میں پھینک دیا، جہاں وہ دس سال تک انتہائی دکھ اٹھانے کے بعد ۱۶۴۲ء میں فوت ہو گیا۔

(۳) اٹلی کے مشہور فلسفی برونو کو مذہبی عدالت نے ۱۶۰۰ء میں زندہ جلا دیا۔

میں اس داستانِ الم کو طول دے کر آپ کے قلوب و اذہان کو مزید چرکے نہیں دینا چاہتا، لیکن ایک بات اگرچہ وہ اس سے بھی زیادہ المناک ہے، عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا:

یورپ نے اپنے علماء کے ساتھ جو بہیمانہ برتاؤ کیا، وہ بھی انسانیت پر بہت بڑا ظلم تھا، لیکن علم و حکمت کے جو نوادرات مسلمان علماء فضلاء نے اپنی عمر بھر کی شب بیداریوں اور خونِ جگر کی آمیزش سے مرتب کئے تھے، جہاں بھی ان لوگوں کا بس چلا انھوں نے ان کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا سپین میں مسلمانوں کے چار بڑے بڑے ثقافتی مرکز تھے۔ قرطبہ غرناطہ

Marfat.com

اشبیلیہ اور طلیطلہ۔ ہر مرکز میں جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے عظیم الشان کتب خانے قائم تھے جب "فرڈی نن" نے مسلم حکومت کا وہاں خاتمہ کر دیا تو ان علم و حکمت کے گراں بہا مجموعوں کو پادریوں نے نذرِ آتش کر دیا۔ صرف طلیطلہ میں مسلمانوں کی اسّی ہزار کتب سپرد آتش کر دی گئیں۔ (تشکیلِ انسانیت صہ ۲۵۰)

طرابلس میں اس دور کی عظیم ترین لائبریری تھی جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ بتائی جاتی ہے صلیبی جنگوں کے دوران میں ایک مرتبہ صلیب کے علمبرداروں کا لشکر اس شہر میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا، تو انھوں نے کتب خانہ کو آگ لگا دی۔ تمام کتب جلا ڈالیں اور مسلمانوں کی چھ سو سالہ محنت کو تباہ کر دیا۔

مسلمانوں کے یہ علمی نوادرات، یورپ کے متعصب بادشاہوں، تنگدل پادریوں اور سنگدل راہبوں نے جلا کر راکھ کر دیتے۔ اگر کوئی کسر باقی رہ گئی تو وہ تیرھویں صدی میں تاتاریوں نے پوری کر دی۔ انھوں نے بغداد، کوفہ، بصرہ، حلب، دمشق، نیشاپور، خراسان، خوارزم اور شیراز کی سینکڑوں لائبریریاں جن میں مجموعی کتب کی تعداد تین کروڑ سے زیادہ تھی، بھسم کر ڈالیں بے شمار علماء کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

وہ امت جس کا پہلا سبق "اقراء" تھا، اس نے علم کے حصول اور اس کے فروغ اور اشاعت کے سلسلہ میں جو فیاضانہ اور مربیانہ طریقہ کار صدیوں اپنائے رکھا اور ہر جگہ علم و حکمت کے انوار سے اجالا کر دیا۔ ہزاروں یونیورسٹیاں، لاکھوں دار العلوم اور ان گنت مدرسے اپنی سلطنت کے تمام گوشوں میں قائم کئے اور علماء اور حکماء کی ہمت افزائی کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتے، یہ نتیجہ تھا اس ربانی سبق کا جو کائنات کے ہادی و مرشد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کے خالق و پروردگار نے سب سے پہلے پڑھایا تھا۔

Marfat.com

ہم جن اسلاف کرام کے وارث ہیں، ان کے کارنامے آپ نے ملاحظہ فرماتے ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم موجودہ جمود کو توڑیں اور حکمت و دانش کی دنیا میں جو غلط نظریات کے اندھیرے دن بدن پھیلتے جا رہے ہیں، ان کا قلع قمع کر کے صحیح علم کی شمعیں فروزاں کریں، اور عالمِ انسانیت کی اس شبِ دیجور کو اپنی مسلسل محنت اور پیہم جد و جہد سے سحر آشنا بنا دیں۔

Marfat.com

Marfat.com

احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ کا طریقہ

Marfat.com

Marfat.com

آپ کا مکتوب ملا۔ غیر مقلدوں کے سارے اعتراضات علمی لحاظ سے بالکل مہمل اور تحقیقی لحاظ سے بالکل کھوکھلے ہیں۔ صرف غوغہ آرائی ہے جو ان کی انانیت اور ہٹ دھرمی کی آئینہ دار ہے۔ ان کے اعتراضات کے جوابات دینے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ کو پوری وضاحت سے یہ عرض کیا جائے کہ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ کیونکر پڑھی جاتی ہے۔ ان میں کون کونسی چیزیں فرض ہیں اور کیا کیا مسنون اور مستحب ہیں۔ اپنے مسلک کو صحیح طور پر سمجھ لینے سے بفضلہٖ تعالیٰ بیشتر خدشات خود بخود دُور ہو جائیں گے۔

طریقہ نمازِ جنازہ عندالاحناف

ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ کے دو فرائض ہیں۔ تکبیرات اور قیام۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا سبحانک اللھم ...... الخ

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لیے دعائے مغفرت پڑھی جاتی ہے۔ درحقیقت نمازِ جنازہ میت کے لیے دعائے مغفرت ہے اور دعا مانگنے

Marfat.com

کے یہی آداب ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی جائے۔ اس کے بعد اس کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے۔ اس کے بعد دعا مانگی جاتے۔ دعا کے یہ آداب احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں۔

احادیث میں ثنا کے لیے متعدد کلمات درج ہیں، ان میں سے کوئی ثنا پڑھ لی جائے تو وہ جائز ہے۔ درود شریف پڑھنے کے لیے بھی احادیثِ پاک میں متعدد صیغے مذکور ہیں، ان میں سے کوئی ایک درود پڑھا جا سکتا ہے میت کی دعائے مغفرت کے لیے بھی احادیثِ مبارکہ میں مختلف دعائیں مذکور ہیں، ان میں سے کوئی دعا بھی اگر پڑھ لی جائے تو نمازِ جنازہ درست ہو جائے گی۔

نمازِ جنازہ کی یہ وہ تفصیل ہے جو فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ چیزیں ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آپ دریافت کر سکتے ہیں کہ جب اتنی رخصت ہے تو پھر ہمیں کیوں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم پہلی تکبیر کے بعد سبحانك اللھم..... الخ پڑھیں، دوسری تکبیر کے بعد التحیات والا مخصوص درود پڑھیں اور تیسری تکبیر کے بعد یہ مخصوص دُعا اللھم اغفر لحیینا..... الخ مانگیں۔

اس لیے گذارش ہے کہ اس کی کئی حکمتیں ہیں، ایک حکمت تو یہ ہے کہ سب لوگ اتنی قابلیت اور استعداد کے مالک نہیں ہوتے کہ ثنا، کی ساری عبارتیں درود شریف کے مختلف صیغے اور احادیثِ طیبہ میں میّت کے لیے جو مختلف دعائیں مذکور ہیں وہ سب ان کو ازبر ہوں اور حسبِ موقع وہ ان کو پڑھ لیا کریں، اس لیے علماء احناف نے لوگوں کی آسانی کے لیے ایک جامع ثناء، ایک جامع درود پاک اور ایک جامع دعا احادیث سے منتخب کر کے مقرر کر دی تا کہ ہر شخص اسے آسانی سے یاد کر لے، اور

Marfat.com

نمازِ جنازہ میں ان کی قرأت کر سکے۔ اگر کوئی شخص اس ثنا، اس درود اور اس دعا کے بجائے جو ہم پڑھتے ہیں، کوئی اور ماثور ثنا، درود اور دعا پڑھتا ہے، تو احناف کے نزدیک اس کی نمازِ جنازہ درست ہوگی۔

اس تعین کی دوسری حکمت یہ ہے کہ عوام الناس مسائل کی ان باریکیوں سے واقف نہیں ہوتے اگر الگ الگ دُعائیں وہ پڑھیں گے، تو ناواقفی کی وجہ سے ان میں اختلاف و نزاع پیدا ہوگا اور باہمی سر پھٹول کی نوبت آئے گی جس کا مشاہدہ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں اور وہ مُلا جن کا دین فی سبیل اللہ فساد برپا کرنا ہے، وہ امت میں انتشار کی تخم ریزی کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔

آپ کو شاید علم ہوگا کہ عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کریم سات مشہور لغات کے مطابق پڑھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام تمام عرب تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لیے ان مختلف قرأتوں کی تلاوت سے انھیں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی لیکن اسلام جب جزیرۂ عرب سے نکل کر دیارِ عجم میں پہنچا اور ایسے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی، اس وقت قرأتوں کے اس اختلاف نے بڑی سنگین صورت اختیار کرلی اور آپس میں جنگ وجدل بلکہ تکفیر کی نوبت آپہنچی۔ اس کے بعد اس کے سدباب کے لیے عہدِ عثمانی میں قریش کی لغت کو اختیار کیا گیا، اور باقی لغات کے مطابق قرآنِ کریم کی کتابت اور قرأت ممنوع قرار دے دی گئی۔ اس طرح امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے بارے میں اختلاف کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

اسی طرح نمازِ جنازہ کی تکبیروں کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا معمول مختلف تھا۔

Marfat.com

کوئی چار تکبیریں پڑھتے اور کوئی اس سے زائد۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب یہ اختلاف دیکھا تو صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہو۔ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو آئندہ ہونے والی نسلیں ایسے انتشار کا شکار ہوں گی کہ اس خلیج کو پاٹنا پھر ممکن نہیں رہے گا، اس لیے ایسا کرو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو آخری نماز پڑھی، اس پر سب متفق ہو جاؤ اور اسی کی پابندی کرو۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی اس رائے کو بہت پسند کیا اور تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ سب سے آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی اور اس میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ اگرچہ اس سے پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے چار سے زائد تکبیریں بھی مروی ہیں جیسا کہ احادیث میں موجود ہے لیکن سب سے آخری سنت کو معمول بنا لیا گیا تاکہ امت میں انتشار و افتراق کا دروازہ کھلنے نہ پائے، اور یہ معترضین بھی چار تکبیریں کہتے ہیں، اگرچہ احادیث میں زائد تکبیرات کا ذکر بھی موجود ہے۔

اسی اسوہ فاروقیؓ کا اتباع کرتے ہوئے ہمارے علماء نے ایک خاص ثنا، ایک خاص درود اور ایک خاص دعا مقرر کر دی، جو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ آسان بھی ہے، اور معمولی کوشش سے ہر آدمی اس کو یاد کر سکتا ہے۔ ہم ان معترضین سے پوچھتے ہیں، کہ کیا ان کے فرقہ کے لوگ ان تمام ثناؤں اور تمام دعاؤں کو نمازِ جنازہ میں پڑھتے ہیں۔ اگر انھوں نے بھی کسی درود اور دعا کا تعین کر لیا ہے تو پھر احناف پر ان کا یہ اعتراض کس قدر مہمل اور بے سروپا ہے۔ فافہم وتدبر ؎

آپ کی مزید تسلی کے لیے اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو ثنا اور جو درود ہم پڑھتے ہیں، اس کا ماخذ کیا ہے۔

Marfat.com

(۱) ثنا

ہمارے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سبحانک اللھم کی ثنا بالعموم پڑھی جاتی ہے جس طرح میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس کے بجائے اگر کوئی اور ماثورہ ثنا پڑھی جائے تب بھی نماز درست ہوگی، لیکن ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ میں قرآنِ کریم کی کسی سورہ کی قرآت فرض نہیں، ہاں ۔ اگر کوئی شخص ثنا کی نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔ البتہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سوہ فاتحہ کی قرآت فرض ہے اور اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔ اور غیر مقلد صاحبان اگرچہ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ تقلید حرام ہے لیکن اس مسئلہ میں وہ بھی امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہیں اور قرآۃ فاتحہ کو فرض قرار دیتے ہیں اور اس کی فرضیت کے لیے ان کے پاس وہی دلائل ہیں جو شوافع نے اپنے مسلک کی تائید کے لیے پیش کیے ہیں ۔ آئیے! آپ بھی ان دلائل کو دیکھیے اور پرکھیے، اور خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ ان دلائل کی کیا حیثیت ہے ؟

امام شافعیؒ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں :

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرء علی الجنازة بفاتحة الکتاب ۔

یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھی۔

یہ حدیث امام ترمذی نے کتاب الجنائز کے انتالیسویں باب میں ذکر کی ہے لیکن ۔

Marfat.com

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد خود ہی فرماتے ہیں:

حدیث بن عباس حدیث لیس اسنادہ بذالك القوی ابراھیم بن عثمان ھو ابوشبیہ الواسطی منکر الحدیث۔

یعنی حضرت ابن عباس سے اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ اس کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے جو ابوشیبہ الواسطی کے نام سے مشہور ہے، یہ شخص منکر الحدیث ہے۔

دوسری حدیث جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

قال الشافعی اخبرنا ابراھیم بن محمد عن عبد اللہ بن محمدؓ بن عقیل عن جابرؓ بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبر علی المیت اربعا وقرء بام القران بعد التکبیرۃ الاولیٰ۔

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے میت پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال شیخنا (زین الدین) واسنادہ ضعیف۔

یعنی میرے استاد نے فرمایا کہ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

جب فقیر نے اس کے راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے اسماء الرجال کی کتب کی طرف رجوع کیا، تو حقیقتِ حال واضح ہو گئی۔ اگرچہ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابراہیم مذکور کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں لیکن میں صرف چند اقوال کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

Marfat.com

قال یحییٰ بن سعید قطان سألت مالکا عنه، اکان ثقة قال لا، ولا ثقة فی دینه۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے اس کے متعلق پوچھا، کیا یہ ثقہ تھا؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اور اپنے دین میں بھی ثقہ نہیں ہے۔

حضرت امام احمد کے فرزند عبداللہ سے امامِ مذکور نقل کرتے ہیں:

کان قدریا معتزلیا جهمیا کل بلاء فیه۔

یہ بدعقیدہ تھا، قدری، معتزلی جہمی۔ نظریاتِ فاسدہ کا حامل تھا۔ اس میں ہر طرح کا عیب موجود تھا۔

وقال البخاری جهمیا۔ ترکه ابن المبارک والناس۔

امام بخاری فرماتے ہیں: یہ جہمی عقیدے کا تھا عبداللہ بن مبارک اور لوگوں نے اس سے روایت ترک کر دی۔

علامہ ابن حجر، جو خود شافعی ہیں، لکھتے ہیں کہ لوگ اس بات پر حیران تھے کہ امام شافعی ایسے شخص کی روایت کو نقل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ علامہ ابن حجر بتاتے ہیں کہ ابتدائی دور میں امام شافعی ابراہیم کے پاس بیٹھا کرتے۔ جب آپ مصر تشریف لے گئے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا، تو آپ کی کتابیں آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ اس لیے مجبوراً اپنی یادداشت کا سہارا لیا، اور بسا اوقات ابراہیم کے نام کی جگہ اس کی کنیت ذکر کر دی۔

(جلد اول ص۱۵۸ تا ۱۶۰)

یہ وہ دو مرفوع حدیثیں ہیں، جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی۔ ان کی سند کا حال آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ ان کے علاوہ

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے جو سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس میں یہ مذکور نہیں کہ حضورؐ نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ بلکہ ان کا اپنا تعامل بیان کیا گیا ہے لیکن ان کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف کا ارشاد ہے:

لیس فیھا قراۃ شیئ من القرآن

نمازِ جنازہ میں قرأتِ قرآن فرض نہیں ہے۔

اور جن روایات میں قرأتِ فاتحہ کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے فاتحہ بطور ثنا پڑھی۔ اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ نیز بڑی واضح بات یہ ہے کہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

وقال ابن بطال من کان لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ وینکی عمر بن الخطاب وعلی ابن ابی طالب وابن عمر وابو ھریرۃ۔

یعنی صحابہ کرام میں سے جو لوگ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور پڑھنے والوں کو منع کرتے تھے، ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

اور تابعین میں سے جو اس مسلک پر کاربند تھے عطا، طاؤس، سعید بن مسیّب، ابن سیرین، سعید بن جبیر، شعبی اور حاکم کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۷، صفحہ ۱۳۹، کتاب الجنائز باب قرأۃ فاتحہ)

Marfat.com

آپ خود فرمایئے کہ کیا آپ کا ذہن اس بات کو قبول کرتا ہے کہ سورہ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھنا فرض ہو اور حضرت فاروق اعظم، حضرت علی وغیرہما جیسی القدر ہستیوں کو اس کا علم نہ ہو۔ کیا ان حضرات نے جن لوگوں کی نماز جنازہ بغیر فاتحہ کے پڑھائی وہ نماز جنازہ ترکِ فرض کے باعث کیسے صحیح تصور ہو سکتی ہے، اس لیے ان حضرات کا اس بات پر اصرار بداہتِ عقل کے خلاف ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ حدیث پاک میں ہے:

لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔

(سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہے)

بے شک یہ حدیث صحیح ہے اس حدیث میں "صلوٰۃ" سے جو نماز مراد ہے وہ حقیقی نماز ہے۔ آپ خود ہی فرمایئے کہ جس نماز میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ اسے حقیقتاً نماز کہنا کہاں تک درست ہے۔ کیا اس لیے کہ نماز جنازہ کے لیے وضو اور رو بقبلہ ہونا شرط ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے۔ تو پھر سجدہ تلاوت کو بھی نماز کہنا چاہیئے کیونکہ طہارت اور قبلہ رو ہونا اس میں بھی شرط ہے۔

اس تفصیل سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت فرض نہیں، اور اگر بطورِ حمد و ثنا، کوئی پڑھے تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

اب مجھے عرض کرنا ہے کہ جو ثنا ہم پڑھتے ہیں وہ کہاں سے ماخوذ ہے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی جلد اول صفحہ ۴۰۴ پر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے یہ ثنا، مذکور ہے۔ البتہ اس میں جل ثناؤک کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری ثنائیں بھی وہاں مذکور ہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ اس ثنا میں جل ثناؤک کے الفاظ احادیث مشہورہ میں مذکور نہیں ہیں لیکن

Marfat.com

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جلّ ثناؤك کے الفاظ کسی حدیث میں بھی مذکور نہیں، علامہ ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں،

وان كان روى فى الجملة عن بن عباس فى حديث طويل من قوله ذكرا بن ابى شيبة وابن مردويه فى كتاب الدعاء له ورواهُ الحافظ ابو شجاع فى كتاب الفردوس عن بن مسعود ان من احب الكلام الى الله عزوجل ان يقول العبد سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك وجل ثناءُك ولا اله غيرك . وابغض الكلام الى الله تعالىٰ ان يقول الرجل للرجل "اتق الله فيقول عليك نفسك .

یعنی حضرت بن مسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین کلام یہ ہے کہ بندہ کہے، سبحانك اللهم ... الخ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے، خدا سے ڈرو، تو وہ جواب دے علیك نفسك تو اپنا خیال کر۔ (فتح القدیر جلد اول صہ ۲۰۳)

اس روایت میں جل ثناؤك کے الفاظ موجود ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترین کلام ہے، ہم نماز جنازہ کا استفتاح اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و تعریف سے کرتے ہیں جو اس جناب میں بڑی پسندیدہ ہے۔ نامعلوم، یہ کون سا ناقابلِ عفو جرم ہے جس کے خلاف یہ غوغہ آرائی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

۲ درود شریف

سنت یہ ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک پڑھا جائے، اور جو درود شریف التحیات میں پڑھا جاتا ہے، اس کا پڑھنا اولیٰ یعنی بہتر ہے۔ چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

ویصلی بعد التکبیرۃ الثانیۃ کما یصلی فی التشہد و هو اولی۔ (فتح القدیر جلد اول ص ۴۵۹)

یعنی دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھیں جیسے تشہد میں پڑھتے ہیں۔ یہ تشہد والا درود شریف اولیٰ اور بہتر ہے۔

علامہ ابن قدامہ جو حنبلی فقہ کے مایۂ ناز عالم ہیں، اپنی کتاب المغنی میں لکھتے ہیں:

و یکبر الثانیۃ ویصلی علی النبی کما یصلی فی التشہد وان اتی بها علی غیر ما ذکر فی التشہد فلا باس ان القصد مطلق الصلوٰۃ۔ (المغنی جلد دوم ص ۴۸۷)

یعنی دوسری تکبیر تشہد والا درود شریف پڑھے اگر اس نے اس کے علاوہ کوئی اور درود شریف پڑھا، پھر بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ مطلق درود شریف پڑھنا مقصود ہے۔

اس کے علاوہ علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ یہ درود شریف بھی پڑھا جا سکتا ہے:

اللهم صل علی ملائکتک المقربین وانبیائک المرسلین واهل طاعتک اجمعین من اهل السموٰت و اهل الارضین انک علی کل شیء قدیر۔

Marfat.com

اے اللہ! درود بھیج اپنے فرشتوں پر، اپنے بھیجے ہوئے انبیاء پر اور زمین و آسمان کے ساکنین میں سے جملہ اہل طاعت پر، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد کوئی سا بھی درود شریف پڑھا جائے، نماز درست ہو گی، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ التحیات والا درود شریف پڑھا جائے اب دیکھنا یہ ہے کہ التحیات والا درود کون سا ہے؟ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائی ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس درود شریف کے الفاظ بھی ایک جیسے نہیں ایک حدیث میں تو وہ الفاظ ہیں جو عام طور پر التحیات میں پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری کی اس حدیث کو ملاحظہ فرمایئے:

اخبرنی ابوحمید الساعدی قال یارسول اللہ کیف نصلی علیک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولوا اللھم صل علی محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علی محمد وازواجہ وذریتہ کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید۔

حضرت ابوحمید الساعدی نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم حضور پر کس طرح درود شریف پڑھیں، تو ارشاد فرمایا کہ یوں پڑھو: اللھم صل علی محمد وازواجہ وذریتہ..... الخ

اس درود پاک کے الفاظ میں اور عام درود شریف کے الفاظ میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح ہے، سب الفاظ حضور کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں، سب بجا ہیں، سب حق ہیں، سب نور ہیں، ان میں سے جس پر بھی عمل کیا جائے

Marfat.com

درست ہے کسی ایک پر عمل کرنا اور دوسروں کو بدعت، ناجائز یا نامکمل کہنا کسی جاہل کا شیوہ تو ہو سکتا ہے لیکن ایک عالم اور محقق کو یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

اس کے علاوہ احادیثِ صحیحہ میں درودِ پاک کے اور بھی صیغے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث بھی سماعت فرمائیے:

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذا صلّیتم علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم فاحسنوا الصلاۃ علیہ فانکم لاتدرون لعل ذالک یعرض علیہ فقالوا لہ علمنا قال قولوا: اللھم اجعل صلوٰتک و رحمتک و برکاتک علیٰ سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبین محمد عبدک و رسولک و امام الخیر و رسول الرحمۃ۔ اللھم ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ بہ الاولون و الاخرون۔ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔ (ابن ماجہ شریف ص ۶۵)

یعنی حضرت ابن مسعود نے لوگوں کو کہا کہ جب نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھو، بڑے خوبصورت انداز سے پڑھا کرو۔ تم اس حقیقت کو نہیں جانتے تمہارا درود بارگاہ رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔ حاضرین نے عرض کی کہ آپ ہمیں ایسا درود شریف سکھا دیجئے۔ حضرت ابن مسعود نے کہ یوں درود شریف پڑھا کرو: ...... الخ

Marfat.com

ان پیارے پیارے الفاظ کے آبگینوں میں محبت، ادب اور والہیت کی جو شراب طہور چھلک رہی ہے، اس سے اہلِ ذوق ہی پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ حضرت ابن مسعود کے اس درود پر کسی صحابی نے اعتراض نہ کیا کہ یہ من گھڑت درود آپ نے کہاں سے نکالا۔ آج تک کسی عالمِ ربّانی نے حضرت ابن مسعود سے استنکار کیا؟ رہے علماءِ سوٗ تو ان سے ہمارا کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ روزِ محشر داورِ محشر خود فرمائے گا۔ ایک اور ایمان افروز واقعہ بھی سن لیجئے۔ اس واقعہ کے ناقل علامہ ابنِ قیم ہیں، جو اس طائفہ کے امام اور مقتدا ہیں۔ اسے پڑھ کر آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا اور معترضین کی فضول گوئی آپ پر عیاں ہو جائے گی۔

قال عبد الله بن الحکم رایت الشافعی فی النوم فقلت ما فعل الله بك قال رحمنی وغفر لی و زفنی الی الجنة کما تزف العروس و نثر علی کما ینثر علی العروس فقلت بما بلغت هذه الحال۔ قال لی قائل یقول لك بما فی کتاب الرسالة من الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه واٰله وسلم فقلت کیف ذلك قال وصلی الله علیٰ محمد عدد ما ذکره الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکره الغافلون۔

یعنی عبد اللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر رحم فرمایا، مجھے بخش دیا اور مجھے جنت میں اس طرح لے جایا گیا، جس طرح دلہن کو لے جایا کرتے ہیں۔ مجھ پر (رحمت کے پھول) اس طرح نچھاور کئے گئے، جس طرح دلہن پر

Marfat.com

نچھاور کیے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ عزت افزائی کس بات کا صلہ ہے؟ تو کہنے والے نے مجھے کہا کہ اپنی کتاب الرسالۃ میں تو نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو درود پڑھا ہے، یہ اس کا صلہ ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں، میں نے پوچھا، اے امام وہ درود شریف کس طرح ہے؟ امام شافعی نے فرمایا: وہ درود شریف اس طرح ہے:

وصلّی اللہ علیٰ محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ (جلاالافہام صہ ۲۸۴)

اس سے واضح ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الرسالۃ کے خطبہ میں محبت بھرے الفاظ میں جب اللہ تعالےٰ کے حبیب پر درود لکھا، جس کا ذکر صحاح کی کسی کتاب میں نہیں تو اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ عزت افزائی فرمائی۔ معلوم ہوا کہ دل محبت سے لبریز ہو، روح عشق مصطفوی سے سرشار ہو، الفاظ میں خلوص، نیاز اور ادب مصطفوی کا نور چمک رہا ہو، تو اللہ تعالےٰ ایسے درود کو قبول فرماتا ہے اور وہ اجر مرحمت کرتا ہے، جس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ خدا ان لوگوں پر رحم کرے جن پر خشک مزاجی نے محبت کی لطافتیں ان سے سلب کر لیں اور ہر چیز پر قدغن لگانا ان کا وطیرہ بن گیا ہے۔

ضمناً درود پاک کے بارے میں یہ چند چیزیں ذکر کر دی گئیں۔ اصل مقصد تو عرض کرنا ہے کہ ہم نمازِ جنازہ میں جو درود شریف پڑھتے ہیں، اس میں سلمت اور ترحمت کے الفاظ کیوں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس کا واضح جواب تو یہ ہے کہ حضرت ابنِ مسعود کی ہدایت کے مطابق یہ کلمات بڑھا کر ہم اس درودِ پاک کے حسن و کمال میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص حسن و کمال کا قائل ہی نہ ہو تو اس کے اطمینان کے لیے گزارش ہے کہ نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے، اس میں سلمت کا لفظ نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے

Marfat.com

کہ اس سے پہلے نمازی السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته،
کے الفاظ سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ جمال میں ہدیہ تسلیم پیش کر چکا
ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد صرف صلوٰۃ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ نماز جنازہ میں کیونکہ
سلام کے وہ الفاظ ذکر نہیں کیے جاتے اس لیے یہاں سلمت کا لفظ بڑھا کر ہم
ارشادِ الٰہی صلوا علیہ وسلموا تسلیمًا۔ کی تعمیل کرتے ہیں۔ یعنی میرے رسول پر
صلوٰۃ وسلام دونوں بھیجو! علماء نے لکھا ہے کہ صرف صلوٰۃ بھیجنا اور سلام نہ بھیجنا مکروہ ہے،
باقی رہا ترحمت کا لفظ۔ تو اس کے لیے یہ حدیث شریف بطور سند پیشِ خدمت ہے۔
اس حدیث میں اس درود شریف کا ذکر ہے جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے:

عن ابن مسعود عن رسول الله صلی الله علیه وسلم
قال اذا تشهد احدکم فی الصلوٰة فلیقل اللهم صل علی
محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت
علی ابراهیم وعلی اٰل ابراهیم انك حمید مجید۔

(المستغرق جلد اول ص۲۶۹)

اس درودِ پاک میں، جس کو تشہد میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، ترحمت کے الفاظ
موجود ہیں، اب حیرت ہے ان لوگوں کی کج ادائی پر کہ جو ایسے رکیک اعتراض کرتے ہیں۔

الدّعاء

اگر آپ کتب حدیث کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا، حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں میت کے لیے دعائے مغفرت مختلف الفاظ میں

Marfat.com

فرمائی ہے، کوئی سی بھی دعا اگر تیسری تکبیر کے بعد پڑھ لی جائے تو نمازِ جنازہ درست ہو جائے گی۔ ان دعاؤں میں سے ایک دُعا یہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں: اللھم اغفر لحینا ومیتنا..... الخ

اب کسی کا یہ ضد کرنا کہ فلاں دعا پڑھنا بدعت ہے۔ ایسے حضرات کے ساتھ ہمارا رویہ اس طرح ہونا چاہیئے جو رب تعالے نے بیان فرمایا ہے:

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما ط

ہم انھیں سلامت رہو کا جواب دیتے ہوئے کسی اور اہم اور نفع بخش کام میں مصروف ہو جائیں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ و
نصلی ونسلم ونبارک علی صفوۃ الانبیاء امام الرسل سیدنا و
مولانا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی اٰلہٖ واصحابہ
لاسیما افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابی بکر
الصدیق، العتیق من النار والرفیق فی الغار وعلی کل من
اقتفی آثارہ الی یوم الدین۔

ضیائے حرم کا یہ شمارہ
صدیقِ اکبر نمبر ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنّا

کون صدیقِ اکبر؟

وہی جب ظلمت کدہ عالم میں رسالتِ محمدی کا چراغ فروزاں ہوا تھا، تو مردوں میں سب سے پہلے جو پروانہ وار اس پر سو جان سے قربان ہونے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ جس نے بارگاہِ جمال میں نذرانہ دل پیش کرنے سے پہلے کوئی معجزہ۔

Marfat.com

کوئی دلیل طلب نہیں کی تھی۔

جس نے نگاہِ ناز کا اشارہ پاتے ہی بلا تامل نقد جان حاضر کر دی تھی۔

عرب کے خودسر معاشرہ میں جس کی شخصیت اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بڑی محترم اور انتہائی قابلِ اعتماد تھی۔

آپ کے مشرف باسلام ہونے سے مکہ کے چیدہ چیدہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے تھے ان میں حضرت زبیر، حضور کے پھوپھی زاد، حضرت عثمان، بنی امیہ کے رئیس اعظم، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت طلحہ جیسی عالی مرتبت ہستیاں شامل تھیں رضی اللہ عنہم وہی رحم دل اور کریم النفس جو اپنے غریب مسلمان بھائی بہنوں کو ان کے ظالم آقاؤں کی جور دستم کی چکی میں پستے دیکھ کر بے تاب ہو جاتا، اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے ان کو خریدتا پھر انھیں رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیتا حضرت بلال، عامر بن فہیرہ نیز کنیزیں زنیرہ، نہدیہ اس کی بچی اور ام عبیس ان کو آپ نے ہی ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

وہ ابوبکر جس نے اپنے حبیب سے پیمان وفا باندھا اور تا دمِ واپسیں اسے مردانہ وار نبھایا۔

جس نے ہر ضرورت کے وقت اپنے آقا کی دعوت پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ لا کر قدموں میں ڈال دیا۔ عزیمت و مردانگی کی راہ پر جس کا ہر نقش قدم کاروانِ ملت کے لیے خضر راہ ہے۔ جرأت و یقین کی جو قندیلیں، راہِ عشق و وفا میں آج سے چودہ صدیاں پہلے اس مردِ حق آگاہ نے روشن کی تھیں، ابتلاء و آزمائش کی کٹھن اور پرخار وادیاں آج بھی ان کی روشنی سے جگمگا رہی ہیں۔ جو سپہر اسلام پر آفتاب بن کر طلوع ہوا اور تا ابد

Marfat.com

ضوفشانی کرتا رہے گا۔ نگاہِ قدرت نے جس کو روزِ ازل سے اپنے محبوب کریم کی رفاقت کے لیے چن لیا تھا اسلام لانے سے پہلے بھی جس کا دامن شرک سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ جس نے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

جس کے خلوص و ایثار کو بارگاہِ نبوت سے یوں داد ملی:

عن ابی ھریرۃ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالاحد عندنا ید الا وقد کافاناہ ماخلا ابابکر فان لہ عندنا یداً یکافئہ اللہ بھا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر لو کنت متخذاً خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم خلیل اللہ۔

ترجمہ: نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں:

"کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا اور ہم نے اس کا بدلا اسے دے دیا۔ سوائے ابوبکر کے اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اسے اللہ تعالےٰ دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا ہے۔ اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار! تمھارا نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کا خلیل ہے۔"

جس کو زبانِ رسالت نے یہ مژدہ سنایا ہو:

یا ابا بکر انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار۔

ترجمہ: اے ابوبکر! تو حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا اور غار میں بھی تو

Marfat.com

میرے ساتھ تھا"

رحمت عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا: نمازیوں کو جنت میں ایک خاص دروازے سے بلایا جائے گا۔ مجاہد کو باب جہاد سے اذن باریابی بخشا جائے گا۔ روزہ داروں کو باب ریان سے اندر آنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن اے ابوبکر! تجھے جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالےٰ کے محبوب نے فرمایا:

ارحم امتی بامتی ابوبکر

ترجمہ "میری امت میں سب سے زیادہ میری امت کے ساتھ رحمدلی کرنیوالا ابوبکر ہے"

جس کو حضور نے اپنے آخری سفر جہاد (غزوہ تبوک) میں اسلام کے لشکر کا پرچم عطا فرمایا تھا جسے نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنی آخری علالت کے دنوں میں حکم دیا تھا کہ ابوبکر امامت کے فرائض انجام دے:

مروا ابابکر فلیصل بالناس

ترجمہ: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیے

وہ ابوبکر جس کے بارے میں سیدنا علی مرتضےٰ نے یہ ایمان افروز ارشاد فرمایا تھا۔

عن الحسن عن علی لقد امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس وانی لشاھد وما انا بغائب وما بی مرض و رضینا الدنیا ناما رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا۔

Marfat.com

ترجمہ: حضرت امام حسن، سیدنا علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو بکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ جب یہ حکم ہوا تو میں بھی اس جگہ موجود تھا۔ غیر حاضر بھی نہیں تھا اور بیمار بھی نہیں تھا۔ پس جس ہستی کو نبی کریمؐ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا اسی کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کرتے ہیں۔

وہی ابو بکر، جس کو اسد اللہ الغالب نے اشجع الناس یعنی سب لوگوں سے زیادہ شجاع اور بہادر کہا تھا جس کی اولوالعزمی نے حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد سفینہ ملت کو طوفانی موجوں اور خطرناک گردابوں سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچایا۔

جس کی ضربت قاہرانہ نے نبوت کے جھوٹے مدعیوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔

جس کی ایک نگاہِ عتاب آلود نے شیطان کے بھڑکائے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اسی صدیقِ اکبرؓ کی بارگاہِ رفعت پناہ میں "ضیائے حرم" اپنے اہل قلم معاونین کی معیت میں ہدیۂ عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ع گر قبول افتد زہے عزو شرف

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آج سے پانچ سال پہلے ضیائے حرم مئی جون ۱۹۷۴ء کا شمارہ فاروق اعظم نمبر تھا۔ اس وقت ملک پر ایک عجیب بحرانی کیفیت طاری تھی۔ الحادی قوتیں بڑی بے دردی سے دین کے اس گلستان کو اجاڑنے پر کمربستہ تھیں۔ سوشلزم کا طوفان امڈا چلا آ رہا تھا۔ دل کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اس طوفان کی تند و تیز موجیں اسلام کی رہی سہی قدروں کو بھی روند نہ ڈالیں۔ پاکستان کی فضاؤں

Marfat.com

میں "ایشیا سُرخ ہے"، کے بینر ہر سو لہرانے لگے تھے۔ یہ ملک جس کو حاصل کرنے والوں نے اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے حاصل کیا تھا۔ اس کی شاہراہوں پر "سوشلزم ہماری معیشت ہے"، کے نعرے گونج رہے تھے۔ بدقسمتی سے ملک کی زمام حکومت ان لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی جو دینِ اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح فرسودہ اور از کار رفتہ خیال کرتے تھے، انھیں ہر اس چیز سے چڑ تھی، جو کسی جہت سے اسلام سے متعلق تھی۔ رہ رہ کے یہ ڈراونا خیال آتا تھا اور دل ڈوب ڈوب جاتا تھا کہ کیا پاکستان سے اسلام کو جلاوطن کر دیا جائے گا۔ کیا یہاں قرآن کریم کے بجائے اینجلز اور کارل مارکس کا فلسفہ حیات نافذ ہوگا کیا یہاں رحمت للعالمین کی شریعت طیبہ کے بجائے لینن اور سٹالن کے افکار کو بالادستی حاصل ہو گی؟

ان ہوش ربا اور مایوس کن حالات میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر پاک ہی ان جملہ امراض کے لیے اکسیر کا کام دے سکتا تھا۔ آپ کی سیرت کی سادگی اور کردار کا جلال ہی ان فتنوں کو موت کی نیند سلا سکتا تھا۔ انھیں مقاصد کے لیے ان ناگفتہ بہ حالات میں ضیائے حرم نے فاروق اعظم نمبر اپنی ملت کے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی جسے تمام علمی حلقوں میں بے پناہ پذیرائی اور مقبولیت نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک کی زمام اقتدار آج جس شخص کے ہاتھ میں ہے وہ اسلام کا سچا اور مخلص خادم ہے۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ اسلام کا نام سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال نہیں کر رہا۔ اس کا دلی ارادہ ہے کہ اسلام پورے جاہ و جلال کے ساتھ یہاں نافذ کیا جائے، لیکن یہ راستہ اتنا ہموار اور آسان نہیں جتنا

Marfat.com

بادی النظر میں وہ دکھائی دیتا ہے۔ اس میں مہیب چٹانیں اور خوفناک گہرے کھڈ موجود ہیں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ دو صد سالہ دورِ غلامی نے ہمارے ایمان و یقین کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ دین اسلام کے نفاد کے لیے ضروری ہے کہ اسے نافذ کرنے والا بھی یقین سے سرشار ہو، دین حنیف کی برتری اور افادیت کے بارے میں اس کے دل کے کسی گوشے میں شک وشبہ کا نشان تک نہ ہو اور جس ملک میں اس نظام کو نافذ کیا جا رہا ہے اس کے بسنے والے بھی اس نظامِ حیات کی برتری اور افادیت پر کامل یقین رکھتے ہوں بیشک اسلام عمل صالح کی دعوت دیتا ہے! اور اسی عمل صالح کو فلاح دارین کا ضامن قرار دیتا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام کی نگاہ میں عمل سے کہیں زیادہ ایمان کو اہمیت حاصل ہے یہی وہ قوت ہے جو عمل میں خلوص اور توانائی پیدا کرتی ہے۔ اور اس کے رُخِ زیبا کو خود غرضی اور ریاکاری کے داغوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

پاکستان میں بسنے والے فرزندانِ توحید کے لیے اولین اہمیت کا یہ کام ہے کہ جس دین برحق کا وہ اپنے آپ کو پیرو کہتے ہیں جس نبی رحمت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی پر وہ فخر کرتے ہیں اس کی ہر بات اس کا ہر ارشاد ان کے نزدیک اٹل اور واجب الاتباع ہو۔ کسی ذاتی مفاد کو، کسی گروہی اور قومی مصلحت کو اس پر ترجیح نہ دی جائے اس بات پر یقین محکم ہو کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے پیارے حبیب نے جو فرما دیا ہے! اس میں ہماری دارین کی نجات اور فلاح کا راز مضمر ہے۔

اس جذبے کو زندہ کرنے اور پائندہ رکھنے کے لیے اسوۂ صدیقی سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز ہمارے لیے زیادہ اثر انگیز نہیں ہوسکتی۔ ایمان و یقین کی پختگی کے جو روح پرور مناظر ہمیں صدیق اکبرؓ کی زندگی کے لیل و نہار میں نظر آتے ہیں وہ اپنی شان وشوکت میں منفرد

Marfat.com

حیثیت کے مالک تھے۔

آپ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ لگانے کے لیے ذرا اس وقت کا تصور کیجئے جب کہ جانِ عالم، روحِ کائنات علیہ اطیب التحیات والتسلیمات داغِ مفارقت دے گئے۔ دل مضمحل، روح شکستہ، ماحول پر افسردگی چھا گئی! ارد گرد سے ارتداد اور بغاوت کی روح فرسا خبریں موصول ہونے لگیں۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت اسامہ کو اس مہم پر روانہ کرتے ہیں جس کے لیے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو نامزد کیا تھا۔ مخلصین صحابہ، اپنے خلیفہ کے اس اقدام کو قرینِ دانشمندی نہیں سمجھتے۔ عرض کرتے ہیں کہ لشکرِ اسامہ کی روانگی ملتوی کر دی جاتے۔ سارے جنگ آزما بہادر اس لشکر میں شامل ہیں۔ اگر یہ سب ایک دُور دراز مہم پر روانہ ہو گئے تو دشمنانِ اسلام، ایسا نہ ہو کہ مدینہ پر دھاوا بول دیں۔ صحابہ کا یہ مشورہ بلاشبہ خلوص پر مبنی تھا۔ حالات بیشک ایسے ہی تھے۔ خطرات کی بجلیاں کوند رہی تھیں، لیکن عشق ایثار پیشہ کا فیصلہ، عقل مصلحت اندیش کے فیصلہ کے سراسر خلاف تھا۔ حضرت صدیق نے ان مشیروں کو جن کے خلوص اور دانش مندی میں ادنیٰ شک نہیں تھا جواب دیا:

والذی نفسی بیدہٖ لو ظننت ان السباع تختطفنی لانفذت جیش اسامہ کما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(الکامل)

ترجمہ: اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر جنگل کے درندے بھی مدینہ میں گھس کر مجھے اچک لیں تو پھر بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا جس لشکر کو حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

Marfat.com

نے روانہ ہونے کا حکم دیا۔

لشکر میں شامل بعض لوگوں نے حضرت عمر کو صدیق اکبر کی خدمت میں بھیجا تاکہ ہم سب کی طرف سے عرض کریں کہ اگر وہ لشکر کو بھیجنے پر مصر ہیں تو کم از کم اتنا کریں کہ اُسامہ، نوخیز، ناتجربہ کار نوجوان ہے اس کے بجائے کسی بزرگ تجربہ کار جرنیل کو لشکر کا قائد مقرر کریں۔ جب حضرت عمر نے آپ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تو آپ غصے سے کانپنے لگے۔ پہلے بیٹھے تھے پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور حضرت عمرؓ کو سختی سے فرمایا:

ثکلتك امك یا ابن خطاب استعمله رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وتامرنی ان اعزله۔

"اے خطاب کے فرزند! تیری ماں تجھے روتے! خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسامہ کو سالارِ لشکر مقرر فرمایا ہے۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو مقرر کروں ناممکن۔"

یہ ہے اللہ تعالےٰ کے محبوب رسول کے ساتھ صدیق اکبر کے عشق و دل بستگی کا عالم، جو فیصلہ محبوب نے کر دیا۔ جس کو اس کی نگاہ حقیقت بین نے منتخب کر لیا کسی مصلحت کے پیشِ نظر صدیق اس میں رد و بدل کرنے کا روادار نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اس لشکر کو الوداع کہنے کے لیے لشکرگاہ میں پہنچے۔ حضرت اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفہ رسول اللہ پاپیادہ چل رہا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی:

یا خلیفة رسول الله لترکبن اولانزلن۔

"اے جانشینِ رسول! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں گھوڑے سے اترتا ہوں۔"

Marfat.com

آپ نے فرمایا، بخدا! نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا میرے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں میرے قدم بھی غبار آلود ہوں۔

اتباع رسالت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت کی دھاک بیٹھ گئی ان کے حوصلے پست ہو گئے انھوں نے سوچا جب یہ لوگ ان پرخطر حالات میں اتنے طویل سفر پر اپنا بڑا لشکر بھیج رہے ہیں تو ان کی طاقت کے بارے میں ہمارے سارے اندازے غلط ہیں چنانچہ ان کی سازشوں میں وہ گرم جوشی نہ رہی جو ابتدا میں تھی۔

ایمان صدیقی کی ایک اور روشن مثال سماعت فرمایئے:

چند قبائل نے کہا ہم نماز پڑھیں گے۔ روزے رکھیں گے۔ حج ادا کریں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یہ وبا اتنی تیزی سے پھیلی کہ مدینہ طیبہ کے اردگرد بسنے والے تقریباً سب قبائل اس کی لپیٹ میں آگئے۔ ادھر جھوٹے مدعیان نبوت نے اسلامی مملکت کے دور دراز گوشوں میں بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا۔ ان حالات میں پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ سردست ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتیں وہ کم از کم کلمہ پڑھتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں۔ روزے اور حج کے بھی قائل ہیں۔ اگر ایک رکن زکوٰۃ میں وہ پس و پیش کرتے ہیں تو ان سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ انھیں ساتھ ملا کر نبوت کے جھوٹے مدعیوں کا قلع قمع کرنا چاہیے عقل مصلحت میں اس رائے کی تائید کر رہی تھی۔ حالات اس کو قبول کرنے کی سفارش کر رہے تھے لیکن صدیق اکبرؓ کا ایمان اور عشق اس مداہنت فی الدین کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ انھوں نے اپنی صدیقیت کے نور سے دیکھ لیا کہ اگر آج زکوٰۃ کے بارے میں نرمی دکھائی گئی تو یہ سلسلہ یہاں رک نہیں جائے گا۔ اسلام کے دوسرے اصول بھی اس کی دست برد سے بچ نہیں سکیں گے نیز اسلام کا یہ رکن وہ ہے جس پر اس

Marfat.com

کے معاشی نظام کا دارومدار ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا گویا اسلام کے ایک اہم ترین گوشے کو مفلوج کر دینے کے مترادف ہے۔ دنیا اس عادلانہ اور رحیمانہ نظامِ معیشت سے محروم ہو جاتی جو اللہ تعالیٰ کے محبوب نے ان کے لیے پیش کیا ہے اور یہ خسارہ حضرت صدیق کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے تمام مصلحتوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے عزمِ محکم کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے بھی جنگ کروں گا جس نے اونٹ کی رسی کے برابر بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا میں اس کے ساتھ بھی جنگ کروں گا۔

یقینِ محکم اور ایمانِ کامل ہی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ سہارا تھا جس کے بل بوتے پر آپ نے ان طوفان خیز حالات میں محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں۔ ان کے بارے میں سن کر آج بھی اہلِ دانش تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ پھر آپ نے جس سُرعت کے ساتھ دو سال اور چار ماہ کے مختصر دورِ خلافت میں ان تمام فتنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا وہ آپ کے ایمان اور یقین کا ہی اعجاز تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اس حقیقت کو بڑے دل نشیں انداز میں بیان فرمایا ہے:

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما کدنا نھلک فیہ لولا ان اللہ من علینا بابی بکر۔

ترجمہ: رسول کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اللہ تعالےٰ نے حضرت ابو بکر صدیق جیسا خلیفہ عطا فرما کر ہم احسان نہ کیا ہوتا تو ہم برباد ہو گئے ہوتے۔

یہ ہمت، یہ اولوالعزمی ناساز گار حالات میں یہ استقامت، پھر ہر میدان میں کامیابی و

Marfat.com

سرخروئی یہ ایمان صدیقی کے معجزات ہیں۔ جہاں بھی ایمان ویقین کا آفتاب طلوع ہو جاتا ہے وہاں اس قسم کے معجزات رونپذیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت اقبال نے بھی بارگاہِ صدیقی میں اپنے مخصوص انداز میں ہدیہ عقیدت و نیاز پیش کیا ہے وہ بھی سماعت فرمائیے:

آں امنّ الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

حضرت ابو بکر ہمارے آقا و مولا پر سب لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور ہمارے کوہ طور کے سب سے پہلے کلیم ہیں۔

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

اس کی ہمتِ مردانہ نے ملتِ اسلامیہ کے کھیت کو بادل کی طرح سیراب کر دیا۔ وہ اسلام میں غار میں، بدر میں اور قبر میں اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے ثانی اثنین ہیں۔

صدر محترم جنرل محمد ضیاالحق کو جو معرکہ درپیش ہے اس میں کامیابی و سرخروئی کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اسوۂ صدیقی کو اپنا خضرِ راہ بنائیں نیز پاکستان میں بسنے والے غلامانِ مصطفٰے علیہ اجمل التحیۃ و اطیب الثنا کو بھی حالات کی نامساعدت سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے حالات بے شک تشویشناک ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے عہدِ صدیقی میں تھے۔ اگر یقینِ کامل اور عزم راسخ کے ساتھ حضرت صدیق نے ان پر فتح حاصل کر لی تھی تو آج ہم جوان کو اپنا ہادی و راہبر یقین کرتے ہیں ہم بھی عزیمت و استقامت

Marfat.com

کی راہ پر چل کر منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

میں ان الفاظ کے ساتھ محبت و عقیدت کا یہ ارمغان نونہالانِ امت کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم رب صل
وعلیٰ رسولک المجتبیٰ وحبیبک المصطفیٰ وعلیٰ اٰلہ
بدرو الدجیٰ واصحابہ نجوم الھدیٰ الیٰ یوم الدین۔

Marfat.com

Marfat.com

صدیقِ اکبرؓ اور باغِ فدک

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے بعض دوست بڑے طمطراق سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالٰے عنہا سے باغ فدک چھین لیا۔ ان پر ظلم کیا۔ ان کی دل آزاری کی، اور حضرت عمرؓ بھی اس کام میں آپ کے ہمنوا اور مؤیّد تھے وغیرہ وغیرہ، اس موقع پر جس طرح شائستگی اور شرافت کی تمام حدود کو وہ پھاند جاتے ہیں ان کے ذکر سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔

میرے پیشِ نظر مسئلہ کو الجھانا نہیں سلجھانا ہے، مَیں شکوک و شبہات کو ہوا دے کر ماحول کو غبار آلود نہیں کرنا چاہتا، حق و باطل میں امتیاز کرنا آپ کا کام ہے۔ سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فدک کیا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد قدم بہ قدم سوئے منزل بڑھتے جائیں گے۔

اہلِ اسلام کو جو اموال و املاک کفار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) غنیمت

(۲) فئی

Marfat.com

مالِ غنیمت اس کو کہتے ہیں جو لڑائی اور لشکرکشی کے بعد حاصل ہو۔ اور مال فیئ اس کو کہتے ہیں جو لشکرکشی کے بغیر حاصل ہو۔ مال غنیمت اور مال فیئ کی یہ تعریف متفقہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، دونوں قسم کے اموال کا شرعی حکم قرآن کریم میں وضاحت سے مذکور ہے، اس کے لیے ہمیں پریشان ہونے اور ورق گردانی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

دسویں پارے کی پہلی آیت میں اموال غنیمت کے احکام صراحۃً ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (الایہ)۔ سورہ الانفال ۴۱۔

ترجمہ: اور جان لو! کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے، رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے محبوب بندہ پر۔

اس آیت میں غور کرنے سے واضح ہو گیا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے حسب الحکم مجاہدوں اور غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچواں حصہ کے مصارف اس آیت میں کھول کر ذکر دیئے گئے ہیں۔

مال فیئ کے احکام سورہ حشر کی آیت نمبر ۷ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ارشادِ

Marfat.com

خداوندی ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ
وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

اس سے واضح ہو گیا کہ جو اموال فیئ ہوں۔ ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ______ حصہ ہے۔ حضور کے رشتہ داروں کا، امت کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اموال فیئ میں ان تمام لوگوں کو حصہ دار بنانے کی حکمت ساتھ ہی بیان فرما دی تاکہ مال چند اغنیاء ہیں ہی گردش نہ کرتا رہے اور سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو جاتے، بلکہ اس کی گردش کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو تاکہ دولت کی تقسیم سے ملت کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہوتے رہیں حقیقت یہ ہے کہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ

کے مختصر جملہ میں اسلامی نظام معیشت کی رُوح اور اس کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ ملک کے مٹھی بھر لوگ از حد متمول ہو جاتے ہیں اور قوم کے باقی افراد عسرت و تنگدستی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی اور اسلامی معاشرہ کا مزاج اس طرح کیا کہ وہاں سرمایہ داری پنپ ہی نہ سکے۔ دولت کو چند ہاتھوں مجتمع ہونے سے روکنے کے لیے قبل از وقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی بند باندھ دیئے اس طرح نہ دولت سمٹے گی اور نہ قوم از حد امیر اور از حد غریب طبقوں میں بٹے گی نہ ان میں حسد و تباغض کی آگ سلگے گی اور نہ وہ وقت آئے گا

Marfat.com

کہ غربت کے ماروں کا پیمانہ صبر چھلکنے لگے اور وہ بے اختیار و بے قابو ہو کر آمادہ بغاوت ہو جائیں۔ اور اپنے ہاتھوں اپنی قوم کے خون کے دریا بہا دیں۔

غنیمت اور فیٔ کا مفہوم اور ان کے قرآنی احکام ذہن نشین کرنے کے بعد آگے چلئے۔

اہل سنت وجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ کیونکہ اموال فیٔ کے حق دار بہت سے اقسام کے لوگ ہیں۔ ان کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ آج ایک لڑکا یتیم ہے کل وہ بالغ ہو کر خوشحال ہو جاتا ہے۔ آج ایک شخص مسکین ہے وہ دولت مند بن جاتا ہے جب تک پہلا یتیم تھا اور دوسرا مسکین تھا۔ وہ ان اموال میں حصہ دار تھے آج ان کی جگہ دوسرے لوگ جو یتیمی اور غربت سے متصف ہیں وہ حصہ دار بن جائیں گے یہی حال ذوی القربیٰ کا ہے یہی حکم ابن السبیل کا ہے۔ جب صورت احوال ایسی ہو تو وہ اموال وقف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان اموال و املاک کا نظم و نسق خود حاکم وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص کیا کرتا ہے۔

یہ مسلّمہ امر ہے کہ فدک جنگ اور لشکر کشی سے نہیں بلکہ صلح سے مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا اور آیت میں بیان کردہ حکم کے مطابق یہ کسی ایک شخص یا خاندان کی نجی ملکیت نہیں بلکہ اس میں مذکورہ بالا سارے اصناف حصہ دار ہیں ورنہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے گی۔ قرآن نے:

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ

سے انکار زر سے بچنے کے لیے جو احکام نافذ کیے ہیں ان کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ رحمت دوعالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم جب تک اس جہان فانی میں

Marfat.com

رونق افروز رہے حضور اپنی نگرانی میں اس علاقہ کی آمدنی کو حقداروں میں تقسیم فرماتے رہے اور حضورؐ کی رحلت کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ان باغات اور مزروعہ اراضی کی نگہداشت اور اس کی آمدنی کی تقسیم آپ کے سپرد ہوئی آپ اپنے عہد خلافت میں حسب ارشاد خداوندی اور حسب سنت نبوی اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ فاروق اعظمؓ اور بعد میں آنے والے خلفائے راشدین کے زمانوں بھی اسی طرح جاری رہا اور اس طرح اسلامی نظام معیشت کی برکتوں اور سعادتوں سے اسلامی معاشرہ سیراب اور بہرہ مند ہوتا رہا۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کا یہ عمل حقیقت میں ارشاد خداوندی کی تعمیل تھی اور سنت نبوی کی صحیح معنوں میں اطاعت تھی اور ان حضرات پر کسی قسم کا الزام و اتہام وارد نہ ہوسکتا تھا بلکہ وہ لائق صد تبریک و تحسین تھے کہ انھوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا لیکن فرمان الٰہی اور سنت محمدی سے سرِمو انحراف نہ کیا۔ ہاں، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ قابل سرزنش ہوتے بلکہ اس وقت کا زندہ اور بیدار معاشرہ احکام الٰہی اور سنت نبوی کی اس خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہ کرتا۔ لیکن ہمارے ہاں تو گنگا الٹی بہ رہی ہے۔ تنقید کے تیروں سے ان مردانِ پاک سرشت کو گھائل کیا جارہا ہے جنھوں نے عہد وفا کو نبھایا۔ راہِ حق پر استقامت و ثبات کے انمٹ اور درخشاں نقوش ثبت کیے۔

یہ تو ہوا اہل سنت کا موقف۔ نظری بھی اور عملی بھی۔

اب رہے معترضین تو ان کا عقیدہ شریفہ یہ ہے کہ فدک جو فیئ ہے یہ حضورؐ

Marfat.com

کی ذاتی ملکیت تھی حضورؐ کی رحلت کے بعد اس کی وارث صرف حضرت سیدہ تھیں اور شیخین نے ان کو فدک کی اراضی سے محروم کر کے حضورؐ کی نورِ نظر اور لختِ جگر پر بڑا ظلم کیا اور ان کی حق تلفی کی اب خود انصاف فرمائیے اگر ایسا ہوتا تو آیت یوں ہوتی :

مَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَھُوَ لِرَسُوْلِہٖ۔

کہ ان گاؤں والوں سے جو مال فئی حاصل ہو اس کا مالک اس کا رسول ہے۔ بات ختم ہو جاتی اور کسی کو چون وچرا کی مجال تک نہ رہتی، لیکن قرآن کی آیت تو اس طرح وہاں نہیں وہاں تو۔

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کی لمبی چوڑی عبارت بھی موجود ہے۔

یہ لوگ اپنے دل سے پوچھیں کہ یہ کلمات کیا قرآن کی آیت کا حصہ نہیں؟ اور کیا ان کلمات کا واضح مدعا نہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یا یہ الفاظ صرف سنانے کے لیے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے ہیں عمل سے ان کا کوئی سروکار نہیں؟

جب تک ہم قرآن کو اپنے خداوند کریم کا کلام مانتے ہیں ہم اس آیت کا انکار نہیں کر سکتے اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو پھر اس داستان سرائی کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟

یہ ایک سیدھی اور صاف بات ہے اس میں کوئی کجی نہیں۔ کوئی زیغ نہیں۔

Marfat.com

کوئی ہیچ نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے جو شک وشبہ سے بالاتر ہے پھر ہم آفتاب سے تابندہ تر حقیقت کا کیوں انکار کریں اور بے سروپا تاویلات اور من گھڑت مزعومات کی دلدل میں پھنس کر کیوں خود بھی قیامت کے روز شرمسار ہوں اور قرآن و اسلام کی تعلیمات کو زک پہنچا کر باطل کو بلاوجہ غرّانے کا موقعہ دیں۔

لیکن جہاں کا بتنگڑ بنانا اور بال کی کھال اتارنا محبوب مشغلہ ہو وہاں حق کی سادگی اور پرکاری کو کون خاطر میں لاتا ہے اچھی بات کو سننا کون گوارا کرتا ہے! وہاں تو ایسی ایسی ایچ اور دور از کار تاویلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف تو بڑے دل گردے کا کام ہے جن کے پیشِ نظر اپنی لیڈری کو چمکانا ہو، جس لغزش کے پیچھے دیرینہ جذبہ انتقام کی آگ سلگ رہی ہو وہاں عقل عیار ایسی ایسی اختراعیں کرتی ہے۔ حقائق اور حقوق کو پس پشت ڈال کر محض جذبات کو ابھارتی ہے اور اس کے لیے دروغ بافی میں کمال کا مظاہرہ کرتی ہے کہ اچھے بھلے سراب کو چشمۂ آب حیواں سمجھنے لگتے ہیں۔

اگر ایک لمحہ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے (اگرچہ ایسا ماننا حکم خداوندی کی صریح نافرمانی ہے) کہ فدک حضورؐ کی ملکیت تھا۔ اور وصال کے بعد ان املاک کی حیثیت ایسی تھی جو وارثوں میں بانٹ دی جاتی ہے تو پھر وراثت کا حق صرف حضرت سیدہ بتول سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا کو کیسے پہنچتا ہے اس میں تو سارے وارث حصہ دار ہوں گے۔ حضرت عباس، امہات المومنین اور دیگر ورثا بھی شریک ہوں گے۔ صرف حضرت سیدہ کو وارث تسلیم کرنا اور باقی ورثا کو محروم کر دینا متعدد آیات قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے اور ہم سیدہ بتول کے بارے میں اس کا

Marfat.com

تصور تک نہیں کر سکتے۔

جب ان لوگوں کے یہاں بھی قدم نہیں جمتے اور مقصود بر آتا دکھائی نہیں دیتا تو پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات طیبہ میں ہی فدک کی وسیع و عریض املاک اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی تھیں اور انھوں نے اسے قبول کر لیا تھا اس لیے فدک وغیرہ کی واحد حقدار حضرت سیدہ ہی تھیں۔ آپ غور فرمائیں کہ بارگاہِ رسالت میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ حضور نے باقی تمام ورثا کو محروم کرنے کے لیے فدک اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی حضرت سیدہ کو دے دیا اور دوسرے ورثاء کو محروم کر دیا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے کہ اپنے ایک وارث کے نام ساری جائیداد کا انتقال کرا دیتا ہے۔ اور باقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے تو اس کے اس عمل کو انتہائی مذموم اور صریح ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کی اس بات سے سارے خاندان کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے۔ ان میں خونریزیوں اور مقدمہ بازیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچیے وہ نبیٔ برحق جو آیا ہی ظلم و زیادتی کو مٹانے کے لیے تھا۔ جو آیا ہی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تھا، اس کی آمد کی برکت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے، دریدہ قباؤں کے چاک رفو ہو گئے۔ خاندانی عداوتوں کے آتش کدے گلزار بن گئے۔ ایسے یمن و سعادت کے پیامبر کے بارے میں ایسا تصور تک کرنا بھی انتہائی رذالت اور کمینگی ہے۔ اہلِ بیت کی عقیدت کا بہروپ دھار کر ناموس نبوت پر حملہ آور ہونا کہاں کی ایمانداری ہے۔ اگر نبی نے خود نعوذ باللہ اپنے خاندان کے افراد میں

Marfat.com

ظلم و عدوان کا آغاز کیا تو ظلم و ستم کی ستائی ہوئی مخلوق اپنے درد کا درماں کرنے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کہاں جائے؟

کئی دوسری باتیں بھی ہبہ کے دعویٰ کی تردید کرتی ہیں:

فدک کا علاقہ جو بطور فئی حضور کے تصرف میں آیا۔ کوئی معمولی سا علاقہ نہ تھا یہ ایک وسیع و عریض خطہ ہے جس میں زرخیز میدان شاداب باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا بقول ملا باقر مجلسی اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی اس وقت کے حساب کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خطہ حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا تو پھر آپ مدینہ طیبہ کی متمول اور دولت مند خواتین میں سرفہرست ہوں گی حالانکہ عہد رسالت میں آپ کی عسرت اور تنگی گزران کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ آٹا خود اپنے دست مبارک سے پیستیں۔ گھر میں جھاڑو خود دیتیں، کھانا پکاتیں، حتیٰ کہ بسا اوقات پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا کرتیں۔ جس کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپیہ ہو۔ وہ تو دس بیس غلام اور کنیزیں خرید کر رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ روایت بھی عندالفریقین مسلّم ہے کہ ایک دفعہ چند کنیزیں اور غلام بارگاہ رسالت میں لائے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت سیدہ لونڈی مانگنے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں گئیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! اے میری لخت جگر! جب تک اہل صفہ کی ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں میں تمھیں لونڈی کیسے دے سکتا ہوں۔ البتہ تمھیں لونڈی سے بھی بہترین تحفہ پیش کرتا ہوں، جب سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو۔

Marfat.com

اس کے علاوہ کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خدمتِ دین کے لیے مال پیش کرنے کی دعوت دی اور ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بطیب خاطر مالی قربانی پیش کی لیکن کسی روایت میں یہ موجود نہیں کہ حضرت سیدہؓ نے (ان کے قول کے مطابق) جن کی سالانہ آمدنی اڑھائی لاکھ روپے تھی، انھوں نے بھی کبھی اس میں حصہ لیا ہو۔ غزوہ تبوک کا واقعہ تو بالاتفاق خیبر و فدک کی فتح کے بعد کا ہے، اس وقت تو یقیناً آپ اتنی بڑی جاگیر کی مالک تھیں، مسلمانوں کی مالی حالت مخدوش تھی۔ تبوک کی مہم اخراجات کا تقاضا کر رہی تھی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کی تیاری کے لیے مالی قربانی پیش کرنے کا جب اعلان کیا تو حضرت عثمان ہزاروں دینار لے آئے اور حضورؐ کے قدموں میں آکر ڈھیر کر دیے۔ حضور انھیں اپنی جھولی میں ڈال کر مسجد کے صحن میں پھرتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوتے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تو شان ہی نرالی تھی اپنا سارا اثاثہ اٹھایا اور اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنا لباس بھی اتارا اور بوریا کا لباس پہنا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر صحابہؓ نے بھی ایثار و خلوص کے خوب خوب مظاہرے کیے لیکن کیا کوئی ایسی روایت آپ ہمیں دکھا سکتے ہیں جس میں درج ہو کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بھی اس میں کوئی حصہ ڈالا ہو۔ ایسا بھی نہیں کہ صحابہ کرام کے چندوں کے بعد ضرورت نہ رہی ہو بلکہ قرآن تو صاف بتاتا ہے کہ بعض مجاہد میدانِ جنگ میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

Marfat.com

فرمایا: لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ میرے پاس تمھاری سواری کے لیے کوئی جانور نہیں ہے، ناچار انھیں واپس ہونا پڑا اس وقت ان کے رنج والم کی یہ حالت تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا۔

کہ وہ لوٹے اس حالت میں کہ ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت سیدہ اتنی جاگیر کی مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں۔ اس بات کو کوئی ایماندار تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں جس گھرانے سے دنیا نے جود و کرم اور بخشش و عطا کا سبق سیکھا ہو وہاں بخل اور کنجوسی کا کیا گزر، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا محبوب اس کے اہل بیت اور اولاد کو دنیا کی لذتوں سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، وہاں تو آخر دم تک کئی کئی دن فاقہ سے گذرتے تھے۔ کئی کئی ماہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان روشن حقائق کے سامنے کیا اس کذب و افترا کا پردہ چاک نہیں ہو جاتا کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو تمام دوسرے حق داروں کو محروم کرتے ہوئے اتنی بڑی جاگیر ہبہ کر کے مالک بنا دیا۔ محبت کے بلند بانگ دعاوی کے شور و غل میں ناموس مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء اور عظمتِ اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر اس بیدردی اور بے خوفی سے شب خون ہمارے ان دوستوں کو ہی زیب دیتا ہے۔

اب آئیے ان روایات کی طرف جن کا سہارا لے کر گلشن اسلام کے ان

Marfat.com

سدا بہار اشجار ثمر بار پرورش کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سیدہؓ صدیق اکبرؓ کے پاس گئیں اور میراث کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا:

"یا ابن ابی قحافہ اترث اباك ولا ارث ابی"

اے ابو قحافہ کے بیٹے! آپ تو اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم رہوں۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضور کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہو اور آپ نے حصول میراث کے لیے تگ و دو شروع کر دی ہو۔ نیز آپ کی شان سے بعید ہے کہ آپ خود بنفس نفیس عدالتِ صدیقی میں تشریف لے گئی ہوں اور دعویٰ دائر کیا ہو جس طرح عام طور پر بعض کم علم خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کسی آدمی کے ذریعے اپنے اس مطالبہ کو خلیفہ برحق کے گوش گزار کیا۔ امام بخاری کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے:

عَن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان فاطمہ رضی اللہ عنها ارسلت الی ابی بکر تسأله میراثها من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مما افاء اللہ علیه۔

ترجمہ: یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا۔

اس تصریح کے بعد بعض دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیدہؓ کی طرف کی گئی ہے وہ مجاز ہو گا۔

Marfat.com

جب حضرت سیّدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبرؓ کو پہنچا تو آپ نے جواب دیا وہ بھی امام بخاری کے الفاظ میں سن لیجئے۔

فقال ابوبکر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا فھو صدقہ انما یاکل آل محمد من ھذا المال......... وانی واللہ لا اغیّر شیئاً من صدقات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التی کانت علیہا فی عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا عملن فیھا لما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتشھد علی ثم قال انا قد عرفنا یا ابا بکر فضیلتک وذکر قرابتھم من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحقھم و تکلم ابوبکر فقال والذی نفسی بیدہ وقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی۔ (بخاری شریف جلد اول صـ۵۲۶)

ترجمہ: حضرت سیدہ کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی۔ جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مال میں سے کھا سکتی ہے (ابوبکرؓ نے کہا:) بخدا میں حضور کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے ویسے ہی رہیں گے

Marfat.com

اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، سیدنا علیؓ نے ان اسباب کی تصدیق کی اور فرمایا: اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو انھیں حضورؐ کے ساتھ تھی۔ اور ان کے حق کا ذکر کیا، حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کروں۔

آپ خود سوچئے کہ اس جواب میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہے، بے ادبی کا ادنیٰ شائبہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ کیا اس سے اہلِ بیت کی حق تلفی کی نیت کا گمان ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے حضرت بتولِ جنت کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول، آپ کے ابا جان اور میرے آقا و مولیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے اور مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں ارشاداتِ نبوی سے سرِمُو انحراف کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ اس جواب میں کون سا جملہ یا لفظ قابلِ اعتراض ہے!

بعض لوگ فرطِ جوش اور شدتِ غضب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت صدیق کی خود ساختہ ہے۔ انھوں نے فقط حضرت سیدہ کا حق غصب کرنے کے لیے یہ حدیث گھڑی ہے، حیرت ہے کہ ایسے بے سروپا کلمات زبان سے نکالتے ہوئے انھیں غضبِ خدا کا خوف یا جگ ہنسائی کی فکر نہیں ہوتی، یہ

Marfat.com

حدیث صرف حضرت صدیق سے ہی مروی نہیں، صرف کتبِ اہل سنت میں ہی مرقوم نہیں۔ بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد سے مروی ہے اور معترضین حضرات کی معتبر کتب حدیث میں بھی آئمہ اہل بیت سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :

اصول کافی صفحہ ۱۸ اس پر حضرت امام جعفر صادق حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں :

قال رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ بحظ وافر۔ (اصول کافی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں، جس نے ان کے علم سے حصہ لیا اسے بڑا وافر حصہ ملا۔

دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے :

حضرت سیدنا علی مرتضٰے شیر خدا اپنے فرزند ارجمند حضرت محمدؐ بن حنفیہ کو ازراہ وصیت فرماتے ہیں :

وتفقہ فی الدّین فان الفقھاء ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکنّھم ورثوا العلم ومن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد دوم ص۳۴۶)

اے میرے فرزند! دین میں فہم حاصل کرو کیوں کہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث

Marfat.com

ہیں۔ بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں اور جس نے علم نبوت سے کچھ حاصل کیا اسی کو حظ وافر نصیب ہوا۔

تیسری روایت ملاحظہ ہو :

یہ حضرت امام جعفر صادق کا اپنا ارشاد ہے، اس سے حدیث نبوی کی تصدیق اور وصیت مرتضوی کی تصویب ہوتی ہے۔

حضرت امام نے فرمایا :

ان العلماء ورثة الانبياء وذالك ان الانبياء لم يورّثوا درهما ولا دينارا ولكنهم اورثوا احاديث من احاديثهم فمن اخذ بشيءٍ منها فقد اخذ حظاً وافراً۔ (اصول کافی ص۱۷)

بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، کیونکہ انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ احادیث (احکام شریعت اور اسرار کتاب) ہی اپنی وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں پس جس شخص نے بحر علم سے کچھ حاصل کیا اس کو حظ وافر نصیب ہوا۔

اہل سنت کی کتب میں یہ ارشاد نبوی کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہے۔ بعض کے اسمائے گرامی ذہن نشین کر لیجیے۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان، زبیرؓ بن عوام، عباسؓ، علیؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، ابودرداؓ اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ جب یہ بات نہیں بنتی تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث آیات قرآنی کے خلاف ہے کیوں کہ قرآن میں، یوصیکم اللہ فی

Marfat.com

اولادکم، تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمھیں وصیت کرتا ہے اور کُم میں نبی اور امتی دونوں داخل ہیں اور حدیث صرف وہ معتبر ہوتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ بجا فرمایا آپ نے :

مخالف قرآن حدیث معتبر نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کا رسول قرآن کی تصدیق کے لیے تشریف لاتا ہے اس کی تردید اور تکذیب کے لیے نہیں۔ اس لیے جو حدیث قرآن کی کسی آیت کے معارض ہو گی وہ اللہ تعالےٰ کے نبی کا ارشاد نہیں ہو سکتی۔

لیکن میرے محترم! کبھی آپ نے قرآن کی تفسیر اور قرآن کی تردید میں جو فرق ہے اس پر بھی غور کیا اگر بیٹا باپ کو قتل کر دے تو اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہے، لیکن کیا اس آیت کی رو سے آپ اس کو وارث بنائیں گے۔ اسی طرح خدانخواستہ اگر کسی مسلمان کا بیٹا مرتد ہو جائے۔ تو اس کا بیٹا ہونے میں تو شک نہیں، لیکن کیا وہ مرتد بیٹا اپنے مسلمان باپ کا وارث ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ کیا وہ احادیث جن میں قاتل اور مرتد کے وارث نہ ہونے کا حکم مذکور ہے کیا آپ اس لیے انھیں مسترد کر دیں گے کہ وہ قرآن کی اس آیت کے منافی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ان احادیث نے اس بات کی تفسیر کر دی کہ کون سا بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو سکتا ہے اور کون سا نہیں - یہ احادیث آیت قرآنی کی مفسر ہیں مغیر یا ناسخ نہیں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں غور کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے : احل اللہ البیع و حرم الربوا کہ اللہ تعالےٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کر دیا لیکن سود کو حرام۔ اگر اس آیت کو سند بناتے ہوئے کوئی شخص شراب۔ سوّر اور مردار کی خرید و فروخت اور کاروبار شروع کر دیتا ہے کیا آپ اس کے استدلال کو صحیح مانیں گے اور وہ احادیث جن میں ان حرام

Marfat.com

چیزوں کے کاروبار سے روکا گیا ہے۔ انھیں قرآن کی ناسخ اور مخالف گردان کر مسترد کر دیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ یہ فرمائیں گے کہ بیع حلال ہے، لیکن ان احادیث میں جو معترضین حضرات کی کتب میں بھی بروایت ائمہ معصومین منقول ہیں اس آیت کی مفسر ہیں نہ ناسخ۔

نیز جہاں خطاب ہو وہاں ہر جگہ حضور اور امت دونوں مراد نہیں ہوا کرتے بلکہ بعض مقامات پر صرف امت کو خطاب ہوتا ہے، مثلاً اسی آیت سے چند سطر پہلے ارشاد ہے:

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع۔

اس آیت میں مخاطبین کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے لیکن ان میں حضورؐ داخل نہیں کیوں کہ حضور کو نو تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔

یہاں معترضین حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء کے اموال میں اگر احکام وراثت جاری نہیں ہوتے تو پھر ورث سلیمان داؤد کا کیا مطلب ہوگا کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے؟ نیز حضرت ذکریا علیہ السلام کیوں یہ دعائیں مانگتے رہے:

ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ (الٰہی مجھے ایک فرزند عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو، اور آل یعقوب کا بھی۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ پہلی آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ داؤد علیہ السلام کے اموال کی وراثت نہیں بلکہ کتاب و شریعت کی وراثت ہے کیوں کہ اگر مال کی وراثت کا

Marfat.com

ذکر ہوتا تو آپ کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی آپ کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوتے صرف ایک بیٹے کو اپنی جایئداد کا دے دینا اور باقی کے بھائیوں کو سرے سے محروم کر دینا شانِ نبوت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت ذکریا علیہ السلام ایسے بیٹے کے لیے دامنِ طلب پھیلا کر دعا مانگا کرتے تھے جو ان کی نبوت کی ذمہ داریوں اور علوم وحکمت کا وارث ہو۔ ورنہ ان کے پاس ایسے خزانے کہاں تھے جن کے لیے وہ اتنے بے چین رہتے ہوں اور یعقوب علیہ السلام کو گزرے تو صدیاں بیت چکی تھیں اور ان کے بارہ فرزند تھے ہر ایک فرزند کی کثیر اولاد تھی اور ان صدیوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہو گی اگر کوئی بہت بڑا خزانہ حضرت یعقوب نے چھوڑا ہو گا تو وہ تقسیم در تقسیم سے ناپید ہو چکا ہو گا۔ تو آلِ یعقوب کی وراثت جس کے لیے آپ التجا کر رہے ہیں وہی نبوت کے فرائض ہیں اور علوم وحکمت کے جواہر آبدار ہیں جن کے ضائع ہونے کا آپ کو اندیشہ رہا کرتا تھا اور جو ان کے نزدیک دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ بیش بہا تھے۔

آخر میں یہ فقیر بخاری شریف کی ایک حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسے بکثرت اچھالا جاتا ہے اور سادہ لوح لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ حضرت سیدہ ؓ، حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہو گئیں اور عمر بھر کے لیے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

بخاری شریف میں پانچ مرتبہ فدک کا تذکرہ ہے۔ بخاری صفحہ جلد اوّل کی حدیث کے الفاظ بھی آپ پڑھ چکے ہیں ورق الٹ کر ایک بار پھر یاد تازہ کر لیجئے، اس میں حضرت سیدہ ؓ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

Marfat.com

صدیق اکبر کے موقف کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں، اور صدیق اکبرؓ آخر یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے حضور کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں اسی طرح صفحہ ۵۷۵ جلد دوم پر حدیث مذکور ہے جس میں صراحت سے ذکر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان املاک کو حضرت علی اور حضرت عباسؓ کے تصرف میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدن کو اسی طرح خرچ کریں جس طرح حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق خرچ کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ ساری املاک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضے میں آئیں پھر آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن۔ آپ کے بعد حضرت امام حسین کے قبضہ میں رہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں اس آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ حضرت سیّدنا امام حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی بن زین العابدین اور حضرت امام حسن کے صاحبزادے حسن دونوں ان کا باری باری انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن کو یہ خدمت تفویض کی گئی۔ بخاری شریف کے الفاظ ہیں:

فکانت ھذہ الصدقۃ. بید علی منعھا علی عباس فغلبہ علیھا ثم کان بید حسن بن علی ثم بید حسین بن علی ثم بید علی بن حسین وحسن کلیھما کان یتد اولانھا ثم بید زید بن حسن۔

اس حدیث میں بھی کہیں حضرت سیّدہ کی ناراضگی کا ذکر نہیں بلکہ یہاں سے پتہ

Marfat.com

چلتاہے کہ حضرت سیدنا عمر نے ان علاقوں کا انتظام حضرت علی مرتضٰی کے سپرد کر دیا تھا اور یہ سلسلہ چلتا رہا، اور مذکورہ بالا حضرات اس کی آمدن کو سنتِ نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ انھوں نے بھی اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اگر یہ ورثہ ہوتی تو حضرت سیدہ کے سارے وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان حضرات کے مسلسل عمل نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور دل میں اگر خوف خدا موجود ہے تو انھیں قطعاً ان حضرات پر زبانِ طعن دراز کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ایک لطیفہ سماعت فرمایئے:

خلیفہ عباسی سفاح جب پہلا خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا تو ایک آدمی جس نے اپنے گلے میں قرآن مجید حمائل کر رکھا تھا اور کہنے لگا: اناشدك الله الا حكمت بيني وبين خصمي بهذا المصحف۔

اے خلیفہ! میں تمھیں اللہ تعالےٰ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ میرے درمیان اور میرے دشمن کے درمیان اس قرآن کی رو سے فیصلہ کرو۔

خلیفہ نے پوچھا: تمھارا دشمن کون ہے؟ کہنے لگا: "ابوبکر فی منعہ فدک" ابوبکر میرا دشمن ہے جس نے فدک اہل بیت کو نہیں دیا۔ سفّاح نے پوچھا: اظلمك۔ کیا ابوبکر نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس طرح پھر عثمان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اس نے کہا کہ عثمانؓ نے بھی مجھ پر ظلم کیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا علی نے بھی تم پر ظلم کیا۔ اب اس پر سکتہ طاری ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ عملی طور پر حضرت علی مرتضٰی اور ائمہ اہلِ بیت نے بھی

Marfat.com

وہی کچھ کیا جو حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے کیا تھا نہ اس زمین کی حیثیت میں تبدیلی کی نہ اس زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کسی قسم کا ردّ و بدل کیا۔ نہ کسی لیے ازراہ وراثت مالکانہ حقوق تسلیم کئے تو پھر بے انصافی کی حد ہے کہ آپ ان حضرات کو تو کچھ نہ کہیں اور اپنا سارا غصّہ حضور کے پیارے اور محبوب اور وفاشعار ساتھیوں پر نکالیں جن کا جرم یہ ہے کہ انھوں نے سنتِ نبوی سے انحراف نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا یہ جرم نہیں ورنہ اس جرم میں تو کئی اور حضرات بھی شریک ہیں اور ان سے یہ لوگ اپنی محبت وعقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اصلی قصور یہ ہے جسے وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتے کہ انھوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا نام بلند کر دیا، آتش کدے سرد کر دیئے، صلیبوں کو سرنگوں کر دیا۔ شام کے لالہ زاروں اور ایران کے مرغزاروں سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دل نواز صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اسی طرح بخاری شریف کے دوسرے مقامات پر بھی جو احادیث ہیں، ان میں کہیں حضرت سیّدہ کے غصّے اور ناراضگی کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ ایک حدیث جو صفحہ ۴۳۵ پر مذکور ہے وہ غور طلب ہے۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انھیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق سے میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پیش کی: لا نورث ما ترکنا صدقۃ الخ اور پھر معذرت خواہی کرتے ہوئے گزارش کی:

لست تارکا شیئاً کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

وسلم يعمل به الا انی عملت به فانی اخشی ان ترکت

شیئاً من امرہ ان ازیغ ۔

یعنی میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کرسکتا جس پر حضورؐ کا عمل تھا مگر میں اس پر

عمل کروں گا، کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی کام کو چھوڑا تو مجھ میں

کجی پیدا ہوجائے گی۔

کتنی صاف بات ہے اور کس حسین انداز سے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔

آپ کی ساری زندگی اتباع سنت کا زندہ ثبوت ہے۔

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

فغضبت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھجرت

ابا بکر ولم تزل مھاجرتہ حتی توفیت ۔

کہ حضرت سیدہ، ابوبکر صدیق کی اس بات پر ناراض ہوگئیں اور صدیق اکبرؓ

سے قطع تعلق کرلیا۔

ان الفاظ میں غور طلب چند امور ہیں، کیا یہ حضرت سیدہؓ کا قول ہے کہ میں ابوبکرؓ

پر ناراض ہوں، ہرگز نہیں اور نہ ہی یہ حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ ان کے بعد کے

راویوں میں سے کسی راوی نے اپنے خیال کے مطابق یہ قیاس آرائی کی لیکن یہ

قیاس آرائی شان بتول کے سراسر خلاف ہے کیونکہ یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ

آپ کے سامنے رسول کریم کا قول پیش کیا جائے اور آپ اسے بخوشی قبول نہ

کریں بلکہ الٹا ناراضگی کا اظہار کریں۔ آپ ذرا قرآن کریم کی اس آیت پر غور کریں۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

Marfat.com

فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً۔

اے میرے محبوب! تیرے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے متنازعہ امور میں آپ کو حکم تسلیم کریں اور جو آپ فیصلہ فرما دیں اس کے بارے میں ان کے دل میں ناگواری کا کوئی اثر نہ ہو اور وہ آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

جب ایک عام انسان پر لازم ہے کہ وہ حضور کے فیصلہ کے سامنے بلا چون وچرا سپر انداز ہو جاتے اور اس کے بارے میں کسی قسم کا ملال میں نہ لائے تو حضرت خاتونِ جنت کے متعلق یہ کہنا کہ آپ ارشادِ نبوی سن کر ایسی خشمناک ہوگئیں کہ قطع تعلق کر لیا ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ راوی کا یہ بیان ہے اور نیک سے نیک آدمی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس آئے اور اپنی قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو غصہ سے بے قابو ہوگئے اور یہ خیال کیا کہ شائد اس میں حضرت ہارون کی غفلت کا دخل ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا تو اس طرح کی غلط فہمیاں جب اکابر کو ہو جاتی ہیں تو راوی حدیث بے شک عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو قطعاً بعید از فہم نہیں، لیکن اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی روایات بکثرت موجود ہیں جن سے حضرت سیدہؓ کی خوشنودی کا ثبوت ملتا ہے صرف ایک حوالہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

Marfat.com

علامہ کمال الدین میثم البحرانی نہج البلاغۃ کی شرح جلد خامس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہؓ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا:

"یاخیرۃ النساء وابنۃ خیر الاباء واللہ ماعدوت رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاعملت الابامرہ"

اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام باپوں کے تاجدار کی لخت جگر، خدا کی قسم! میں نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے سے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کچھ کیا جس کا حضور نے حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے عرض کیا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاخذ من فدك قوتكم یقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولك علی اللہ ان اصنع بها. كما كان یصنع فرضیت و بذالك و اخذت العهد علیہ بہ۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فدک سے ضروریات زندگی (خوراک) لیا کرتے تھے اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرماتے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا جس طرح حضور علیہ الصلواۃ والسلام کیا کرتے تھے، یہ سن کر آپ راضی ہوگئیں اور اس بات پر عمل پیرا رہنے کا پختہ وعدہ کر لیا"

اس کے بعد علامہ کمال الدین لکھتے ہیں جس سے امام بخاری کی بھی تصدیق ہوتی ہے:

وکان یاخذ فیدفع علتها الیهم منها ما یکفیهم ثم

Marfat.com

فعلت الخلفا بعد کذلک ۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق کا یہ معمول تھا کہ فدک وغیرہ کا غلہ لیتے اور اہل بیت کے افراد میں حسب ضرورت تقسیم کرتے۔ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔ (شرح نہج البلاغۃ جلد۔ ۵ ص۔ ۱۰۷)

جب ان حقائق کا آپ نے مطالعہ فرما لیا تو حضرت صدیق اکبرؓ پر لگائے جانے والے الزام کی مکمل طور پر بیخ کنی ہوگئی اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس واطہر پر جو بہتان تراشی کی جاتی تھی اس کا بھی نام ونشان نہ رہا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن وعلی الہ الطاہرین وازواجہ الطاہرات وامہات المومنین وعلی سائر الصحابہ والتابعین اجمعین۔

Marfat.com

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراضات

کا علمی جائزہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات گرامی ہادی برحق صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے جس سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی کتاب زیست کا ہر صفحہ یقین خلوص عشق اور ایثار کے تابندہ نقوش سے جگمگا رہا ہے۔ کاروان ملت اگر آپ کے نقوش پا کو اپنا خضر راہ بنالے تو آج بھی وہ سدرہ کی بلندیوں پر اپنا آشیاں بنا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو دانستہ یا نادانستہ اس فرزند جلیل پر الزامات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے نہیں تھکتے اس لیے یہ ضروری ہے کہ حق کی جستجو کرنے والوں کے سامنے حقیقتِ حال بے کم و کاست پیش کر دی جائے تاکہ شکوک و شبہات کا غبار چھٹ جائے اور حقیقت اپنے رخ زیبا کے ساتھ آشکارہ ہو جائے۔ کسی کو نفس و شیطان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانا اور کمند ہوا و ہوس سے رہائی دلانا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ دین اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی

Marfat.com

حیثیت سے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری دیانت داری، دلسوزی اور کمال خلوص سے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا اجمل الثنا، واطیب التحیۃ کا کوئی فرد شیطان کے گمراہ کن پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر نعمت ایمان سے محروم نہ ہو جائے۔ ہم رحمتِ پروردگار سے امیدوار ہیں کہ وہ حق کی تلاش کرنے والوں کی دستگیری فرمائے گا۔ اور منزلِ مراد تک پہنچائے گا۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

یہاں چند ایسے اعتراضات ذکر کئے جا رہے ہیں جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑی شدّ و مداور جوش و خروش سے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب حقیقتِ حال آپ کے سامنے پیش کی جائے گی تو آپ کو ان اعتراضات کی لغویت کا یقین آجائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

۱ حضرت خالد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جرنیل تھے انھوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھا اور اس کی بیوی ام تمیم کو اپنے گھر ڈال لیا جو شرعاً جائز نہیں بحیثیت خلیفہ حضرت ابوبکر پر لازم تھا کہ آپ قتل بے گناہ کے قصاص میں حضرت خالد کو قتل کرتے اور جرم زنا کی سزا میں آپ کو سنگسار کرتے آپ نے حضرت خالد کو کوئی سزا نہیں دی اس طرح شریعت اسلامیہ کی حدود کو توڑا ہے۔

جواب: جب تک صورتِ حال کا تفصیلی تذکرہ آپ کے سامنے نہ کیا جائے یہ غلط فہمی دور نہیں ہو سکتی۔ مالک بن نویرہ قبیلہ بنی تمیم کا سردار تھا، وجیہہ، خوب صورت، سخی اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ

Marfat.com

بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از راہ نوازش اسے اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ اور صدقات جمع کرنے کا منصب تفویض فرمایا اور حضورؐ کے وصال تک یہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ارتداد کا جو جھگڑا چلا اس میں یہ بھی اپنی شمع ایمان کو بچا نہ سکا۔ دوسرے کئی لوگوں کی طرح اس نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں جو روپیہ یا غلہ اس کے پاس جمع تھا۔ اس نے اسے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ جب حضورؐ کی وفات کی خبر اس کے پاس پہنچی تو اس کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی ڈھول بجائے اور خوب فرحت و شادمانی کا اظہار کیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے طلحہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا کے مقابلے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ حضرت خالد جب اس کے علاقہ میں پہنچے تو طلحہ نے راہ فرار اختیار کی اور اس کا قبیلہ تتر بتر ہو گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مالک بن نویرہ کی گوشمالی کا قصد کیا جو بطاح کے علاقہ میں انکار زکوٰۃ کی خطرناک مہم کا سرغنہ بنا ہوا تھا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس کے کئی ساتھی تائب ہو کر از سر نو مسلمان ہو گئے لیکن یہ شش و پنج میں ہی مبتلا رہا اور آخر وقت تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ انکار زکوٰۃ کے موقف پر ڈٹا رہے یا اپنے دوسرے رفقاء کی طرح توبہ کر کے از سر نو مسلمان ہو جائے۔

حضرت خالد قبیلہ اسد و غطفان اور ان کے حلیفوں سے نپٹنے کے بعد جب بطاح کے علاقہ میں پہنچے تو مالک بن نویرہ نے اپنے قبیلہ کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب خالد بطاح میں پہنچے تو

Marfat.com

وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے علاقہ میں پھیل جانے کا حکم دیا اور انھیں ہدایت کی کہ جو شخص تمھیں ملے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اگر وہ یہ دعوت قبول کرے تو اس سے تعرض نہ کرنا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ مرتد ہے اور واجب القتل۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی اسلامی لشکروں کو ملک کے مختلف اطراف میں روانہ کرنے سے پہلے یہ وصیّت کی تھی کہ وہ جہاں جائیں اذان دیں۔ اگر وہاں کے رہنے والے بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ کریں اور اگر ان کی بستی سے اذان کی آواز بلند نہ ہو تو ان پر حملہ کرنے کی اجازت ہے۔ جب وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان سے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ دینے پر بھی آمادہ ہو جائیں تو انھیں کچھ نہ کہا جائے اور اگر وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو پھر ان کو تہ تیغ کر دیں۔

لشکر اسلام کا ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے حضرت خالد کے پاس لے آیا۔ آپ نے اس دستہ سے پوچھا کہ کیا مالک نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں تو حضرت ابو قتادہ انصاری نے جو اس دستہ میں شریک تھے کہا کہ بے شک اس نے اسلام قبول کیا، لیکن اس دستہ میں شامل دوسرے لوگوں نے اس کے مسلمان ہونے کی تردید کی اور بتایا کہ وہ حسبِ سابق اپنے ارتداد پر قائم ہے۔ اس اختلاف کے باعث حضرت خالد نے خود مالک بن نویرہ سے طویل گفتگو کی تفصیل دیگر مؤرخین کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں تحریر کی ہے۔

جب مسلمان لشکر مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں

Marfat.com

لے آیا تو آپ کی اس سے طویل گفتگو ہوئی۔ مالک نے حضرت خالد کے استفسار کے جواب میں کہا :

انی آتی بالصلوٰۃ دون الزکوٰۃ ۔

(میں زکوٰۃ تو ادا کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل نہیں ہوں ۔)

حضرت خالد نے کہا :

" اما علمت ان الصلوٰۃ و الزکوٰۃ معًا لا تقبل واحدۃ دون اخریٰ "

" کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت یکساں ہے اور ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں ہوتی "

مالک نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا :

قد کان صاحبك یقول ذالك

(ہاں! تمھارا صاحب یونہی کہا کرتا تھا ۔)

حضرت خالد اس کے گستاخانہ لہجہ اور انداز گفتگو کو سن کر برافروختہ ہو گئے ۔فرمایا : کیا حضور تمھارے صاحب نہیں ہیں ؟ اگر تم زکوٰۃ دینے سے انکار کرو گے تو تمھارا سر قلم کر دوں گا ۔

پھر اس کے منہ سے نکلا :

او بذلك اوك صاحبك

(کیا تمھارے صاحب نے تمھیں یہی حکم دیا ہے ؟

خالد نے غصہ سے کہا :

Marfat.com

وھٰذہ بعد تلك واللہ لا قتلنك۔

پہلی گستاخی کے بعد دوبارہ پھر گستاخی کر رہے ہو بخدا! میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

اس گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مالک بن نویرہ اگرچہ نماز کا قائل تھا لیکن زکوٰۃ کا منکر تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ادب اور احترام سے اس کا دل خالی تھا۔ اسی لیے بار بار صاحبک کا لفظ اس کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے۔ جو شخص ارکان دین میں سے زکوٰۃ جیسے اہم رکن کا انکار کر دے جو شخص بارگاہِ رسالت میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرے اس کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہتا ہے یقیناً وہ شخص واجب القتل تھا۔ اور حضرت خالد نے شریعتِ اسلامیہ کے ضابطے کے مطابق اس کو تہ تیغ کیا۔

کیوں کہ وہ نماز کی فرضیت کا قائل تھا حضرت ابو قتادہ نے اس کی اذان ضرور سنی ہو گی لیکن اس وقت جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ نماز کی فرضیّت کے بارے میں نہ تھا، بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں تھا اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص دین کے فرائض میں سے کسی ایک فرض کا بھی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے؛

حضرت خالد کے پہنچنے سے پہلے مالک نے اپنے لشکر کو منتشر کر دیا۔ حضرت خالد نے انھیں تلاش کرنے کے لیے اپنی فوج کے دستے روانہ کئے ایک

Marfat.com

دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ اس کے بارے میں اس دستہ میں اختلاف رونما ہوا۔ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھی۔ دوسرے مجاہدین اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ حضرت خالد نے ان لوگوں کو نظر بند کر دیا تاکہ ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے پوری تحقیق کر لی جائے اور حضرت ضرار بن ازور کو ان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ موسم سخت سرد تھا رات کو بارش برسنے لگی حضرت خالد کو ان نظر بندوں کا خیال آیا تو پریشان ہو گئے، مبادا سردی اور بارش کی وجہ سے انھیں تکلیف پہنچ رہی ہو۔ آپ نے ایک آدمی دوڑایا جس نے یہ پیغام پہنچایا :

ادفئوا اسراکم۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ اس کڑاکے کی سردی میں ان ان نظر بندوں کو گرم رکھو تاکہ ٹھنڈ انھیں گزند نہ پہنچائے لیکن بنی کنانہ کی لغت میں یہ جملہ بطور کنایہ قتل کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ضرار جن کے سپرد ان اسیروں کی نگہداشت تھی بنی کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے یہی سمجھا کہ قائد لشکر نے ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان سب کا کام تمام کر دیا جب شور وغل بلند ہوا تو حضرت خالد نے اس کی وجہ پوچھی۔ حقیقت حال سن کر آپ بڑے متاسف ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک تیسری روایت ہے جسے علامہ یاقوت نے اپنی کتاب معجم البلدان میں "بطاح" کے عنوان کے نیچے درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں : البطاح بنی اسد قبیلہ کے علاقہ میں ایک چشمہ کا نام ہے وہاں مسلمان اور مرتدین کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے

Marfat.com

اور ضرار بن ازور اسلامی مقدمۃ الجیش کے سالار تھے۔ مالک بن نویرہ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلا بُطاح کے میدان میں دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی، ضرار نے کھلی جنگ میں مالک کو قتل کیا ۔ ان روایات جو تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت خالد نے قتل عمد کا ارتکاب کیا، اور مالک بن نویرہ کو مسلمان سمجھتے ہوئے تہ تیغ کیا تاکہ ان سے قصاص لیا جائے۔

صاحب اغانی نے اس واقعہ کو جس افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے وہ ادب کی کتابوں میں تو گوارا کیا جاسکتا ہے لیکن مؤرخ کی نظروں میں اس کی قطعاً کوئی تاریخی اہمیت نہیں تاکہ اس پر استدلال کی عمارت تعمیر کر کے حسب منشا نتائج اخذ کئے جائیں لیکن یہ بات وہیں ختم نہیں ہوتی ابو قتادہ غصہ سے بھرے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور زور شور سے حضرت خالد کی شکایت کی۔ انھوں نے فاروق اعظمؓ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ چنانچہ حضرت خالد کو دربار خلافت میں طلب کیا گیا اور آپ سے اس بارے میں باز پرس کی گئی۔ آپ نے جب خلیفۃ الرسول کی بارگاہ میں حقیقتِ حال پیش کی تو حضرت ابوبکر مطمئن ہو گئے اور انھیں اپنی فوج کی قیادت کرنے کے لیے محاذِ جنگ پر واپس بھیج دیا۔

حضرت فاروق اعظم نے جب آپ کو بار بار مجبور کیا کہ خالد سے قصاص لیا جائے تو آپ نے فرمایا،

ھبہ، یا عمر تاول فاخطاء فارفع لسانك عن خالد۔

اے عمر! چھوڑو بھی زیادہ سے زیادہ اس نے تاویل کی ہے اور اس میں اس سے خطا ہوئی۔ جب حضرت عمر پھر بھی نہ مانے تو آپ نے دو ٹوک الفاظ

Marfat.com

میں کہا :

لا یا عمر ما کنت لاشیم سیفا سلہ اللّٰہ علی الکافرین۔

نہیں، اے عمر! ہر گز نہیں میں اس تلوار کو نیام میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں

جسے اللہ تعالٰے نے کفار پر بے نیام کیا ہے۔

اہل نظر جب حضرت خالد کے بارے میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فیصلے کو دیکھتے ہیں تو ان کی حیرت کی حد نہیں رہتی کہ آپ نے وہی فیصلہ کیا کہ جو آپ کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جب ان ہی خالد سے اسی قسم کا واقعہ سرزد ہوا تھا۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔

بنی خذیمہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا تھا جس کے قائد حضرت خالد تھے وہ لوگ اس سے پہلے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی قواعد اور اصطلاحات سے روشناس نہ تھے جب مجاہدین نے ان پر حملہ کیا تو زور زور سے کہنے لگے : "صبانا صبانا" اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ ہم بے دین ہو گئے۔ ہم بے دین ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور نیا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ صحابہ کرام ان کے اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور ان میں سے بیشتر کو تہ تیغ کر دیا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ واقعہ پیش کیا گیا تو حضور بہت برافروختہ ہوئے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ کہے :

اللھم انی ابرئ الیك مما صنع خالد۔

(اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری جناب میں برأت

Marfat.com

کا اظہار کرتا ہوں۔"

حضور نے ان مقتولین کی دیت بیت المال سے ادا کر دی لیکن نہ حضور نے حضرت خالد کو ان کے قصاص میں قتل اور نہ ان کو ان کے منصب سے معزول کیا جو فیصلہ حضور نے حضرت خالد کے بارے میں کیا تھا۔ حضور کے جانشین صدیق اکبرؓ نے بعینہٖ وہی فیصلہ فرمایا۔ اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بارگاہِ صدیقی میں زبان طعن دراز کر سکے۔

اس کے علاوہ عہد نبوت میں متعدد واقعات رونما پذیر ہوئے اور حضور نے کسی سے قصاص نہیں لیا۔

ایک جنگ میں حضرت اسامہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا تھا۔ حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا:

"یا اسامہ اقتلتہ بعد ان قال لا الٰہ الا اللہ"

اے اسامہ! تو نے اس کے بعد اس شخص کو قتل کیا جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا۔

یہ جملہ حضور نے تین مرتبہ دہرایا۔ اسامہ کے اس فعل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر لیا، لیکن حضرت اسامہ سے نہ قصاص لیا اور نہ ان کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور نہ یہ فرمایا کہ تم کفارہ ادا کرو۔

حالتِ جنگ میں اس قسم کے واقعات فوری طور پر رو پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں فیصلہ درست نہیں ہوتا، لیکن اس میں کسی قسم کی بدنیتی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسے واقعات پر قائد لشکر سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا جائے تو پھر جنگ ہو چکی۔

ہم ان لوگوں سے بڑے ادب کے ساتھ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں جو حضرت

Marfat.com

صدیق پر اعتراض کرتے ہوتے نہیں تھکتے کہ اگر ان سے کوئی شخص یہ پوچھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوجود خلیفہ با اختیار ہونے کے حضرت عثمان کے قاتلوں سے کیوں قصاص نہیں لیا تو اس کا وہ کیا جواب دیں گے جو ان کا جواب ہو گا. وہی حضرات حضرت صدیق اکبر کی طرف سے قبول فرمالیں۔

اس سلسلے میں دوسرا اعتراض مالک بن نویرہ کی زوجہ ام تمیم کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت خالد نے مالک کے قتل کے بعد فوراً اسے اپنی زوجہ بنا لیا حالانکہ انقضائے عدت سے پہلے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں تھا۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ عدت وفات کا گزارنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب خاوند مسلمان ہو ایک کافر اور مرتد کے قتل کے بعد اس کی بیوی پر عدت گزارنا ضروری نہیں البتہ استبراء رحم ضروری ہے تاکہ یہ ضروری ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں اور وہ ایک حیض سے بھی ہو سکتا ہے اور اس قسم کی روایات کتب معتبرہ میں موجود ہیں کہ آپ نے تین حیض گزارنے کے بعد اس کو نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

علامہ ابن خلقان لکھتے ہیں :

وقیل انها اعتدت ثلاث حیض ثم خطبها علی نفسه فاجابته (وفیات الاعیان)

کہ ام تمیم نے تین حیض گزار کر اپنی عدت پوری کی اور پھر حضرت خالد نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے تصریح کی ہے :

Marfat.com

فلما حلت بنی بھا۔

جب وہ شرعاً حلال ہوگئی تو آپ نے اس کو اپنی زوجیت میں لیا۔

۲ : دوسرا اعتراض

حضرت صدیق اکبرؓ پر معترضین کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ شہداء جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لیے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں مہاجرین و انصار کے جلیل القدر بزرگ شامل تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا نام ان مجاہدین میں تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نہ خود گئے اور نہ حضرت عمرؓ کو بھیجا، حالانکہ حضور نے یہ تاکیدی حکم فرمایا تھا:

جھزوا جیش اسامہ لعن اللہ تعالیٰ من تخلف عنھا

"اسامہ کے لشکر کی تیاری کرو خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اس کے پیچھے رہ جاتے۔"

وہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ نبوی کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی سیرت کے بارے میں ساری خوش فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

جواب : معترضین نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے یہ اعتراض تو جڑ دیا، لیکن حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کی زحمت گوارا نہ کی جو اس وقت رونما ہوئے ورنہ وہ غلط فہمی کی اس دلدل میں پھنس کر نہ رہ جاتے۔ حقیقتِ حال پیشِ خدمت ہے۔ مطالعہ فرمائیے اور اپنے قلبِ سلیم سے فیصلہ طلب کیجئے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۶ صفر بروز دوشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیار کیا، زید بن حارثہؓ

Marfat.com

شہیدِ موتہ کے نوخیز فرزند حضرت اسامہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ۲۸ صفر کو نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوگئی اس کے باوجود حضور نے دوسرے روز اپنے دستِ مبارک سے پرچم باندھا اور اسامہ کو حکم دیا۔

"اغز بسم اللہ وفی سبیل اللہ وقاتل من کفر اللہ"

"اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے روانہ ہوجاؤ جو شخص اللہ تعالےٰ کا منکر ہو اس کے ساتھ جنگ کرو۔"

حضرت اسامہ یہ پرچم لیے ہوئے مقام جرف پر آکر رکے اور مجاہدین کا انتظار کرنے لگے بدھ کے روز مرض نے شدت اختیار کر لی۔

پنجشنبہ کی رات کو فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دیں جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ گویا ابتدا میں حضور نے آپ کو اسامہ کے لشکر کا سپاہی مقرر کیا لیکن پھر حضور نے ہی اپنی علالت کی وجہ سے حضرت صدیق کو اپنی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت صدیق کی اقتدا میں نماز ادا کریں۔ ڈیوٹی میں تبدیل حضرت صدیق نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ آپ کا تخلف حضور کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی مرضی سے اور جو کام صدیق اکبرؓ نے اپنے مرشدِ برحق کے ارشاد کے مطابق سرانجام دیا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امتِ مسلمہ نے بالاتفاق آپ کو خلیفۃ الرسول کے منصب کے لیے چن لیا اب صرف اسامہ کے لشکر کی

لہ: یہ مقالہ ماہنامہ ضیائے حرم کے "صدیق اکبر نمبر" سے لیا گیا۔

Marfat.com

تیاری ہی آپ کا فرض نہیں رہا تھا بلکہ مملکتِ اسلامیہ کو داخلی اور بیرونی ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کرنا آپ کی منصبی ذمہ داری ہو گئی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضورؐ کے وصال کے سانحہ کے بعد یکایک ارتداد و بغاوت کی آندھیاں چلنے لگیں وہی قبائل جو کل تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے لگ گئے۔ ان حالات کے پیش نظر اکابر صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کو کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ دار السلطنت کو خالی دیکھ کر دشمن یلغار کر دے۔ بے شک مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا۔ بظاہر حالات بھی اس تجویز کی تائید کر رہے تھے لیکن حضرت صدیق کا ایمان اور یقین اس مشورہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: جس لشکر کا پرچم رحمت عالم نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا ہے۔ ابوبکر کی مجال نہیں کہ اس کو کھول سکے۔ حالات کتنے ہی ابتر اور سنگین کیوں نہ ہوں یہ لشکر نبی اکرم کی مقرر کردہ مہم کو سر کرنے کے لیے ضرور جائے گا۔ پھر پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت صدیق نے جیش اسامہ کو الوداع کہا اور چند ہفتوں کے بعد فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا یہ لشکر بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آگیا۔

ان حالات میں اس لشکر کو روانہ کرنا اس کے لیے ہر قسم کا اسلحہ اور ساز و سامان مہیا کرنا تمام مصلحتوں اور خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اتنی بعید مسافت پر اس کو بھیجنا حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ کارنامہ ہے جس پر اسلام اور ایمان کو ناز ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

Marfat.com

نیز یہ جملہ "جلدوا الخ" جو ان لوگوں نے حضور کی طرف منسوب کیا ہے اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں یہ ان لوگوں کی خانہ زاد اختراع ہے جو آفتاب صدیقیت کی تاب نہیں لا سکتے۔

تیسرا اعتراض

معترضین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے خود اعتراف کیا:

ان لی شیطانا یعترینی فان اسقمت فاعینونی

وان زعمت فقوّمونی

یعنی ایک شیطان ہے جو مجھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری امداد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے درست کرو۔

معترضین کہتے ہیں کہ آپ شیطان کے زیر اثر ہیں۔ وہ جب چاہے آپ کو راہ راست سے بہکا سکتا ہے۔ ایسا شخص تو امامت و خلافت کے منصب کا ہرگز سزاوار نہیں۔

جواب

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں یہ قول موجود نہیں بلکہ ان حضرات کا طبع زاد ہے جو صحابہ کرام کی شان کی تنقیص میں ہر لمحہ جدت طرازیاں کرتے رہتے ہیں اس لیے اس کے جواب کی ذمہ داری ہم پر عائد ہی نہیں ہوتی اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آپ کا ہی قول ہے تو اس میں قباحت کونسی ہے اللہ کے بندے ہر وقت اپنے نفس کی وسوسہ اندازیوں سے چوکنے رہتے ہیں شیطان کی وسوسہ کاریوں سے بچنے کے لیے

Marfat.com

مصروفِ عمل رہتے ہیں کیا آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نہیں پڑھا، جسے زبان قدرت نے قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے:

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی۔

آپ نبی ہیں صدیق ہیں گلشن خلیل کے گل سر سبد ہیں لیکن بایں ہمہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بے شک نفس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ برائی کا بکثرت حکم دیتا ہے مگر جس پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائے وہ اس کی زد سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ عجز و نیاز کا مقام ہے جتنا کسی کا مرتبہ بلند و بالا ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس میں سرافگندگی اور اعتراف عبدیت کا جذبہ شدید ہوتا ہے۔ یہ اس کے کمال کی دلیل ہے نہ کہ وہ نقص و عیب امام الاتقیا، سید الاولیا، حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے:

لا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست بفوق ان اخطی ولا امن ذلك من فعلی۔ (نہج البلاغہ)

یعنی حق بات کہنے سے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہا کرو کیوں کہ میں اپنے آپ کو خطا سے بلند خیال نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا ہر فعل درست ہے سیدنا علی مرتضیٰ کا یہ ارشاد آپ کی رفعت شان کی دلیل ہے۔ اس لیے یہ معنی اخذ کرنا آپ خطا کار تھے یا آپ کے افعال قابل اعتماد نہ تھے پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ منصب امامت کے اہل نہ تھے حد درجہ کی نادانی اور ابلہی ہے۔

Marfat.com

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ذکر الٰہی اور اطاعت الٰہی میں بسر ہوا جن کے دامن عصمت پر خطا اور غفلت کا کوئی داغ موجود نہیں بارگاہ الٰہی میں دستِ دعا پھیلاتے ہیں اور یوں عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں۔

"قد ملك الشيطن عنا في سوء الظن وضعف اليقين
واني اشكو سوء مجاورته و اطاعة نفسي له واستعصمك
من ملكته واتضرع اليك في صرف كيده عني"

(صفحہ ۱۱۶ صحیفہ کاملہ سجادیہ مطبوعہ تہران)

اس عربی عبارت کا فارسی ترجمہ بھی اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۷ پر موجود ہے وہ بھی پیش خدمت ہے تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے مترجم ہیں آقائی حاج مرزا ابوالحسن شعرانی۔

"شیطان عنان مرا گرفتہ سوئے ضعف یقین و بدگمانی مے کشاند
اکنوں از بد صحبتی او نسبت بمن و خوش طاعتی خودم نسبت با و شکایت
دارم و از چیرہ گشتن او پناہ بتو مے برم و بلا بہ و زاری از تو مے
خواہم کید او را از من دفع کنی"

ترجمہ: "الٰہی شیطان میری باگ کو پکڑ کر مجھے یقین اور (تیری رحمت سے)
بدگمانی کی طرف کھینچ رہا ہے اور اب اپنے بارے میں اس کی ہمسائیگی کی برائی
اور اس کی اطاعت کیشی سے میں تیری جناب میں شکوہ سنج ہوں اس کے
غالب آنے سے میں تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں بڑی عاجزی اور زاری سے درخواست
کرتا ہوں کہ اس کے مکروفریب کو مجھ سے دور کر دے۔"

Marfat.com

بارگاہ رب العزت میں امام معصوم کی یہ درخواست عجز و نیاز کا ایک لاجواب مُرقع ہے جو صرف آپ کے مقام رفیع اور ذات ستودہ صفات کے شایانِ شان ہے۔ اگر کوئی بد دماغ اس عبارت کو پڑھ کر آپ کی علو مرتبت کا انکار کرتا ہے یا اس اعتراف کے پیشِ نظر آپ کو منصب امامت کا اہل نہیں گردانتا تو یہ اس کی بدبختی اور حرماں نصیبی کی انتہا ہے اسی ارشاد پر آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب اس قول کو محمول کر لیجئے۔

اگر آپ اس خود ساختہ روایت کا سہارا لے کر بارگاہ صدیقی میں زبانِ طعن دراز کرنے پر مصر ہوں گے تو بات یہاں پر ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ ان اولوالعزم ہستیوں کے بارے میں آپ گستاخ لوگوں کو زبان درازی کا زریں موقع فراہم کر دیں گے۔

چوتھا اعتراض

یہ صاحبان جولانی طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اقیلونی فلست بخیرکم و علی فیکم۔

مجھے بیعت خلافت سے سبکدوش کر دو میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علی تم میں موجود ہیں۔

یہ جملہ نقل کرنے کے بعد معترضین کہتے ہیں کہ اگر آپ خلیفہ برحق تھے تو آپ کا مستعفی ہونا معصیت تھا اور اگر آپ خلیفہ برحق نہیں تھے بلکہ جبراً مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

Marfat.com

جواباً گذارش ہے کہ یہ عبارت بھی اہلسنت کی کتب احادیث میں سے کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں اور نہ اس کی سند کا سراغ لگ سکتا ہے۔ یہ عبارت اپنی اس ترتیب کے ساتھ بھی یاران ستم کیش کی طبع فتنہ زاد کا اختراع ہے۔

پانچواں اعتراض

اس اعتراض کو بھی بڑے زور شور سے اُچھالا جاتا ہے اور اس سے شانِ صدیق اکبرؓ کی تنقیص ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ اسے بھی سماعت فرمائیے پھر حقیقتِ حال پیش خدمت کی جائے گی آپ بآسانی کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ۹ھ میں حجاج کا جو قافلہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا اس کے امیر حضرت ابوبکر صدیق مقرر ہوئے۔ نیز آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہاں جا کر حج کے موقع پر سورت برأت کا اعلان کر دیں۔ اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حضور نے اس منصب کے اہل نہ سمجھا اور معزول کر دیا۔ اور وہ قافلہ حجاج کے امیر بھی نہیں بن سکتے تو ساری امتِ مسلمہ کے امیر کیوں کر بن سکتے ہیں۔

یہ تو ان کی بات۔ اب حقیقتِ حال پر غور فرمائیں۔

۶ھ کو صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس دفعہ مسلمان واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ حج ادا کرنے کے لیے آ سکتے ہیں۔ چنانچہ ۷ھ میں حجاج کرام کا ایک قافلہ تیار ہوا۔ اہم مصروفیات کے باعث سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو

Marfat.com

امیر قافلہ متعین فرما دیا۔

ایک روایت کے مطابق سورہ برأت نازل ہو چکی تھی، حضور نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ حج کے موقع پر جب جزیرۂ عرب کے اطراف و کناف سے حج کرنے کے لیے لوگ جمع ہو جائیں وہاں سورۂ برأت کا اعلان کر دیں۔ وہ قافلہ حضرت صدیق اکبرؓ کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا بعد میں نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور عرفات کے میدان میں حضورؐ کی طرف سے سورۂ برأت کا اعلان کریں۔ حضرت صدیق اکبرؓ مکہ کی طرف رواں دواں تھے! اچانک حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ کی آواز آپ کے کانوں میں گونجی فوراً رک گئے۔ اور بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ خیال ہوا کہ سرکار بنفس نفیس حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں لیکن ناقہ سوار پہنچا تو معلوم ہوا کہ اونٹنی پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سوار ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے پہلا سوال یہ کیا (انت امیر او مامور) کیا آپ قافلہ حجاج کے امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر یعنی دوسرے عام حاجیوں کی طرح قافلہ میں شرکت کے لیے پہنچے ہیں۔ آپ نے جواب دیا "بل مامور" کہ امیر قافلہ بدستور آپ ہی ہیں مامور بن کر آیا ہوں۔ چنانچہ اس سفر میں سیدنا علیؓ ابوبکر صدیقؓ کی امامت میں نمازیں ادا کرتے رہے آپ کی قیادت میں تمام ارکان حج ادا کرتے رہے یوم ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ سے ایک دن پہلے حضرت صدیقؓ نے بحیثیت امیر الحج تمام لوگوں کو جمع کیا۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حج کے اسلامی طریقہ سے انھیں روشناس کیا۔ حضرت علیؓ فقط اس مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ شریف کا

Marfat.com

کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ عہد جاہلیت کے رواج کے مطابق کوئی شخص ننگا ہوکر طواف نہ کرسکے گا۔ اعتراض تو تب درست ہوتا اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو قافلہ حجاج کی امارت سے معزول کردیا ہوتا اور ان کے بجائے حضرت علی مرتضےٰ مقرر کیے جاتے۔ جب ایسا نہیں ہوا اور حضرت صدیق اکبر بدستور امیرالحج کے فرائض انجام دیتے رہے تو پھر محل اعتراض کیا ہے رہی یہ بات کہ حضور نے سورۂ برآت کے اعلان کے لیے حضرت علی کو کیوں بھیجا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد نازل ہوئی۔ تفسیر بیضاوی مدارک، نیشاپوری جذب القلوب اور دیگر مستند کتب میں اسی روایت کو کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور علماء حدیث کے نزدیک بھی یہی روایت قابل ترجیح ہے۔ لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت پہلے نازل ہوچکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کے اعلان کا بھی حکم دیا تھا۔ اس صورت میں حضرت علی مرتضےٰ کو بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب معاہدہ کو کالعدم قرار دینا مقصود ہوتا تو اس کا اعلان معاہدہ کرنے والا خود کرتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔ کیونکہ سورۂ برآت کا اعلان عرب کے غیر مسلم باشندوں کے سامنے کیا جاتا تھا جو اسلامی قواعد وضوابط سے ناواقف تھے۔ اس لیے ان کے مروجہ طریقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ کفار اور مشرکین کے مجمع میں سابقہ معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان فرمادیں۔

چھٹا اعتراض

صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کے بے رحم نقاد بڑی سنگدلانہ جسارت

Marfat.com

یہ پروپیگنڈہ کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ شامل نہیں ہوئے یہ حصول اقتدار کی جنگ میں یوں مصروف ہو گئے کہ سرور عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے فرائض کی ادائیگی کا انہیں خیال نہ رہا۔

کہنے کو انسان جو جی چاہے کہتا رہے اور لکھنے کو جو جی میں آئے لکھتا رہے۔ آزادی کا زمانہ ہے کوئی کسی سے یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتا کہ میاں حق و صداقت کا منہ کیوں چڑا رہے ہو۔ اس سعی لاحاصل سے باز آجاؤ لیکن کسی کے کہنے یا کسی کے لکھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جایا کرتی۔ تاریخ کے ان مٹ واقعات تو مسخ نہیں کئے جا سکتے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سرور کائنات کی نماز جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی جس طرح عام لوگوں کی پڑھی جاتی ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام آگے بڑھتا ہے بلند آواز سے متعدد بار تکبیریں کہتا ہے۔ سلام پھیرتا ہے اور اس طرح نماز جنازہ اختتام پذیر ہو جاتی ہے بلکہ اہل سنت اور اہل تشیع سب متفق ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی نماز جنازہ ایک مخصوص طریقہ سے پڑھی گئی۔ حضور کو غسل دینے کے بعد کفن پہنایا گیا اور لحد مبارک کے کنارے پر چارپائی رکھ دی گئی۔ دس دس آدمی اندر داخل ہوتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے جاتے پہلے حضور پر درود و سلام بھیجتے پھر حضور کی رسالت کی گواہی دیتے اور باہر نکل آتے یہ سلسلہ سوموار کی سہ پہر سے شروع ہوا بقیہ دن آئندہ رات اور منگل کا دن اسی طرح لوگ گروہ در گروہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور

Marfat.com

ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہے۔ پہلے حضور کے خاندان نے یہ شرف حاصل کیا پھر مہاجرین وانصار صف در صف حاضر ہوتے رہے۔ جب سارے مرد نماز جنازہ پڑھ چکے پھر عورتوں کی باری آئی ان کے بچوں نے یہ شرف حاصل کیا یہاں تک کہ کوئی غلام اور لونڈی بھی ایسی نہ رہی جس نے حاضری نہ دی ہو۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ کے متعلق تو صراحتاً مذکور ہے کہ آپ جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوتے تو ان کے ہمراہ مہاجر اور انصار بھی تھے۔ اور انھوں نے عرض کی:

"السلام علیك ایها النبی ورحمة وبرکاته"

پھر حضور کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔

نماز جنازہ کی یہ کیفیت کتب اہل سنت میں مذکور ہے۔ اب شیعہ حضرات کی معتبر کتب کے حوالے ملاحظہ فرمائیے تاکہ یہ غلط فہمی آپ کے ذہن سے نکل جائے۔

اصول کافی جو ان حضرات کی حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس میں حضرت امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں:

عن ابی مریم الانصاری عن ابی جعفر علیه السلام قال قلت له کیف کانت الصلوٰة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم قال لما غسله امیر المؤمنین علیه السلام وکفنه سجاه ثم ادخل علیه عشرة فداروا حوله ثم واقف امیر المؤمنین فی وسطهم وقال ان الله وملائکته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما فیقول القوم کما یقول حتی صلی علیه اهل المدینه و

Marfat.com

اهل العوالی۔ (اصول کافی جلد دوم صفحہ ۴۶۱ کتاب الحجہ)

ابومریم انصاری نے امام محمد باقر سے پوچھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی کیفیت بتائیے آپ نے فرمایا جب امیرالمومنین نے حضور کو غسل دیا اور کفن پہنایا تو اوپر چادر ڈال دی پھر حجرہ میں دس آدمی داخل گئے جو حضور کے اردگرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور یہ آیت تلاوت کی ، ان اللہ وملائکتہ (الآیہ) یہ لوگ آپ کی زبان سے جو نکلتا اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ اور اردگرد کی بستیوں میں رہنے والوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

اس کتاب کی دوسری حدیث جس کے راوی امام جعفر صادق ہیں اس میں سیدنا علیؓ کا یہ ارشاد منقول ہے :

یایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم امام حیا ومیتا وقال انی ادفن فی البقعۃ التی اقبض فیھا ثم قام علی الباب فصلی علیہ امر الناس عشرۃ عشرۃ یصلون علیہ ثم یخرجون۔

حضرت علی نے فرمایا : اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی سب کے امام ہیں۔ حضور نے فرمایا : مجھے اس جگہ دفن کیا جائیگا جہاں میری روح قبض ہوگی۔ پھر علی المرتضیٰ حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے نماز جنازہ پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا کہ دس دس داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہیں اور نکلتے رہیں۔

اسی کتاب میں ایک اور حدیث اسی جگہ پر مذکور ہے :

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض النبی صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم صلت علیہ الملائکہ والمھاجرین والانصار فوجا فوجا۔

یعنی امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد پہلے فرشتوں نے پھر تمام مہاجرین اور تمام انصار نے فوج در فوج، گروہ در گروہ حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔

اسی کتاب کے مترجم آیۃ اللہ الحاج الشیخ محمد باقر الکمرئی فارسی ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ طبرسی نے اپنی مشہور کتاب الاحتجاج میں لکھا ہے۔

سپس دہ دہ از مہاجرین و انصار را وارد کرد بر او نماز خواندند و رفتند تا ہمہ بر او نماز خواندند۔

یعنی پہلے حضرت علی نے اہل بیت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اس کے بعد دس دس مہاجرین اور انصار کو اندر داخل کرتے اور وہ نماز جنازہ ادا کرتے اور چلے جاتے یہاں تک کہ تمام مہاجرین اور انصار نے نماز جنازہ کا شرف حاصل کیا۔

جب دو روز تک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک رات دن نماز جنازہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی اپنی تصریحات کے مطابق مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے نماز جنازہ کی سعادت حاصل نہ کی ہو تو پھر یہ پروپیگنڈا کرنا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ نہیں پڑھی عقل و انصاف کے سراسر خلاف ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

Marfat.com

Marfat.com

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اور

خلفائے راشدین

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں جو متمدن حکومتیں قائم تھیں وہاں ملوکیت (شاہی) کا نظام رائج تھا۔ ہر بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا یا اس کا قریبی وارث مسندِ حکومت پر فائز ہوتا اور ساری رعایا بے چون وچرا اس کو اپنا حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرلیتی۔ شاہی خاندانوں نے اپنی حکومت کی جڑوں کو مستحکم اور گہرا کرنے کے لیے مذہب کو بھی بڑی مہارت سے استعمال کیا انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے مذہبی تقدس کا ہالہ اپنے اردگرد قائم کر رکھا تھا تاکہ رعایا میں سے کوئی شخص بھی بادشاہِ وقت پر اعتراض نہ کرسکے اور نہ اس کو ہٹانے کا تصور اس کے دل و دماغ میں رونما ہو۔ چنانچہ عوام الناس اپنے بادشاہ کی بے چون وچرا اطاعت مذہبی فریضہ یقین کرتے تھے۔ بادشاہ خواہ کتنا ظالم، نااہل اور بدکردار ہو اس کے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح بے بس رعایا ظالم حکمرانوں کے جبر و استبداد کو برداشت کرتی۔ یہ ان کی نالائقیوں کی سزا بھگتتی اور ان کی حماقتوں کے باعث طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوتی رہتی۔

Marfat.com

ایران میں آلِ ساسان کی حکومت قائم تھی۔ اور نسلاً بعد نسل یہی خاندان ایران کا حکمران چلا رہا تھا اور ایرانی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آلِ ساسان کو یہ بادشاہی اور حکمرانی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملی ہے اور کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ کوئی دوسرا ایرانی خواہ وہ کتنا قابل، مدبّر اور منصف مزاج ہو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ آلِ ساسان کے کسی نالائق جابر اور عاقبت نا اندیش حکمران کو ہٹا کر زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے۔ یہ چکر کئی ہزار سال سے چل رہا تھا۔ مغرب میں یہی حالت بزنطینی بادشاہوں کی تھی جو قیصر کے لقب سے ملقب تھے انھوں نے بھی اپنی رعایا کے دلوں میں یہ عقیدہ جما دیا تھا کہ ان کو حکومت کرنے کا حق اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملا ہے۔ جو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے گا۔ وہ صرف قیصرِ وقت کا باغی ہی نہیں ہو گا بلکہ رب العالمین کا بھی نافرمان ثابت ہو گا۔ اہلِ چین اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند کہتے تھے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ آسمان اور زمین میاں بیوی ہیں اور شہنشاہ ختّاان کا پہلوٹی کا لڑکا ہے اور وہ سارے چینیوں کا باپ بھی ہے اور ماں بھی۔

یہ حال تو اس وقت کی متمدّن اور ترقی یافتہ اقوام کا تھا اور جو قومیں وحشت و بربریت کی زندگی بسر کر رہی تھیں ان کا تو ذکر ہی بے سود ہے۔

جب دنیا شاہی استبداد کے شکنجہ میں بُری طرح کسی ہوئی تھی۔ مایوسی اور محرومی کے اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ اس وقت سارے عالم کا نجات دہندہ، سفینۂ انسانیت کا ناخدا، محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آیا۔ حضور نے ان تمام زنجیروں کو کاٹ کے رکھ دیا جن میں انسانیت بُری طرح جکڑی ہوئی تھی ان تمام بندھنوں کو توڑ ڈالا۔ جن میں انسان صدیوں سے مقید تھا۔

اسلام نے زندگی کے دیگر شعبوں میں جہاں دُور رس تبدیلیاں کیں وہاں نظامِ حکومت

Marfat.com

میں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ ملوکیت کی جگہ خلافت اور وراثت کی جگہ شورائی نظام رائج کرکے دنیا کو ایک انوکھے اور عظیم البرکت اصول سے روشناس کیا۔ قرآنِ کریم میں دستورِ اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

اور اہلِ ایمان وہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ اپنے رسولِ معصوم صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔

اے محبوب! آپ ان سے درگزر فرمائیں۔ ان کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے۔

اسی امر خداوندی کے پیشِ نظر حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کسی صحابی کو یا اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ مقرر فرمایا اور نہ ہی خلافت کو وراثت قرار دیا۔ بلکہ خلیفہ کے تقرر کو جمہور مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ وہ باہمی مشورہ سے جن کو چاہیں اپنا سربراہ مملکت منتخب کریں۔

اس مسئلہ میں اسلام کو ماننے والے تقریباً تمام فرقے متفق ہیں البتہ شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ خلافت کو موروثی تصور کرتے ہیں اور حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حضور کے چچا کے بیٹے

Marfat.com

اور عزیز داماد ہیں اور آپ کے بعد آپ کی اولاد میں خلافت اور امامت کو منحصر سمجھتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم، سنت نبوی اور خود حضرت مرتضیٰ کے تعامل سے کس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نیاز مند شاگرد اپنی شبانہ روز محنت سے تیار کیے تھے وہ اپنے محبوب مرشد کی محبت اور عشق میں اتنے سرشار اور وارفتہ تھے کہ وہ اپنے آقا کے ادنیٰ اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ حضور کے حکم کی تعمیل اور پیروی ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ ان کے لیے حضورؐ کے کسی ارشاد سے روگردانی ممکن نہ تھی۔ تاریخِ اسلام کا ہر ورق اس حقیقت پر شاہد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جب انصار نے خلافت کا دعویٰ کیا اور جب انھیں یہ بتایا گیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الائمۃ من القریش ط

(خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیئے۔)

تو انصار کسی تامل کے بغیر اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئے حالانکہ مدینۂ طیبہ میں انصار کی کثرت تھی۔ یہ ان کا آبائی وطن تھا۔ مہاجرین کی تعداد ان سے کم تھی اور قریش کی تعداد نسبتاً اور بھی قلیل تھی اور یہ یہاں کے اصلی باشندے بھی نہ تھے لیکن جب انصار نے اپنے نبی مکرم کا یہ فرمان سنا تو اسی وقت اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اگر حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی بیعت نہ کرتے یا انھیں چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ بنانا منظور کرتے۔ حضورؐ کی اطاعت میں مہاجرین بھی انصار سے کسی طرح پیچھے نہ تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ حضرت علیؓ نے یہ دعویٰ فرمایا

Marfat.com

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور نہ یہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے میری خلافت منصوص ہے بلکہ جب اکابر مہاجرین و انصار نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کی تو آپ بھی ان بیعت کرنے والوں میں شریک ہو گئے. کتب شیعہ سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت فرمائی. شیعہ مصنفین نے بعض مقامات پر آپ کی بیعت کے ساتھ مُکْرَھًا کا لفظ بڑھا دیا ہے. یعنی آپ نے بیعت کی مجبور و ناچار ہو کر حضرت علی مرتضیٰ کی شخصیت کے متعلق یہ کہنا زیادتی اور پرلے درجے کی گستاخی ہے کہ آپ نے مجبور ہو کر بیعت کی. آپ سے کوئی شخص آپ کی منشار کے خلاف بجر و اکراہ بیعت نہیں لے سکتا. اگر حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا خلیفہ متعین کیا ہوتا تو آپ کسی قیمت پر بھی منصب خلافت سے دست کش نہ ہوتے. دین کے معاملے میں سیدنا علی کی جرأت اور بے باکی ضرب المثل ہے. وہ سچی بات کہنے سے گریز نہ کرتے تھے کسی کی شوکت اور دبدبہ انھیں حق سے انحراف پر مجبور نہیں کر سکتا تھا.

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے اس کا ایک ایمان افروز واقعہ سماعت فرمایئے:

ایک روز حضرت عمر نے اپنے عہد میں خطبہ دیتے ہوئے سامعین سے پوچھا:

لو صوفنا کم عن ما تعرفون الی ما تنکرون ما کنتم صانعین.

(یعنی بالفرض اگر ہم تمھیں دین کے ان اصولوں سے روگردانی کرنے پر مجبور کر دیں، جنھیں تم جانتے اور ایسی باتوں کا حکم دیں جنھیں تم نہیں جانتے تو تمھارا ردِ عمل کیا ہو گا؟

سیدنا علی مرتضیٰ اٹھے اور ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اذا کنا نستتیبک فان تبت قبلناک۔

(یعنی پہلے ہم آپ کو اس غلط روی سے توبہ کرنے کی دعوت دیں گے اگر آپ توبہ کریں گے تو ہم اس کو قبول کریں گے۔

حضرت عمر نے فرمایا: اگر میں توبہ نہ کروں؟ حضرت علی مرتضیٰ نے جواب دیا:

اذا نضرب الذی فیہ عیناک:

(یعنی اس صورت میں ہم آپ کا وہ سر قلم کر دیں گے جس میں آپ کی دونوں آنکھیں ہیں۔

حضرت عمر نے مسرت سے سرشار ہو کر فرمایا:

الحمد للّٰہ الّذی جعل فی ھذا الامۃ من اذا اعوججنا اقام اودنا۔

(یعنی اس خدا کریم کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں کہ اگر ہم میں کجی رونما ہو جائے تو وہ ہماری کجی کو درست کر سکتے ہیں۔

(کشف الغمہ جلد اول ص۱۵۷ مطبوعہ ایران)

یہ کوئی معمولی سا واقعہ نہیں ہے جسے بے توجہی سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس سے اس انقلابِ عظیم کا پتہ چلتا ہے جو رہبرِ انسانیت رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے دلوں میں برپا کیا تھا۔ حضور کے فیضِ تربیت سے امتِ مسلمہ سچی بات کہنے کی خوگر ہو گئی تھی۔ حکومت کی ہمنوائی اور حاکم کی خوشامد ان کے تربیت یافتہ مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتی تھی۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب فاروقِ اعظم کی فوجیں مشرق و مغرب میں اپنی فتح و کامرانی کے پرچم لہرا رہی تھیں۔ ایران کی عظمت اور روم کی شوکت غلامانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلامِ عقیدت پیش کرنے میں

Marfat.com

فخر و عزت محسوس کرتی تھی جب کہ فاروقِ اعظم کا آفتاب اقبال نصف النہار پہ چمکتا رہا تھا۔ قیصر و کسریٰ آپ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے اس وقت آپ نے لوگوں سے یہ عجیب و غریب سوال پوچھا تھا لیکن عزتِ نفس، خودداری اور حق گوئی و حق پرستی کا جو جذبہ اسلام نے مسلمانوں میں پھونک دیا تھا وہ سطوتِ فاروق سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ سیدنا علی بڑی صاف گوئی سے ساری امت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم پہلے آپ کو اس غلط روش سے باز آنے کی دعوت دیں گے اور اگر آپ نے ہماری اس دعوت کو قبول نہ کیا تو پھر ہم آپ کو کسی قیمت پہ اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے کہ آپ سنتِ نبویہ کو بدل دیں۔ ہم اپنی تلواروں کو بے نیام کریں گے اور آپ کا سر قلم کرکے رکھ دیں گے یہ حال تو رعایا کا ہے جن کے جذبات و احساسات اور جذبات کی ترجمانی حضرت مرتضیٰ نے فرمائی۔ اب اس جواب کا اثر خلیفۂ وقت پر کیا ہوتا ہے یہ بھی قابلِ غور ہے۔ آپ اس تلخ جواب سے برہم نہیں ہوتے۔ آپ اسے منصبِ خلافت کی توہین خیال نہیں کرتے بلکہ ایمان افروز جواب سن کر آپ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ بار الٰہا! ساری حمد و ثنا کا سزاوار تو ہی ہے جس نے اس خیر الامم میں ایسے حق گو اور حق پرست نفوس پیدا فرمائے ہیں جن کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ اگر فرمانروائے مملکت بھی تیرے دین کے حکم سے روگردانی کرے اور لوگوں کو غلط راہ پہ چلانے کی جسارت کرے تو وہ اسے بزورِ شمشیر روک سکتے ہیں۔ جب ایک فروعی مسئلہ میں حضرت علی ترکِ سنت پر خاموش نہیں ہوتے تو ہم یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ خلافت کا اصول ان کے سامنے پامال ہوتا رہا اور وہ خاموشی اختیار کیے رہے۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کی ایک خصوصیت

Marfat.com

بیان فرمائی بلکہ پیشین گوئی کی جو قطعاً غلط نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ سچے نبی کی سچی پیشین گوئی ہے حضور نے فرمایا: جب میری سنت کو ترک کیا جائے گا تو حضرت علی اپنی ذوالفقار کو بے نیام کرلیں گے۔ اس حیات آفرین واقعہ کو ذرا تفصیل سے سماعت فرمائیں۔

حضرت امام باقر اپنے پدرِ بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ کے نعلِ مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے حضرت علی کو اسے مرمت کرنے کا حکم دیا اور ایک جوتا پہنے ہوئے تھوڑا سا چلے اور اپنے صحابہ کی طرف روئے انور کرکے فرمایا:

اِنَّ مِنْکُمْ مَنْ یُّقَاتِلُ عَلَی التَّاوِیْلِ کَمَا یُقَاتِلُ مَعِیْ عَلَی التَّنْزِیْلِ۔

یعنی ہم میں سے ایک ایسا شخص ہے جس کے ساتھ قرآن کی تاویل پر جنگ کی جائے گی جس طرح میرے ساتھ قرآن کے نزول پر جنگ کی جا رہی ہے۔

فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا ذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا وہ شخص میں ہوں؟

فَقَالَ: لَا۔

فرمایا: نہیں۔

صحابہ خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لٰکِنَّہٗ خَاصِفُ النَّعْلِ فَاَوْمَأَ اِلٰی عَلِیٍّ فَاِنَّہٗ یُقَاتِلُ عَلَی التَّاوِیْلِ اِذَا تُرِکَتْ سُنَّتِیْ وَنُبِذَتْ وَ حُرِّفَ کِتَابُ اللّٰہِ تَکَلَّمَ فِی الدِّیْنِ مَنْ لَیْسَ لَہٗ ذَالِکَ وَ یُقَاتِلُھُمْ عَلٰی اِحْیَآءِ دِیْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

Marfat.com

حضور نے فرمایا، بلکہ وہ شخص جو تامرمت کرنے والا ہے اور حضرت علی کی طرف اشارہ کیا۔ (پھر فرمایا) کہ یہ تاویل پر جنگ کریں گے جب میری سنت کو ترک کردیا جائے گا جب کتاب الٰہی کی غلط تفسیر کی جاتے گی۔ جب دینی معاملات میں ایسے لوگ لب کشائی کرنے لگیں۔ جنھیں یہ حق نہیں پہنچتا اس وقت علی مرتضیٰ اللہ تعالے کے دین کو زندہ کرنے کے لیے ان سے جہاد کریں گے۔ (کشف الغمہ جلد اول صا۲۸۱ مطبوعہ ایران)

اس حدیث سے بھی واضح ہوگیا کہ حضرت علی مرتضیٰ کی غیرت ایمانی ہرگز یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ کسی سنتِ نبوی کو نظر انداز کیا جاتے یا دینی معاملات میں نااہل لوگ لب کشائی کرنے لگیں۔ ایسی صورت میں آپ علمِ جہاد بلند کردیں گے اور جب دین کی بنیاد ہی منہدم کی جارہی ہو تو شیرِ خدا کس طرح خاموش رہ سکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشین گوئی سے یہ معلوم ہوگیا کہ خلفائے ثلاثہ کے ایام میں کوئی سنت ترک نہیں کی گئی۔ کسی نے اپنی رائے کو احکام خداوندی میں دخیل نہیں بنایا۔ اسی لیے سیّدنا علی ان حضرات کے ساتھ صلح وآشتی اور محبت وپیار سے برتاؤ کرتے رہے۔ بصورتِ دیگر آپ ہرگز دین کی پامالی کو برداشت نہ کرتے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اپنی ذوالفقار بے نیام کرنے سے باز نہ رکھ سکتی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک طرف تو ہم حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت وبہادری کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ آپ کی حق گوئی اور بے باکی کی توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ آپ کی جسمانی قوت اور ایمانی طاقت کا ذکر کرکے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم آپ کو اس حیثیت سے پیش کرنے کی بھی گستاخی کرتے ہیں کہ اسلام کا چمن، جسے مصطفیٰ کریم نے عمر بھر کی محنت، جان سوزی اور چٹانوں کو پگھلا دینے والی مصیبتوں کو برداشت کرکے پروان چڑھایا اور اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ، اپنے عم زاد بھائی

Marfat.com

حضرت جعفر طیار اور قریبی رشتہ داروں اور مخلص دوستوں کے خون سے سیراب کر کے اس کو بہار آشنا کیا۔ اس باغ کی بقول شیعہ ایک ایک کلی مسلی جاتی رہی۔ ایک ایک کونپل نوچی جاتی رہی۔ ایک ایک اصول پامال ہوتا رہا۔ حقوق غصب ہوتے رہے۔ لوگ اپنے گھروں میں بے نکاحی عورتیں ڈالے رہے۔ نماز وضو کے طریقے بھی بدل دیے گئے۔ یہ سب دھاندلی حضرت المرتضیٰ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے ہوتی رہی اور آپ معاذ اللہ تقیہ کیے رہے اور خاموش رہے۔

کتاب الروضہ اصول کافی جلد اوّل کی ایک روایت دل پر پتھر رکھ کر آپ بھی سن لیں تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ شیعہ حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا کی سیرت کا کیا خاکہ پیش کرتے ہیں:

ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ وَحَوْلَهٗ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَخَاصَّتِهٖ وَشِيْعَتِهٖ فَقَالَ قَدْ عَمِلَتْ اُلُوْلَاةُ قَبْلِيْ اَعْمَالًا خَالَفُوْا فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُتَعَمِّدِيْنَ لِخِلَافِهٖ نَاقِضِيْنَ لِعَهْدِهٖ مُغَيِّرِيْنَ لِسُنَّتِهٖ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى تَرْكِهَا لَتَفَرَّقَ عَنِّيْ جُنْدِيْ حَتّٰى اَبْقٰى وَحْدِيْ وَقَلِيْلٌ مِنْ شِيْعَتِيْ۔ (کتاب الروضہ اصول کافی جلد اوّل مطبوعہ تہران صہ ۹۵ تا ۱۰۹)

(پھر آپ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کے اردگرد اہل بیت خواص اور شیعہ میں سے بیٹھے تھے اور کہا مجھ سے پہلے جو والی گزرے ہیں۔ انھوں نے ایسے ایسے کام کیے ہیں جس میں انھوں نے دانستہ حضورؐ کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ کے ساتھ کیے ہوتے وعدے کو توڑا ہے اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا ہے۔ اگر میں لوگوں کو ان بدعتوں

Marfat.com

کے ترک کرنے پر مجبور کردوں تو میرا لشکر مجھے چھوڑ کر منتشر ہو جائے گا۔ میں اکیلا یا تھوڑے سے شیعے باقی رہ جائیں گے۔)

اس کے بعد راوی نے جن چیزوں کا شمار حضرتِ مرتضیٰ کی زبان سے کرایا ہے۔ ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں کہ لوگوں نے اپنے پاس دوسروں کی عورتیں رکھی ہوئی ہیں اگر میں ان کو ان کے اصلی خاوندوں کی طرف لوٹا دوں اور غسل اور وضو اس طرح کرنے کا حکم دوں جس طرح حضورؐ نے فرمایا اور نماز کو صحیح اوقات میں ادا کرنے کا حکم دوں تو سارے لوگ مجھے چھوڑ دیں گے۔

آپ ذرا غور فرمائیے۔ اس تضاد کو کون قبول کرے گا۔ ان انہونی داستانوں کو کون مانے گا۔ شیرِ خدا علی المرتضیٰ کی سیرتِ طیبہ کو اس بھونڈے انداز میں پیش کرنا اور حضرت کی ذات ستودہ صفات کو یوں داغدار کرنا کسی دشمنِ دین و ایمان کے لیے تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن حضرت کی ذات سے عقیدت رکھنے والا آپ کی محبت کا دم بھرنے والا اور آپ کی غلامی اور پیروی پر ناز کرنے والا اس لغویت کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتا اپنے متعلق تو ہم علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھتے ہیں اور ہماری آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے اور سر فخر سے اکڑ جاتا ہے ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

لیکن فاتح خیبر اللہ اور اس کے رسول کے شیر کے متعلق روباہی کی بیہودہ حکایتیں آپ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ کیا دل آپ کو ملامت نہیں کرتا۔ کیا آپ کا ضمیر فریاد کناں احتجاج نہیں کرتا۔ کچھ تو غور کرو خدا را کچھ تو غور کرو۔ فلکِ عظمت کے نیّرِ اعظم کو گہنانے کی

Marfat.com

جو کوشش محبت کی آڑ میں کی جا رہی ہے اگر ہم اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے نہیں ہو سکتے تو قیامت کے دن ساقی حوضِ کوثر کو کیا منہ دکھاؤ گے اور کس برتے پر شفاعت کی اُمید کرو گے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد پھر ہم اصلی موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ اسلام کے سیاسی نظام میں موروثیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا عمل اور آپ کے ارشادات اس کے لیے براہینِ قاطعہ ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تو اس کے بعد آپ نے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ جس نے بھی علم بغاوت بلند کیا، اس کا مقابلہ کیا اور جس نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی تو آپ نے اس کو بجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جمل، نہروان اور صفین کی جنگوں میں لاکھوں بہادر جوانمرد دونوں طرف سے لقمہ اجل بنے لیکن آپ نے خلافت کے تقدس پر آنچ نہ آنے دی۔ اور اس سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ جب آپ کو عامۃ المسلمین نے خلیفہ منتخب کیا تو آپ نے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو کسی مصلحت کے پیشِ نظر آپ خاموشی اختیار نہ کرتے اور بڑی سے بڑی مخالف قوت سے ٹکرا جاتے۔ آپ کے اس طریقۂ کار سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خمِ غدیر کے موقع پر حضور کا یہ ارشاد مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ آپ کی خلافت کا اعلان نہیں تھا۔ ورنہ حضرت علی اس سے ضرور استدلال کرتے جو آپ نے نہیں کیا اس کے علاوہ کئی اور چیزیں ہمارے اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تمام اہلِ اسلام کی طرح یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ خلافت کا معاملہ باہمی شوریٰ سے طے پاتا ہے۔ یہ موروثی نہیں۔

Marfat.com

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اعوان و انصار دستیاب نہ تھے۔ اس لیے آپ نے خلافت کا اس وقت مطالبہ نہ کیا۔ کیونکہ ایک تو آپ کی شخصیت ان چیزوں کو خاطر میں لانے والی نہیں وہ تنہا سارے باطل کے سامنے اور اس کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتے تھے۔ دوسرا یہ قول واقعہ کے بھی خلاف ہے کہ آپ بے یار و مددگار تھے۔ آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

ناسخ التواریخ جزو اول ص۳۰ میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے یہ دیکھا کہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے تو وہ حضرت علی کے دولت کدہ پر حاضر ہوا اور کہنے لگا:

أُبْسُطْ يَدَكَ أُبَايِعْكَ وَاللّٰهِ اِنْ شِئْتَ لَاَمْلَئَنَّهَا عَلٰى اَبِيْ فَصِيْلٍ يَعْنِيْ اَبَا بَكْرٍ خَيْلًا وَرِجْلًا۔

یعنی آپ ہاتھ کھولیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں اگر آپ چاہیں گے تو میں حضرت ابوبکر کے خلاف شہسواروں اور پیادہ لوگوں کا اتنا لشکر جرار جمع کر دوں گا کہ مدینہ میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ ملے گی۔

حضرت علی مرتضیٰ اگر چاہتے تو اس پیش کش سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ خلافت بھی حاصل ہو جاتی اور فرمان نبوی کی بھی تعمیل ہو جاتی۔ لیکن شاہ مردان شیر یزدان نے ابوسفیان کی اس پیش کش کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا:[1]

---

[1] یا ابا سفیان ہرگز تو بے غرضے جنبش نہ کنی بجز بر ضرر اسلام کوشش نہ فرمائی من ہرگز بکلمات تو مغرور نشوم و ہرگز فریب در من نگیرید۔

Marfat.com

"اے ابوسفیان! کسی لالچ کے بغیر تو حرکت نہیں کرتا۔ اسلام کو نقصان پہنچانے کے علاوہ تجھے کچھ اور نہیں سوجھتا۔ میں ہرگز تمھاری ان باتوں سے دھوکا نہیں کھاؤں گا اور تیرے دام فریب میں نہیں پھنسوں گا۔"

پس ابوسفیان حسرت و یاس سے چند شعر پڑھتا ہوا آپ کے ہاں سے نامراد واپس لوٹا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان پہلے حضرت عباس کے پاس آیا انھیں ہمراہ لے کر حضرت علی کے پاس بیعت کرنے کے لیے آیا۔ جب آپ نے اسے دندان شکن جواب دیا تو اسے از حد صدمہ ہوا تو اس نے حسرت آمیز اشعار پڑھے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ وَ عَرِّجُوْا عَنْ طَرِیْقِ الْمُنَافَرَةِ وَ ضَعُوْا تِیْجَانَ الْمُفَاخَرَةِ۔ اَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ اَوِسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ۔ مَاءٌ آجِنٌ وَ لُقْمَةٌ یَغَصُّ بِهَا آکِلُهَا وَ یَجْتَنِیْ الثَّمَرَةَ بِغَیْرِ وَقْتِ کَالزَّارِعِ بِغَیْرِ اَرْضِهٖ۔ (ناسخ التواریخ جزو اول صہ ۳)

(یعنے اے لوگو! فتنے کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ذریعے عبور کرو۔ منافرت پھیلانے کا راستہ ترک کردو۔ تکبر کے تاجوں کو سروں سے اتار دو۔ جو بازو کے سہارے اٹھتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے یا جو سلامتی کو اختیار کرتا ہے وہ راحت پاتا ہے۔ یہ ناگوار پانی ہے یا ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں پھنس جاتا ہے۔ پھول پکنے کے وقت سے پہلے اسے چننے والا ایسا ہے جیسا کسی غیر کی زمین میں فصل کاشت کرنے والا ہوتا ہے۔)

Marfat.com

اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا، میں موت سے ڈر کر خلافت سے دست کش نہیں ہوا ہوں مجھے موت سے اتنا اُنس ہے جتنا شیر خوار بچے کو اپنی ماں کی چھاتی سے ۔

اِن اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بیعت مجبوری کی حالت میں نہیں کی تھی، بلکہ اپنی خوشی اور مرضی سے بیعت کی. اس کی تصدیق کے لیے ناسخ التواریخ کا ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے :

سیدنا علی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کو جب لوگوں نے خلیفہ بنایا اور قبائل میں ارتداد کی وبا پھیل گئی تو میں نے سمجھا میرا اس وقت بیعت نہ کرنا اسلام کے لیے خطرناک ہے۔

فَمَشَيْتُ عِنْدَ ذَالِكَ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ فَبَايَعْتُهٗ فَنَهَضْتُ فِىْ تِلْكَ الْاَحْدَاثِ حَتّٰى زَاغَ الْبَاطِلُ وَ زَهَقَ وَكَانَتْ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَاءَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ه

(یعنی میں چل کر ابوبکر صدیق کے پاس آیا اور بیعت کی۔ اس کے بعد جو خطرناک حادثات اسلام کو پیش آئے. ان کا مقابلہ کرنے کے لیے میں کھڑا ہوگیا یہاں تک کہ باطل مٹ گیا اور اللہ تعالےٰ کے دین کا بول بالا ہوگیا۔ اگرچہ کافر اسے ناپسند کرتے تھے)

(ناسخ التواریخ جزو سوم جلد سوم صـ۳۱۲)

آپ کے اس ارشاد سے بالکل ثابت ہوگیا کہ آپ نے اپنی خوشی سے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور اس پُرآشوب دور میں آپ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہوکر ہجوم بلا کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ باطل کو شکست ہوئی اور حق کو فتح مبین. آپ کے اس ارشاد سے ان لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہیئے جو یہ کہتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں

Marfat.com

آپ نے امورِ مملکت میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ الگ تھلگ رہے۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں جب بعض لوگ آپ کی خلافت پر معترض ہوئے تو آپ نے اپنی خلافت کے برحق ہونے کے لیے جو دلیل پیش کی وہ صاحب نہج البلاغۃ کے الفاظ میں یوں درج ہے:

اِنَّہٗ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ عَلٰی مَا بَایَعُوْا عَلَیْہِ۔ فَلَمْ یَکُنْ لِّلشَّاھِدِ اَنْ یَّخْتَارَ وَ لَا لِلْغَائِبِ اَنْ یَّرُدَّ وَ اِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُھَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّ سَمُّوْہُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِکَ رِضًا۔

(یعنی میرے ساتھ اس قوم نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ بیعت کی تھی اور انھی شرائط کے ساتھ جن شرائط کے ساتھ انھوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ اس کے بعد جو وہاں موجود تھے انھیں کوئی اختیار نہیں اور جو وہاں موجود نہ تھے وہ اس بیعت کو رد نہیں کر سکتے۔ شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ اگر وہ حضرات ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں تو اسی میں اللہ کی رضا ہے۔)

خط کشیدہ الفاظ سے صراحتہً پتہ چلتا ہے کہ علی مرتضیٰ کا بھی یہی نظریہ تھا کہ خلیفہ کا تقرر شوریٰ سے ہوتا ہے اور جس کو مہاجر اور انصار نے مقرر کر دیا وہی امام برحق ہوتا ہے اور اسی میں خداوندِ کریم کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے ایک دوسرے مقام پر سیدنا علی نے ارشاد فرمایا:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ بَایَعْتُمُوْنِیْ عَلٰی مَا بُوْیِعَ عَلَیْہِ مَنْ کَانَ قَبْلِیْ وَ اِنَّمَا الْخِیَارُ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ یُّبَایِعُوْا

Marfat.com

فَاِذَا بَایَعُوْا فَلَا خِیَارَ لَہُمْ۔ (ناسخ التواریخ جلد سوم صلا جزو اول)

(اے لوگو! تم نے میرے ساتھ ان شرائط پر بیعت کی ہے جن شرائط پر تم نے میرے پیشرووں سے بیعت کی تھی. بیعت کرنے سے پہلے تو لوگوں کو اختیار ہوتا ہے لیکن جب وہ ایک مرتبہ بیعت کرلیں تو انھیں کوئی اختیار نہیں رہتا۔)

مزید براں خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں آپ ان کے معتمد علیہ مشیران کی مجلس مشاورت کے رکن رکین تھے. نہج البلاغۃ اور دیگر کتب میں مذکور ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایرانی فوجوں کے مقابلہ کے لیے بنفس نفیس جانے کا ارادہ کیا تو سیدنا علی سے مشورہ کیا اور اسی پر عمل کیا۔ دوسری مرتبہ جب قیصر روم سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے بذات خود شام جانے کا عزم فرمایا تو سید علی کے مشورہ کے مطابق سفر کا ارادہ ترک فرما دیا۔ آپ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ لَمْ یَکُنْ نَصْرُہٗ وَلَا خِذْلَانُہٗ بِکَثْرَۃٍ وَّلَا قِلَّۃٍ وَھُوَ دِیْنُ اللّٰہِ الَّذِیْ اَظْھَرَہٗ وَجُنْدُہُ الَّذِیْ اَعَدَّہٗ وَاَمَدَّہٗ وَنَحْنُ عَلٰی مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مُنْجِزٌ وَعْدَہٗ وَنَاصِرٌ جُنْدَہٗ۔ الخ

(یعنی اس کام کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار کثرت اور قلت پر نہیں۔ یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غلبہ دیا ہے۔ یہ اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے تیار کیا ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالےٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالےٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ اور اپنے لشکر کی ضرور مدد کرے گا۔)

آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فوجوں کو اللہ تعالےٰ کی فوج

Marfat.com

کہا ہے اور اسلام کے مجاہدوں کی فتح و کامرانی کو جس طرح سراہا ہے وہ قابلِ التفات ہے۔
آپ ان حضرات کے زمانہ میں اور اپنے عہدِ خلافت میں ان حضرات کی توصیف میں رطب اللسان رہے۔ ان کی سیرت کی پختگی، ایمان کی قوت، حسن تدبّر اور اسلام کی سربلندی کے لیے ان کی خدماتِ جلیلہ کو بارہا خراجِ تحسین پیش کیا۔ ایک مرتبہ فرمایا:

فَتَوَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ تِلْکَ الْاُمُوْرَ وَسَدَّدَ وَیَسَّرَ وَقَارَبَ وَاقْتَصَدَ وَصَحِبْتُہٗ مُنَاصِحًا وَ اَطَعْتُہٗ فِیْمَا اَطَاعَ اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْہِ جَاھِدًا۔ (ناسخ التواریخ جلد سوم جزو سوم ص ۳۲۲)

(یعنی ابوبکر صدیق خلیفہ بنے۔ آپ نے راست روی اختیار کی، آسانیاں پیدا کیں، حق کا قرب اختیار کیا میانہ روی کو اپنا شعار بنایا پس میں نے ایک خیرخواہ ساتھی کی طرح آپ کی سنگت کی اور جن معاملات میں انھوں نے اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کی میں ان کی اطاعت میں کوشاں رہا۔)

اسی خطبہ میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَوَلّٰی عُمَرُ الْاَمْرَ فَکَانَ مَرْضِیَّ السِّیْرَۃِ مَیْمُوْنَ النَّقِیْبَۃِ۔

(پھر حضرت عمر والی بنے۔ آپ کا کردار بڑا پسندیدہ تھا۔ آپ کا بخت بڑا مبارک تھا۔ یا آپ کی ذات بڑی بابرکت تھی۔)

ایک دوسرے مقام پر مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ اِسْتَخْلَفُوْا اَمِیْرَیْنِ مِنْھُمْ صَالِحَیْنِ اَحْیَیَا السِّیْرَۃَ وَلَمْ یَعْدُوَا السُّنَّۃَ۔

Marfat.com

(ناسخ التواریخ جلد سوم جزو دوم ص ۲۲۲)

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۶ پر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

یعنی حضور کے وصال کے بعد مسلمانوں نے اپنے میں سے دو صالح خلیفے چُنے جنھوں نے سیرتِ نبوی کو زندہ کیا اور سنت سے ذرا تجاوز نہ کیا۔

ثُمَّ اِسْتَخْلَفَ النَّاسُ اَبَا بَكْرٍ ثُمَّ اِسْتَخْلَفَ اَبُوْبَكْرٍ عُمَرَ وَاَحْسَنَا السِّيْرَةَ وَعَدَلَا فِي الْاُمَّةِ۔

(یعنی حضور کے بعد لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔ ان دونوں نے اپنی سیرت کو پاک رکھا اور امت میں عدل وانصاف قائم کیا۔)

سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان حضرات کے متعلق جن پاکیزہ خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ شیعہ مصنفین کی کتابوں میں بے شمار حوالہ جات موجود ہیں۔ جن میں سے صرف چند پاکدامنی، نیک نفسی، اتباعِ سنت اور عدل وانصاف کی شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ دے رہے ہوں، ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار۔ تو پھر ان کی بدگوئی کرنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔ ایسا کرکے یہ لوگ یہ بتا رہے ہیں کہ انھیں حضرت علی کی گواہی بھی منظور نہیں۔ آپ کے بعد ائمہ اہلِ بیت بھی ان حضرات کی عدل گستری کی گواہی دیتے رہے، اور ان کی توصیف وتعریف فرماتے رہے۔ چند حوالے پیشِ خدمت ہیں:

ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں عراق کے چند آدمی وارد ہوئے اور خلفائے ثلاثہ کی شان میں کچھ ناشائستہ گفتگو کی۔ جب وہ لوگ اپنے خبثِ باطن کو ظاہر کر چکے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم ان مہاجرینِ

Marfat.com

اولین میں سے ہو جن کی شان میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ.

(یعنی یہ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے گھروں اور مال و متاع سے نکال دیا گیا۔ یہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ سچے ہیں۔)

انھوں نے جواب دیا: ہم اس گروہ میں سے نہیں ہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا:
کیا تم ان میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.

(یعنی وہ لوگ جو مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دل میں اپنے مال و دولت کے لیے کوئی کوشش نہیں پاتے۔ اور حالتِ افلاس میں بھی مہاجرین کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔)

ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس گروہ سے بھی نہیں۔

حضرت امام زین العابدینؓ نے فرمایا کہ ان دونوں گروہوں میں سے نہ ہونے کا تم نے خود اعتراف کر لیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم مسلمانوں کے تیسرے گروہ میں سے

Marfat.com

بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

(یعنی وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اہل ایمان کے لیے ہمارے دلوں میں بغض مت ڈال۔

پھر آپ نے بڑے غضب ناک لہجہ میں فرمایا:

اُخْرُجُوْا عَنِّیْ فَعَلَ اللّٰہُ بِکُمْ۔

میرے پاس سے نکل جاؤ۔ خدا تمھیں ہلاک کرے۔

(کشف الغمہ جلد دوم صفحہ ۲۶۷)

پانچویں امام محمد باقر رضی اللہ تعالے عنہ کا نظریہ بھی سماعت فرمائیے۔ شاید آپ کی چشم بصیرت بینا ہو۔ عروہ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر سے دریافت کیا کہ تلوار کو چاندی سے آراستہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور دلیل یہ پیش کی:

قَدْ حَلّٰی اَبُوْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَیْفَہٗ۔

(یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو چاندی سے آراستہ کیا)

عروہ کہتا ہے کہ میں نے کہا اے امام! آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ غصہ سے اٹھ بیٹھے اور قبلہ رو ہو کر فرمانے لگے:

Marfat.com

نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یَقُلْ لَہٗ الصِّدِّیق فَلَاصَدَّقَ اللّٰہُ لَہٗ قَوْلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ۔

(ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو انھیں صدیق نہیں کہے گا۔ اللہ تعالٰے دنیا اور آخرت میں اس کی بات کو جھوٹا کرے گا۔)

(کشف الغمہ جلد دو صت ۳۶۰)

جب حضرت امام محمد باقر حضرت ابوبکرؓ کو صدیق فرما رہے تھے تو آپ خود ہی مقام ابوبکر کی رفعتوں اور بلندیوں کا انداز لگا سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ صدیق کا درجہ صالحین اور شہداء سے بھی اونچا ہوتا ہے اور صدیق سے اوپر نبی کا مقام ہوتا ہے حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ سے کسی نے پوچھا:

یا بن رسول اللہِ ما تقولُ فِی اَبِیْ بکر و عمر۔

اے ابن رسول! آپ ابوبکر و عمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

ھُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ وَکَانَا عَلَی الْحَقِّ وَ مَاتَا عَلَیْہِ فَعَلَیْھِمَا رَحْمَۃُ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(یہ دونوں امام تھے۔ عادل اور منصف تھے جب تک زندہ رہے حق پر ثابت رہے اور حق پر ہی اس دنیا سے انتقال کیا۔ قیامت کے دن ان پر اللہ تعالٰے کی رحمت ہو۔

اگر بحث طویل ہوگئی ہے لیکن اس مسئلہ کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ اسے شرح وبسط

Marfat.com

سے بیان کیا جائے تاکہ اسلام کے سیاسی نظریہ کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور یہ چیز روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ اسلام کے سیاسی دستور کا دار و مدار موروثیت پر نہیں بلکہ شوریٰ پر ہے۔ نیز اسلام نے سربراہِ مملکت کو مطلق العنان بادشاہ کا مقام نہیں بخشا بلکہ وہ خلیفہ تھے اور اس کا فرضِ اولین یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے۔ حضور کی سنت کا اتباع کرے اور امت مسلمہ کو بھی اس پر کاربند ہونے کی ہدایت کرے۔ شیعہ حضرات جو خلافت کو موروثی سمجھتے ہیں ان کے سامنے بھی ہم نے قرآن وسنت اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال واقوال اپنے دعوے کی شہادت میں پیش کر دیئے ہیں لطف یہ ہے کہ شیعہ حضرات خود ہی عملی طور پر اس توارث کو زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رکھ سکے اور خلیفہ متعین کرنے میں ان میں بھی شدید اختلافات رونما ہو گئے۔ ان میں سے ایک فرقہ مختاریہ ہے جو حضرت علی کے بعد حسنین کی امامت کا قائل نہیں بلکہ محمد ابن الحنفیہ کو امام برحق سمجھتا ہے اور حضرت امام محمد باقر کی امامت کا منکر ہے۔ ان میں سے ایک فرقہ جارودیہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حسنین کے بعد امامت وراثت سے نہیں بلکہ شوریٰ سے طے پاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق کی اولاد کے بارے میں پھر شیعہ کا اختلاف ہے کہ آپ کے بعد کون امام برحق ہے۔ اسماعیلیہ فرقہ آپ کے صاحبزادے، اسماعیل کو امام برحق سمجھتا ہے۔ اثناعشریہ حضرت موسیٰ کاظم کو امام برحق سمجھتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کے والد حضرت جعفر صادق ہیں اور والدہ محترمہ حضرت امام حسن کی پوتی حضرت فاطمہ ہیں جب کہ حضرت کاظم کی والدہ ماجدہ حمیدہ ہیں جو کہ ایک آزاد شدہ کنیز ہیں۔ غرضکہ اس مسئلہ پر شیعہ مذہب سینکڑوں فرقوں میں بٹ گیا اور فرقہ اثناعشرہ کو بھی

Marfat.com

حضرت امام حسن عسکری کے بعد امام غائب کے عقیدے کا سہارا لینا پڑا۔

یاد رہے کہ حضرت امام عسکری گیارھویں امام کا وصال ۲۶۰ھ میں ہوا اور امام مہدی کو غائب ہوئے گیارہ صدیوں سے زیادہ وقت گزر چکا ہے لیکن ابھی تک وہ ظاہر نہیں ہوئے۔ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام ہونا چاہیئے جو معصوم ہو کامل ہو۔ احکام و علوم میں اپنی رعایا سے بے نیاز ہو کر وہ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ کا ایسے امام سے خالی ہونا محال ہے۔

والاستدال الصحیح عن وجود امام معصوم کامل غنی عن رعایاہ فی الاحکام، والعلوم فی کل زمان لاستحالۃ خلو المکلفین من سلطان۔

(کشف الغمہ، جلد سوم، صہ ۳۳۷)

لیکن ۲۶۰ھ میں جب کہ حضرت امام حسن عسکری کا وصال ہوا اس وقت سے لے کر آج تک گیارہ سو تیس سال گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک امام غائب ہیں جن سے ہم ابھی تک کسی قسم کا استفادہ نہیں کر سکتے۔ جن کی غیر حاضری کے باعث دین کے احکام معطل پڑے ہیں اور باطل کو غلبہ حاصل ہے اور کفر دندناتا پھر رہا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیوار کرشمہ و ناز
گریست عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

یعنی حق کا علمبردار تو غار میں جا کر چھپ گیا ہے اور باطل کے پرستار عشوہ طرازیوں میں مصروف ہیں اور لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسا رہے ہیں۔ میری عقل حیرت کے مارے اشک بار ہے۔ یہ کیا تماشا ہے۔

Marfat.com

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قیامت سے قبل غار سے باہر تشریف لائیں گے اور انیس ۱۹ سال تک مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوں گے۔ اس عرصہ میں اسلام کو سربلند کریں گے۔ ساری دنیا میں حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوگا۔ ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا۔ اور آپ کے وصال کے صرف چالیس دن بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔ ایک سلیم الطبع آدمی یہ باتیں سن کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ نبی مکرمؐ تشریف لائے۔ قرآنِ کریم نازل ہوا۔ ہزاروں معجزات ظاہر ہوئے لیکن حق کو غلبہ نصیب نہ ہوا اور اللہ تعالے اپنے نبی سے لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ چودہ صدیاں بیت گئیں۔ اہل حق زبوں رہے اور حق مغلوب ومقہور رہا، باطل اور اہل باطل کا ڈنکا بجتا رہا معلوم نہیں کب امام مہدی تشریف لائیں گے اور حق کو سربلند کریں گے اور وہ بھی صرف انیس سال کے قلیل عرصہ کے لیے۔

یہ سب باتیں محض تکلفات ہیں اور اسلام کے شورائی نظامِ خلافت سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ کاش! ہم اب بھی اپنی ناروا ضد سے باز آئیں اور قرآنِ حکیم، سنتِ حبیبِ خدا اور سیرتِ علی مرتضیٰ اور احوال ائمہ اطہار کی روشنی میں اسلام کے نظامِ سیاست کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ہم اہل دنیا کو بتا سکیں کہ جمہوریت اور عام انتخابات، آزادی رائے اور احترامِ آدمیت کے جن اصولوں پر ناز کرتے ہیں ان کا لانے والا اور دنیا کے انسانیت میں ان کا پرچار کرنے والا ہمارا نبیٔ مکرم رحمتِ عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔

آؤ! ان کا دامنِ رحمت تھام لو۔ نجات پا جاؤ گے۔ طرح طرح کے فتنوں اور طوفانوں میں انسانیت کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی سلامتی کے کنارے لنگر انداز ہوگی۔ ہم بڑے

Marfat.com

فخر سے ساری دنیا کے سامنے یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارا خلیفہ اول ہی تھا جس نے اپنے پہلے خطبہ میں یہ تاریخ ساز الفاظ فرمائے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي وُلِّيتُ أَمْرَكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ۔ أَيُّهَا النَّاسُ أَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُونِي۔

اے لوگو! مجھے تمھاری امامت سونپی گئی ہے میں اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں سمجھتا۔ اے لوگو! میں قرآن کا متبع ہوں اور اپنی طرف سے کوئی قانون نافذ کرنے والا نہیں۔ اگر میں حسن و خوبی سے اتباع قرآن و سنت کرتا رہوں تو میری امداد کرنا۔ اگر مجھ میں ذرا سا میل اور کجی پاؤ تو مجھے درست کر دو۔

Marfat.com

سیّدنا حسین علیہ السلام اور یزید

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحت مند ذہن ایسے لوگوں کا گرویدہ ہوتا ہے جو پاک باز اور پارسا ہیں، جن کی زندگی ایک اعلیٰ مقصد کے لیے وقف ہوتی ہے، جن کا وجود منبع خیرات و برکات ہوتا ہے جن کا دامن انانیت، خود غرضی، حرص وغیرہ رذائل سے پاک ہوتا ہے، جو زندگی کے افق پر مہر و ماہ بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی حیات مستعار کی ہر گھڑی نبی نوع انسان کی خیر خواہی میں گزرتی ہے۔ اور جب وہ یہاں سے رخصت ہوتے ہیں، تو اپنے پیچھے بطور یادگار ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مینارۂ نور کا کام دیتے ہیں۔

لیکن جب ذہن میں فتور، نگاہ میں کجی اور سوچ میں بگاڑ ہو جاتا ہے تو پھر وہ لوگ اس کی دلچسپی بلکہ عقیدت کا مرکز بن جاتے ہیں جو کبر و غرور کا پیکر ہوتے ہیں جنھیں ہوس اقتدار اتنا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ عدل و انصاف کی قدروں کو پامال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ قوم کی غیرت و حریت کو بھی داؤ پر لگانے سے باز نہیں آتے۔ جور و ستم کا ایک طوفان بن کر نمودار ہوتے ہیں اور جہاں سے گزرتے

Marfat.com

میں تباہی و بربادی مچاتے چلے جاتے ہیں۔

فتنہ خارجیت، کئی صدیوں تک امت کے خرمنِ امن و عافیت پر بجلی بن کر گرتا رہا۔ اپنی فتنہ انگیزیوں سے جنگ و جدال اور قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ آخر کار علمی محاذ پر علماء ربانیین نے انھیں شکست دی اور میدان جنگ میں مجاہدین اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہی فتنہ پھر پر پرزے نکال رہا ہے بلکہ عصر حاضر میں ان کے پیروا اپنے پیشروؤں سے دو قدم آگے ہیں پہلے خارجی سیدنا علی رضی اللہ تعالٰے عنہ اور آپ کی ذریت طاہرہ کے مخالف تھے تو ساتھ ہی یزید اور اس کے ہم مشرب دوسرے لوگوں سے بھی انھیں شدید عداوت تھی لیکن آج کے خارجی یزید کو خلیفہ برحق، مجاہد اسلام، ملت کا بطل جلیل ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس کے پس پردہ اہل بیت کرام خصوصاً امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ کی شان کو گھٹانے کا جذبہ کارفرما ہے۔

یہ تحریک اپنے نتائج و عواقب کے اعتبار سے ازحد خطرناک ہے۔ آج تک تو یہ کیفیت ہے کہ جب بھی کوئی جابر اور ظالم حاکم ہم پر مسلّط ہو جاتا ہے، تو حالات کی نامساعدت کی پرواہ کئے بغیر اسوۂ شبیری کی یاد تازہ کر کے نتائج سے بے نیاز ہو کر ہم اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے ہیں اور کشتیاں جلا کر میدانِ جنگ میں کود پڑتے ہیں۔ فیلسوف اسلام علامہ اقبال نے اپنی قوم کو، جو معاشی لحاظ سے مفلس و قلاش، علمی لحاظ سے پسماندہ اور سیاسی لحاظ سے منتشر و درماندہ تھی، انگریز کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے للکارا تو انھوں نے سیدنا امام حسینؓ ہی کا کردار پیش کیا۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

موسیٰ اور فرعون، شبیر اور یزید یہ دو قوتیں ہیں جو کش مکش حیات میں نمایاں ہوتی ہیں۔

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

حق کی بقا کا راز قوتِ شبیری میں مضمر ہے اور باطل کے مقدر میں حسرت و ناکامی کی موت ہے۔

اس حقیقت کے بیان کے بعد کہ کارگاہِ حیات میں یہ ساری بزم آرائیاں اور رنگینیاں قوتِ شبیری کی ممنونِ احسان ہیں۔ اقبال اب آپ کے زندہ جاوید کارنامے کا ذکر کرتے ہیں :۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حرّیت را زہر اندر جام ریخت

خلافت نے جب قرآن سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور حریت و آزادی کے جام میں زہر گھول دیا۔

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

خیر الامم کا سرتاج اٹھا۔ مینہ برسانے والے ابر رحمت کی مانند۔

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہا کارید و رفت

Marfat.com

یہ بادل کربلا کی زمین پر برسا اور چلا گیا۔ اس نے ویرانے میں گل لالہ کو کاشت کیا اور چلا گیا۔

تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خون او چمن ایجاد کرد

اپنا سر دے کر آپ نے قیامت تک جبر و استبداد کی جڑ کاٹ دی اور آپ کے خون ناب کی موج نے چمن ایجاد کر دیا۔

اپنے سارے خاندان کی اور اپنی قربانی دے کر آپ نے ملتِ اسلامیہ کو یہ درس دیا۔

ما سوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

اللہ تعالیٰ کے سوا مسلمان کسی کا غلام نہیں ہے، کسی فرعون کے سامنے اس کا سر نہیں جھک سکتا۔

حق و صداقت کے ایسے نڈر علمبردار، شرف انسانی کے بہادر پاسبان اور حریت فکر کے بے باک مجاہد حسینؓ کی زندگی اور آپ کے حیات آفرین کردار کو اگر یہ لوگ اپنی قوم کے نوجوانوں کی نگاہ میں مشکوک بنا دیں گے تو بے سرو سامانی کے عالم میں حق کی شمع پر پروانہ وار جل مرنے کا جذبہ ان کے دلوں میں کیونکر پیدا ہو گا۔ اگر یزید ہی خلیفہ راشد ہے تو پھر اس بے ثمر بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیجئے کہ اسلام کا نظامِ سیاست، حق کی بالادستی، اہل حق کی سرفرازی، عدل، حریت، مساوات جیسی عالی اقدار کا نقیب ہے۔ جس اسلام میں یزید خلیفہ راشد، ابن زیاد، شمر، سنان بن انس اور خولی جیسے لوگ خلافت کے دست و بازو ہوں گے اس اسلام سے انسانیت کے مقدر کو وابستہ کرنا انتہا درجہ

Marfat.com

کی الٰہی ہے لیکن یہ وہ اسلام نہیں جو اللہ تعالٰی نے کا محبوب نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لایا تھا۔ اس کے فیضِ تربیت نے صحابۂ کرام جیسی پاک نہاد جماعت پیدا کی، اس نے انسانی تاریخ کو خلفاء اربعہ جیسے عادل حاکم عطا فرماتے۔

اگر یہ لوگ اپنے اس مذموم مقصد میں بدقسمتی سے کامیاب ہو جاتے ہیں، اپنی تحریر و تقریر سے سیدنا حسینؓ کے کردار کو گھنا دیتے ہیں۔ اور یزید جیسے شخص کو ملّت کا ہیرو ثابت کرنے کی مہم سر کر لیتے ہیں تو اس پر جو خطرناک بلکہ تباہ کن اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ملت کی تاریخ کے معتبر مصادر کی طرف رجوع کیا جائے اور جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچے قوم کے سامنے اسے پیش کر دیا جائے، تاکہ جو لوگ صدقِ دل سے تلاشِ حق میں سرگرداں ہیں ان کی دلجمعی کا سامان ہو جائے۔ پہلے ہم ان صاحبان کے ممدوح یزید کے شخصی کردار کا جائزہ لیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ ذاتی طور پر یہ شخص کن خوبیوں اور خجستہ صفات کا حامل تھا، پھر یہ دیکھیں گے کہ اس نے اپنے دورِ اقتدار میں جو سنہری کارنامے انجام دیئے ان کی حقیقت کیا تھی، پھر اس کے ان محامد اور خصال حمیدہ پر تبصرہ کریں گے۔ جن کو اس کے مداح بڑے جوش و خروش سے پیش کرتے رہتے ہیں۔ آخر میں دیکھیں گے کہ اکابر امت کا یزید کے بارے میں کیا نظریہ تھا، وہ اس کی ستم کیشیوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے، پھر یہ فیصلہ کرنے میں آپ کو زیادہ دقت نہ ہوگی کہ یہ شخص آفرین و نفرین میں سے کس کا مستحق ہے۔

شخصی کردار

سب سے پہلے ہم زیاد بن سمیّہ کی رائے پیش کرتے ہیں جو یزید اور اس کے خاندان

Marfat.com

کا دل و جان سے وفادار تھا جس نے اور جس کے بیٹوں نے یزید کے لیے صرف تن من دھن ہی نہیں بلکہ اپنی شہرت اور اپنا دین و ایمان بھی اس پر نثار کر دیا۔ ایسے وفادار اور جان نثار شخص کی رائے پر دشمنی، جانب داری، تعصب وغیرہ کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے یزید کے بارے میں جو کچھ کہا ہو گا۔ حزم و احتیاط کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے کہا ہو گا۔ مؤرخ شہیر ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے یزید کے بارے میں زیاد کی جو رائے ہے وہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

لما اراد معاویہ ان یبایع لیزید کتب الی زیاد یستشیرہ .... شاور زیاد عبید بن کعب النمیری واخبرہ ان امیر المومنین کتب الیّ یزعم انہ قد عزم علی بیعۃ یزید وھو یتخوف نفرۃ الناس ویرجوا مطابقتھم وعلاقۃ امر الاسلام وضمانہ عظیم۔ و یزید صاحب رسلۃ وتھاون مع قد اولع بہ من الصید فالق امیر المومنین مؤدیا عنی فاخبرہ عن فعلات یزید وقل لہ رویدک بالامر ولا تعجل فان درکا فی تاخیرٍ خیرٌ من تعجیل عاقبتہ الفوت۔

(تاریخ طبری صہ ۱۶۹ - ج ۶)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (آئندہ خانہ جنگی کے خوف سے) جب یہ ارادہ کیا کہ لوگ یزید کی بیعت کر لیں تو آپ نے زیاد کی طرف لکھا کہ اس

Marfat.com

بارے میں اس کی کیا رائے ہے۔ زیاد نے اپنے ہمراز عبید بن کعب سے مشورہ کیا اور اسے بتایا کہ امیر المومنین نے اس کی طرف لکھا ہے کہ وہ یزید کے لیے خلافت کی بیعت لینے کا عزم کر چکے ہیں، ساتھ ہی انھیں یہ خوف بھی ہے کہ لوگ اس اقدام کو مبادا نفرت کی نگاہ سے دیکھیں، ان کی آرزو ہے کہ لوگ اس کی بیعت پر متفق ہو جائیں۔ زیاد نے عبید سے کہا: یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اس کا تعلق اسلام سے ہے یہ بات اور اس کی ضمانت بڑی عظیم ذمہ داری ہے۔ یزید لا اُبالی مزاج کا مالک ہے غفلت اور تہاون اس کا شعار ہے اس کے علاوہ شکار کا بڑا دلدادہ ہے۔ تم جاؤ، امیر المومنین سے ملاقات کرو اور میری طرف سے انھیں یہ پیغام دو اور یزید کی کارستانیوں سے بھی انھیں خبردار کرو اور عرض کرو کہ آپ اس معاملہ میں صبر سے کام لیں اور جلد بازی نہ کریں، کیونکہ اگر گوہر مقصود تاخیر سے حاصل ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان جلد بازی سے کام لے اور مقصد کو ضائع کر بیٹھے۔

علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ "الکامل" میں بعینہٖ انہی الفاظ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ گویا زیاد جیسے وفادار کے نزدیک بھی یزید کا کردار ناپسندیدہ اور داغدار ہے لیکن بعد میں یہ طے پایا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو یزید کے صحیح حالات سے آگاہ نہ کیا جائے بلکہ خود یزید کو سمجھایا جائے کہ وہ غلط کاریوں سے باز آئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو یزید کے اطوار کا پوری طرح علم نہ تھا اور ان کے گورنر اور اعیان مملکت میں یہ جرأت مفقود تھی کہ وہ اس کے حالات سے آپ کو پوری طرح مطلع کریں۔

Marfat.com

اور سنیئے !

"امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز کی مجلس میں ایک روز یزید کا ذکر چھڑ گیا حاضرین میں سے کسی نے کہا: قال امیر المومنین یزید۔ یعنے امیر المومنین یزید نے یہ کہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز غصہ سے بولے: تم یزید (جیسے نابکار) کو امیر المومنین کہہ رہے ہو۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ امیر المومنین کہنے والے کو بیس درے لگائے"

(تہذیب التہذیب ص۳۶۱ جلد ۱۱)

سب جانتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے خاندان بنی اُمیہ کے ایک فرد تھے، لیکن یزید کے بارے میں آپ یہ سننا تک گوارا نہ کر سکے کہ اسے کوئی شخص امیر المومنین کے معزز لقب سے یاد کرے۔ بلکہ آپ نے ایسا کہنے والے پر ناراضگی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اسے بیس کوڑوں کی سزا دی، تاکہ آئندہ کوئی شخص اسے امیر المومنین کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ کیا تیرہ سو سال بعد آنے والے یہ محققین یزید کے کردار و سیرت کو حضرت عمر بن عبد العزیز سے بہتر جانتے ہیں۔ جب آپ اس کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تو پھر ہمیں یا کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ایسے شخص کو امیر المومنین اور خلیفہ راشد کے القاب سے ملقب کر کے ان عزت و حرمت والے القاب کی تذلیل کرے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں اپنے نوجوان بچوں، بھائیوں اور عزیزوں کے بکھرے ہوئے لاشوں کے درمیان کھڑے ہو کر جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس سے بھی اس مصنوعی خلیفہ راشد کی سیرت و کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا:

یایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رائ سلطانا جائراً مستحلا لحرم اللہ۔ ناکثا لعہد اللہ مخالفا لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر علیہ بفعل ولا بقول کان حقا علی اللہ تعالی ان یدخلہ مدخلہ الا وان ہولاء قد لزموا طاعۃ الشیطان وترکوا طاعۃ الرحمن واظہروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفئی واحلوا حرام اللہ وحرموا حلالہ وانا احق من غیر۔ (تاریخ طبری ص ۲۲۹۔ جلد ۶۔ تاریخ کامل ص۴۸ ج ۴)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایسے ظالم سلطان کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنے والا ہے، رسول اللہ کی سنت کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا برتاؤ کرتا ہے پھر وہ دیکھنے والا اپنے عمل یا قول سے اس کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا، تو وہ قیامت کے دن اس شخص کو بھی جہنم کے اس طبقہ میں داخل کیا جائے گا۔ جہاں وہ ظالم سلطان داخل ہوگا۔ اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ انھوں نے یزید اور اس کے حواریوں نے) شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ رحمٰن کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے، فساد برپا کردیا ہے۔ حدودِ اسلام کو معطل کردیا ہے۔ فئی کا مال خود

Marfat.com

ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰے کے حلال کو حرام اور اس کے حرام کو حلال کر دیا ہے
مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں ایسے ظالم سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کروں"

اس خطبہ میں یزید کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی وجہ آپ نے بڑی تفصیل سے بیان فرمادی۔ امام حسین جیسی ہستی کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آسکتا خصوصاً زندگی کے آخری لمحوں میں جب آپ اللہ تعالٰے کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ ذرا غور فرمایئے! اور اس منظر کا تصور کیجئے کہ شیعان کوفہ صدہا خطوط اور قاصد بھیج کر بڑی منت وسماجت سے حضرت کو اپنے ہاں بلاتے ہیں، لیکن جب ابن زیاد کا کوڑا ان کی پیٹھ پر برسنے کے لیے ہوا میں لہراتا ہے، تو اپنی بیعت کو توڑ دیتے ہیں۔ نہ صرف آپ کی امداد کرنے سے دست کش ہوتے ہیں بلکہ آپ کے مدمقابل خم ٹھونک کر کھڑے ہو جاتے ہیں جب اپنے شیعہ کی طوطا چشمی کا یہ ہولناک منظر آپ نے دیکھا ہوگا تو آپ کے قلب مبارک پر کیا گزری ہوگی، آپ کو صاف نظر آرہا تھا کہ اب جام شہادت پیئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اس دنیا کو چھوڑنے سے پہلے اور خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں پیش ہونے سے پہلے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے یزید اور اس کے امرا حکومت پر جھوٹا بہتان لگایا ہوگا۔ کسی نازک سے نازک مقام پر حق وصداقت کا دامن چھوڑ دینا شان حسین رضی اللہ عنہ سے بہت ہی بعید ہے بلکہ آپ نے اس وقت اپنے جہاد کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ حق وصداقت کی ترجمانی ہے۔ خود ہی انصاف فرمایئے کہ جس شخص کے بارے میں امام عالی مقام کی یہ رائے ہو اس کو خلیفہ راشد اور امیر المومنین کہنے کی جرأت وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو امام کے مقام رفیع سے بے خبر ہیں۔

ایک اور شہادت سماعت فرمایئے : یہ شاہد حضرت عبداللہ ہیں ان کے

Marfat.com

والد ماجد کا نام حنظلہ ہے جو شہیدِ احد اور غسیل ملائکہ ہے۔ ایسے نام ور باپ کا بیٹا ہونا ان کے لیے کوئی کم شرف نہیں، لیکن اپنی خوبیوں اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ راہب کے لقب سے ملقب تھے۔ دنیا اور امورِ دنیا سے ان کی دلچسپی برائے نام تھی۔ زیادہ وقت خلوت میں ذکر الٰہی کرتے گزر جاتا۔ یہ حضرت عبداللہ اہل مدینہ کے ایک وفد کے ساتھ یزید کی ملاقات کے لیے گئے۔ وہاں کئی دن تک اس وفد نے قیام کیا۔ انھوں نے اس شخص کے صبح و شام کے معمولات پر آگاہی حاصل کی اور جب واپس آئے تو اہل مدینہ کو یزید کے احوال و اطوار سے آگاہ کیا۔ اہل مدینہ اس کے فسق و فجور کے حالات سن کر حیران رہ گئے۔ چنانچہ تمام اہل مدینہ نے ایسے فاسق شخص کی بیعت کو توڑ دیا۔ اس وفد نے یزید کے بارے میں اہل مدینہ کو جو بتایا اُسے ملاحظہ فرمایئے :

قالوا قدمنا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر ويضرب بالطنابير ويعزف عنده القيان ويلعب بالكلاب ويسمر عنده الحراب وهم اللصوص وانا نشهدكم انا قد خلعناه۔ (تاریخ طبری ص۴ جلد ۷۔ تاریخ کامل صفحہ ۱۰۳ جلد ۴)

ترجمہ: "ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جس کا کوئی دین نہیں، جو شراب پیتا ہے، طنبورے بجاتا ہے، لونڈیاں اس کے سامنے گاتی ہیں، کتوں کے ساتھ کھیلتا ہے رات گئے تک چور اچکے لوگ اس کے پاس بیٹھ کر داستان سرائی کرتے ہیں اور اے اہلِ مدینہ ہم تمھیں گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کی بیعت کا قلادہ گردن سے اتار کر پھینک دیا ہے۔"

اس وفد کے ایک رکن حضرت زبیر کے فرزند منذر تھے۔ یہ اس وفد کے ساتھ واپس

Marfat.com

نہیں آئے بلکہ دمشق سے کوفہ گئے۔ وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ یزید کے بارے میں ان کی رائے بھی ملاحظہ ہو:

ان یزید واللہ لقد اجازنی بمائۃ الف درھم وانہ لایمنعنی ماصنع الی ان اخبرکم خبرہ واصدقکم عنہ واللہ انہ یشرب الخمر وانہ لیسکر حتی یضیع الصلوۃ و عابہ بمثل ماعابہ اصحابہ الذین کانوا معہ۔

(تاریخ کامل ص۱۰۴ جلد۴۔ تاریخ طبری ص جلد)

ترجمہ: بخدا! یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا ہے، لیکن یہ عطیہ مجھے یہ کہنے سے نہیں روک سکتا کہ اس کے بارے میں سچی بات بتاؤں۔ وہ شرابی ہے وہ اتنی شراب پیتا ہے کہ نشہ کی وجہ سے نماز ترک ہو جاتی ہے۔ وفد کے دوسرے ارکان نے یزید کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا۔ انھوں نے حرف بحرف اس کی تصدیق کر دی۔

اس موقع پر یزید کے مداح یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت سیدنا علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا اور جب اس وفد کے ارکان نے یزید کے ناشائستہ اخلاق و کردار کے بارے میں کہا تو آپ نے جواب دیا: "میں بھی یزید کے پاس رہا ہوں میں نے کبھی اسے شراب پیتے نہیں دیکھا۔" یہ صاحبان حضرت ابن حنفیہؓ کا یہ قول لے کر یزید کی پاکدامنی اور پارسائی ثابت کرنے کے لیے رطب اللسان ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر وہ یہ سوچتے کہ آپ جیسی ہستی کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ شراب پیتا یا دیگر

Marfat.com

قبیح حرکات کرتا آپ کی موجودگی میں اس کا ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ آپ کی غیر موجودگی میں ان حرکات سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں کرتا ہوگا۔ بڑے بڑے رند اور میخوار وقتی ضرورت کے مطابق زاہد و متقی بن جایا کرتے ہیں اور ہمارے پاس متعدد شواہد موجود ہیں جو اس کے کرتوتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات ضرور ذہن نشین کر لیجئے۔

اہل مدینہ کو کس چیز نے یزید کی بعیت توڑنے پر برانگیختہ کیا؟

یہ حادثہ کربلا کے خونین سانحہ کے بعد پیش آیا جس میں یزیدی فوج نے حقوق نبوت، حقوق قرابت، احسان و مروت الغرض جملہ حقوق کو پس پشت ڈال کر گلستان رسالت کو برباد کر دیا۔ اہل مدینہ کو اس بارے میں قطعاً کوئی غلط فہمی نہ تھی کہ یزید ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ظالمانہ بلکہ اس سے بھی بدتر سلوک کرے گا۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ یزید کی سلطنت اسلامی قلمرو کے بیشتر صوبوں میں مستحکم ہو چکی ہے۔ مدینہ طیبہ کی تنہا ایک بستی اس کا کامیاب مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی، فوج اسلحہ اور دیگر وسائل کی اس کے ہاں بڑی افراط تھی۔ مدینہ کے سارے پیر و جوان مل کر بھی اس کے لشکر کا عشر عشیر بھی نہیں بن سکتے۔ وہ اس جہاد کے انجام کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لیے یہ کہنا حقائق سے چشم پوشی کرنا ہے کہ حضرت عبداللہ نے خود خلیفہ بننے کے لیے اور مسند اقتدار پر قابض ہونے کے لیے ایسا کیا تھا۔ ان کی طاقت اور یزید کی قوت میں توازن نام کی کوئی چیز نہ تھی، اس لیے ایک غیر جانبدار مبصر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کے سیاسی نظام اور نظریۂ خلافت کے تقدس کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ جرأتمندانہ اقدام کیا تھا، سانحہ کربلا کے بعد وہ دنیا کو پھر یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے غلام ایسے شخص کو اسلامی مملکت کے سربراہ اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جس میں مندرجہ بالا امور پائے جاتے ہوں یہی وجہ تھی کہ قلت تعداد، اسلحہ اور دیگر وسائل کے فقدان کے باوجود اہل مدینہ اپنے قائد کے ساتھ میدان جہاد میں مردانہ وار کود پڑے۔ دین حنیف کے ان مٹھی بھر پاسبانوں نے جس جرأت، حوصلہ اور جاں نثاری سے یزید کے لشکر جرار کا مقابلہ کیا اس نے بدر و حنین کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت عبداللہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا آپ نے اپنے جواں سال بچوں کو للکارا کہ آؤ نظام مصطفےٰ کے ناموس کی حفاظت کے لیے جانیں لڑا دو۔ سر کٹا دو۔ سعادت مند بچے اپنے مجاہد باپ کی للکار پر ایک ایک کر کے آگے بڑھتے عقاب کی طرح دشمن پر جھپٹتے اور جام شہادت نوش کر کے خلد بریں کو سدھارتے رہے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے ساتوں بچوں نے اپنے سروں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ عین اس وقت جب ان کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس مجاہد کی شان ایثار دیدنی تھی ہاتھوں میں تلوار تھی جو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ چل رہی تھی، خود فرطِ جوش سے یہ رجز پڑھ رہے تھے اور مجاہدین کے دلوں کو گرما رہے تھے۔

بُعْدًا لِمَنْ رَامَ الفَسَادَ وَطَغٰی　　وَجَانَبَ الحق وَاٰیَاتِ الهدیٰ

لَا یبعد الرحمٰن الا من عَصٰی

(تاریخ کامل ص۱۱۷ جلد ۴)

ترجمہ: وہ شخص برباد ہو جائے جس نے فساد کا قصد کیا اور سرکشی کی جس نے حق کو اور ہدایت کی آیتوں کو نظر انداز کر دیا۔ خداوند رحمٰن اسی کو ہلاک کرتا ہے جو سرکش ہوتا ہے

یہ رجز پڑھتے پڑھتے انھوں نے اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔

Marfat.com

اس رجز کے الفاظ سے بھی جو مرنے سے پہلے ان کی زبان سے گونجے یزید کے بارے میں ان کے پہلے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک صحابی دار الآخرت کی طرف سفر کرتے وقت جو بات کہتا ہے اس میں تصنع، ریاکاری اور جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ آپ کا یہ رجز یزید کے بارے میں آپ کے سابقہ خیالات کی تائید کرتا ہے۔

آخر میں یزید کے بارے میں علامہ ابن کثیر کی رائے پیش کرتا ہوں جو انھوں نے یزید کی مدح اور قدح میں مذکور جملہ اقوال و آثار کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنی تاریخ میں رقم کی ہے۔ یزید کے مداح بھی یہ حوالہ پیش کرتے ہیں، لیکن اس کی ابتدائی چند سطریں نقل کر کے رہ جاتے ہیں میں پورا حوالہ لکھ رہا ہوں۔

اس کے مطالعہ سے حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی:

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرائ فی الملك وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترك بعض الصلوۃ فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰۔ جلد ۸)

ترجمہ: یزید میں چند عمدہ صفات بھی تھیں، سخاوت، حلم، فصاحت، شعر گوئی، شجاعت ملکی امور میں حسن رائے، وہ خوش شکل تھا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرتا تھا، اس کے باوجود اس میں یہ عیوب بھی تھے۔ وہ شہوات نفسانی کا گرویدہ تھا۔ بعض دفعہ نماز بھی نہیں پڑھا کرتا تھا اور جب نماز پڑھا کرتا، تو اکثر وقت گزرنے کے بعد۔

Marfat.com

اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر علامہ ابن کثیر یزید کے بارے میں لکھتے ہیں:

قد روی ان یزید کان قد اشتهر بالمعازف و شرب الخمر والغنا والصید واتخاذ الغلمان والقیان والکلاب والنطاح بین الکباش والرباب والقرود ما من یوم الا یصبح فیہ مخمورا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۵ جلد ۸)

ترجمہ: یعنی یزید ان باتوں میں بڑی شہرت کا مالک تھا۔ گانا بجانا، میخواری، غنا، شکار، لونڈے لونڈیاں رکھنا، کتے پالنا، مینڈھوں، ریچھوں، بندروں کے درمیان کشتی کرانا وہ جب صبح کو بیدار ہوتا تو شراب کے نشے میں مست ہوتا۔

یہ ہے یزید جس کے بارے میں بادشاہ سے زیادہ با دشاہ کے وفادار زیاد کی رائے اور دیگر حضرات کی آراء آپ پڑھ آئے ہیں۔ ان اقوال کے آئینے میں یزید کی داغدار سیرت کے خدوخال آپ بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے شخص کی مدح وستائش میں آج کتابیں لکھی جا رہی ہیں، پمفلٹ شائع کئے جا رہے۔ تقریریں کی جا رہی ہیں اور قیامت بالائے قیامت یہ ہے کہ اس کو ایک ایسی شخصیت پر فضیلت دینے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے جس کا نام حسین رضی اللہ عنہ ہے فداہ ابی وامی۔ جس کا ذکر پاک سن کر مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی داستان جہاد کے مطالعہ سے پژمردہ حوصلے اور افسردہ ولولے زندہ ہو جاتے ہیں اور باطل سے ٹکر لینے کی آرزو بے چین کر دیتی ہے، وہ حسینؓ جس کے بارے میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن اسامہ بن زید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ یاخذہ والحسن ویقول اللھم انی احبھما فاحبھما۔

Marfat.com

ترجمہ: اسامہ بن زید کہتے ہیں، حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و حسینؓ کو گلے لگا لیتے اور پھر یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت فرما۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ هما ریحانتای من الدنیا۔

(باب المناقب، بخاری ص۵۳۰ ج ۱)

ترجمہ: آپؐ نے فرمایا، اس دنیا کے باغ سے یہ میرے دو پھول ہیں۔

ترمذی کی کثیر احادیث میں سے صرف ایک حدیث سماعت فرمائیے:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة۔

ترجمہ: کہ حسن اور حسین، جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ تو ہوا یزید کی شخص زندگی کا ایک ورق۔

یزید بحیثیت حکمران

اگرچہ یورپ کے ماہرین سیاست یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کی شخصی زندگی سے سروکار نہیں، ہم تو اس کو ان اعمال کی کسوٹی پر پرکھیں گے جن کا تعلق قوم اور ملک سے ہے۔ اسلام اس تفریق کا قائل نہیں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے، دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر بھی کرتی ہیں لیکن آئیے! ان صاحبان کے ممدوح "یزید" کے ان کارناموں پر بھی سرسری نظر ڈالیں، جو بحیثیت حکمران اس نے انجام دیے اور یہ دیکھیں کہ اس مجاہد اور بطل جلیل نے

Marfat.com

اسلام اور ملت اسلامیہ کی کون کونسی سنہری خدمات انجام دی ہیں جن کے صلہ میں یہ حضرات اسے خلیفہ راشد کہنے پر مصر ہیں۔

سب سے پہلے سانحہ کربلا کو لیجئے، کیونکہ یزید کی حکومت کا آغاز اسی خونی حادثہ سے ہوا۔ مجھے اس وقت ابن زیاد اور اس کے لشکر کی ستم کیشیوں اور جفا کاریوں سے بحث مطلوب نہیں، اس سانحہ سے یزید کا جہاں تک براہ راست تعلق ہے اس پر بحث کرنا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ یزید پر اس واقعہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں۔

یزید نے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو جہاں پاؤ قتل کردو۔ (تاریخ طبری ص ۱۹۴، جلد ۶)

امام مسلم کو عبدالرحمٰن نامی ایک کوفی دھوکہ سے پکڑ کر لے آیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں محل کی سب سے اونچی چھت پر لے جاؤ، وہاں ان کا سر قلم کردو اور ان کے دھڑ کو اتنی بلندی سے گلی میں پھینک دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

امر یزید بقتل مسلم فکتب الیہ ان یطلب مسلم بن عقیل فیقتلہ ان وجدہٗ فجاء بمسلم الی عبید اللہ و امر بہ فاصعد الی اعلی القصر فضربت عنقہ والقی جثتہٗ الی الناس و امر بھانی فسحب الی الکناسۃ فصلب ھنا۔

(طبری ص ۱۹۶ جلد ۶)

ترجمہ: ابن زیاد کے حکم سے ہانی کو بھی گھسیٹ کر لے گئے۔ جہاں غلاظت کا ڈھیر تھا۔ وہاں لے جا کر انھیں سولی دے دی گئی۔

تاریخ کامل میں ہے:

Marfat.com

بعث ابن زیاد براس مسلم وھانی الی یزید وکتب الیہ یزید یشکرہ۔ (صفحہ ۲۶، جلد ۶)

ترجمہ: پھر ابن زیاد نے ان دونوں شہیدانِ وفا کے سروں کو کوفہ سے دمشق یزید کے پاس بھیجا۔ (یزید کو اس سانحہ فاجعہ پر ذرا دکھ نہ ہوا) بلکہ اس نے ابن زیاد کو خط لکھا جس میں اس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ (گویا دو غیر مسلح افراد کو قتل کر کے اس نے شجاعت و بہادری کا ایک نادر نمونہ پیش کیا ہے۔)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ خاندان نبوت کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی ساری ذمہ داری ابن زیاد پر عائد ہوتی ہے۔ یزید تو وہاں سے صدہا میل دور دمشق میں تھا جو کچھ ہوا اس کے حکم کے بغیر ہوا اور اس کے علم کے بغیر ہوا۔ یزید کو جب اس حادثہ کا علم ہوا تو وہ بہت آزردہ ہوا اور رویا۔ اس کے محل میں مجلسِ ماتم برپا ہوئی جو تین دن تک جاری رہی۔ جس سے اس رنج و اندوہ کا پتہ چلتا ہے جو اس المناک واقعہ پر یزید کو ہوا۔

کاش! ایسا ہی ہوتا، لیکن تاریخ کے صفحات اس کے بالکل برعکس کہانی بیان کرتے ہیں۔ میدان کربلا میں جو لرزہ خیز اور شرمناک واقعات رونما ہوئے انھیں وہیں رہنے دیجیے۔ چلتے نیزوں کی انیوں پر آویختہ شہدائے گرامی کے سروں کے جلوس کے ساتھ چلیے اہلِ بیعت کی غمزدہ خواتین کے کارروان کے ساتھ۔ ہم آپ کو شام لے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس سانحہ پر یزید کا پہلا اور حقیقی ردِعمل کیا تھا۔ علامہ ابنِ جریر کی عبارت ملاحظہ ہو:

اوفدہ الی یزید بن معاویۃ ومعہ الراس فوضع راسہ بین یدیہ وعندہ ابو برزہ الاسلمی وجعل ینکت

Marfat.com

بالقضیب علیٰ فیه ویقول : ؎

یفلقن هامامن رجال اعزة　　　علینا وهم کانوا اعق واظلما

وقال له ابو برزة ارفع قضیبك فوالله لربما رأیت رسول الله علیٰ فیه یلثمهٗ - (تاریخ طبری ص۲۲۰، جلد ۶)

ترجمہ: ابن زیاد نے قاتل حسین کے ہاتھ آپ کے سرمبارک کو یزید کے پاس بھیجا۔ اس نے وہ سرمبارک یزید کے سامنے رکھ دیا۔ ایک صحابی ابوبرزہ اسلمی وہاں موجود تھے۔ یزید ایک چھڑی سے آپ کے لب ہائے لعلین پر کچوکے دینے لگا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔ انھوں نے ایسے آدمیوں کی کھوپڑیوں کو پھاڑ دیا جو ہمیں عزیز تھے، لیکن وہ بہت نافرمان اور ظالم تھے۔ ابوبرزہ پیرانہ سالی کے باوجود اس گستاخی کو برداشت نہ کرسکے اور فرمایا: اے یزید! اپنی چھڑی کو پرے ہٹالو۔ بخدا! میں نے بکثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منہ کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔"

علامہ ابن اثیر نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے:

ثم اذن للناس فدخلوا علیه والرأس بین یدیه و معه قضیب وهو ینکت به ثغرهٗ ثم قال ان هذا وایانا کما قال الحصین بن همام

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت
قواضب فی ایماننا تقطر الدما
یفلقن هاما من رجال اعزة
علینا وهم کانوا اعق واظلما

Marfat.com

ترجمہ: جب اس کے پاس سر مبارک رکھا گیا تو اس نے لوگوں کو دربار میں آنے کا اذنِ عام دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے ایک چھڑی سے آپ کے دندانِ مبارک پر ضربیں لگانا شروع کیں اور ساتھ ہی کہنے لگا: بے شک ان کی اور ہماری حالت ایسی ہی ہے جیسے ایک شاعر نے کہا تھا: ہماری قوم نے انکار کیا کہ ہمارے ساتھ انصاف کریں تو ہماری تلواروں نے انصاف کیا جو دائیں ہاتھ میں تھیں اور ان سے خون ٹپک رہا تھا۔ ان تلواروں نے ان لوگوں کی کھوپڑیوں کو پھاڑ دیا جو ہمیں عزیز تھے لیکن وہ بڑے نافرمان اور ظالم تھے۔

اب آپ غور فرمائیے کہ جو شخص نواسہ رسول کے کٹے ہوئے سر مبارک کو یوں اپنے سامنے رکھنے کی جسارت کرتا ہے اور لوگوں پر اپنی قوت کی دھاک بٹھانے کے لیے انھیں یہ روح فرسا منظر دیکھنے کی عام اجازت دیتا ہے پھر وہ گستاخ چھڑی سے ان ہونٹوں پر چوٹیں لگاتا ہے جن کو اللہ کا محبوب بکثرت چوما کرتا تھا۔ اور پھر وہ اپنی شوکت کو نمایاں کرنے کے لیے ایسے متکبرانہ شعر پڑھتا ہے کیا اس شخص کے بارے میں یہ خیال کرنا انتہائی سادگی بلکہ انتہائی بیہودگی نہیں کہ اسے اس سانحہ پر رنج تھا اور وہ بڑا افسردہ اور پژمردہ ہوا۔

حضرت ابو برزہ اسلمی وہاں بیٹھے تھے۔ اس گستاخانہ منظر کی تاب نہ لا سکے اور فوراً جھڑک دیا۔ آخر میں فرمایا: یہ ہونٹ ہیں جو نبی کریم کی بوسہ گاہ تھے۔ اے یزید! جب تو قیامت کے دن آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا۔ اور جب یہ تشریف لائیں گے تو ان کے جد کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان کے شفیع ہوں گے۔ پھر آپ اس محفل سے نکل گئے تھے۔

Marfat.com

مؤرخین نے اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے یہ تصریح کی ہے؛

وجھزھم (ابن زیاد) وحملھم الی یزید فلما قدموا علیہ جمع من کان بحضرتہ من اھل شام ثم ادخلوھم فھنؤا بالفتح۔ (تاریخ طبری صہ ۲۲ جلد ۶۔ البدایہ صہ ۱۹۷ جلد ۸)

ترجمہ: ابن زیاد نے اس لٹے پٹے قافلہ کو تیار کیا اور یزید کی طرف بھیجا۔جب وہ دمشق پہنچے تو یزید نے ملک شام کے رؤسا کو اپنے دربار میں اکٹھا کیا پھر اس بھری محفل میں خاندان نبوت کی مستورات اس کے سامنے پیش کی گئیں۔اور اس کے درباریوں نے یزید کو اس فتح پر مبارکباد پیش کی۔

خود ہی سوچئے جو شخص دربار عام لگاتا ہے، ملک شام کے ہر قابل ذکر آدمی کو وہاں جمع کرتا ہے اور وہ اس کی خدمت میں اس فتح پر اسے مبارکیں پیش کرتے ہیں اور وہ ظالم اس بھرے دربار میں پردہ دار خواتین کو پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔کیا ہم اس کے باوجود ان دوستوں کی بات مان لیں کہ یزید کو اس واقعہ پر بہت صدمہ ہوا بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ یزید نے بڑے افسوس کا اظہار کیا اور آنسو بھی بہائے اور ابن زیاد کو بُرا بھلا بھی کہا لیکن اس ڈرامے سے علامہ ابن اثیر نے یہ کہہ کر پردہ اٹھا دیا؛

لما وصل راس الحسین الی یزید حسنت حال ابن زیاد عندہ وزادہ ووصلہ وسدہ ما فعل ثم لم یلبث الا یسیرا حتی بلغہ بغض الناس لہ ولعنھم وسلبھم فندم علی قتل الحسین۔ (تاریخ کامل صہ ۸۷، ج ۴)

ترجمہ، جب شہید کربلا کا سر مبارک یزید کے پاس پہنچا تو یزید کے دل میں ابن زیاد کی

Marfat.com

قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی۔ اس کی عزت میں اضافہ ہوگیا۔ جو کچھ اس نے کیا تھا یزید اس پر بڑا خوش ہوا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اسے یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ اس وجہ سے اس کے خلاف بغض رکھنے لگے۔ اس پر لعنتیں بھیجتے ہیں اور اسے سب وشتم کرتے ہیں، تو پھر امام حسینؓ کے قتل پر اس کو ندامت ہوئی ....

پھر اس نے کہا:

فبغضنی بقتلہ الی المسلمین وزرع فی قلوبھم العداوۃ فابغضنی البر والفاجر بما استعظموہ قتلی الحسین مالی و لا بن مرجانۃ لعنۃ اللہ وغضب علیہ۔

ترجمہ: ابن زیاد نے آپ کو شہید کرکے مجھے مسلمانوں کی نگاہوں کو مبغوض بنا دیا ہے، ان کے دلوں میں میری عداوت بھر دی ہے اور ہر نیک و بُرا شخص میرے ساتھ بغض کرنے لگا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امام حسینؓ کو قتل کرکے مَیں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے اور اس پر اپنا غضب نازل کرے۔ اس نے مجھے برباد کر دیا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یزید ابتدا میں بڑا خوش ہوا کہ اس کا مدمقابل قتل کر دیا گیا ہے، لیکن جب اسے اپنی رسوائی اور بدنامی کا احساس ہوا، تو پھر اسے خجالت و ندامت ہوئی اور لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کے لیے اس نے آنسو بہائے لیکن وہ آنسو مگرمچھ کے تھے۔

اس دربارِ عام میں ایک اور المناک سانحہ پیش آیا جو یزید کی بدباطنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسی دربار میں ایک شامی کھڑا ہوا اور حضرت سیدہ فاطمہ ہمشیرہ زینت کی طرف

Marfat.com

اشارہ کر کے یزید کو کہنے لگا کہ یہ مجھے بخش دو معصوم سیّدہ یہ بات سن کر کانپ گئیں اور اپنی ہمشیرہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ حضرت زینبؓ شیرنی کی طرح گرجیں اور فرمایا: اے شامی! تُو جھوٹ بکتا ہے، تو لعین اور کمینہ ہے۔ یہ پاک شہزادی نہ تجھے مل سکتی ہے اور نہ اس تیرے یزید کو۔

فغضب یزید وقال کذبت واللہ ان ذلک لی ولو شئت ان افعلہ لفعلتہ۔

یزید حضرت زینب کی بات سن کر غصّے سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا، زینب تم جھوٹ کہتی ہو۔ بخدا! یہ میرے قبضہ میں ہے، اگر میں اسے شامی کو دینا چاہوں تو دے سکتا ہے۔

قالت کلا واللہ ما جعل اللہ لک ذلک الا ان تخرج من ملتنا وتدین بغیر دیننا۔

حضرت زینب نے جوش سے فرمایا، ہرگز نہیں، بخدا! تمھیں ایسا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ذرا حق نہیں دیا بجز اس کے کہ تم اعلانیہ ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارے دین اسلام کو چھوڑ کر اور دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دو۔

ان واقعات کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یزید کے دل میں خانوادۂ نبوت کی قدر و منزلت تھی تو اسے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ دربار عام میں خانداِن نبوت کی شہزادیوں کو عام لوگوں کے روبرو پیش کرنا ہی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یزید کے دل میں خاندانِ نبوت کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ وہ نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو اپنے دشمن کی بیٹی کو بھی ننگے سر دیکھتے تو اپنی چادر مبارک اتار کر اس پر

Marfat.com

ڈال دیتے۔ یزید کو شرم نہ آئی کہ حضور کی نواسیوں کو یوں بھرے دربار میں پیش کرنے کی جرأت کی۔ اگر یہ خلیفہ راشد ہے تو ظالم اور جابر کس کو کہتے ہیں۔

اگر ایک لمحہ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید کے حکم اور اس کے علم کے بغیر ابن زیاد نے یہ قیامتِ صغریٰ برپا کی تو جب یزید کو اس قتل عام کا علم ہوا تو اس کے بعد اس نے ابنِ زیاد، ابن سعد، شمر وغیرہم کے خلاف کیا کارروائی کی؟ کیا اس نے قصاص لیا؟ اگر ایک غریب مسلمان بھی قتل کر دیا جائے تو حاکم کا فرض ہے کہ قاتل سے قصاص لے۔ یہاں تو معاملہ خاندان نبوت کا ہے۔ خاندان نبوت کے صرف ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک ایک فرد کا ہے جو یزید کی تیغ جفا کا شکار ہوئے۔ اگر قصاص نہیں لیا تھا تو کم از کم ان کو بطور سزا ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا ہوتا، لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان سے کوئی قصاص لیا گیا، نہ ان ظالموں کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا اور نہ ہی ان کو سرزنش اور ملامت کا کوئی خط تک لکھا۔ ان حالات میں ایک بچہ بھی بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ جو کچھ ہوا یزید کی اجازت اور حکم سے ہوا اور وہ اس پر مطمئن تھا۔

یزید کے عہد حکومت کا یہ پہلا کارنامہ ہے جس نے اسلام کی تاریخ کو خون میں ڈبو دیا اور کئی ہولناک فتنوں کے لیے راہ ہموار کر دی۔ اس خلیفہ راشد کا دوسرا کارنامہ ملاحظہ ہو:

آپ پہلے ان حالات کو پڑھ آئے ہیں جن کی وجہ سے اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت کو فسخ کیا اور تمام عواقب و نتائج سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد میں کود پڑے۔ اب ذرا وہ المیہ ملاحظہ ہو جو اس نے رحمت للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر اور اس میں

Marfat.com

بسنے والوں کے ساتھ روا رکھا، وہ مدینہ اور اہلِ مدینہ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

لا یکید اهل المدینة احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء (بخاری شریف)

(ترجمہ) حضورؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ مکر و فریب کرے گا۔ وہ یوں گل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گلتا ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یرید احد المدینه بسوء الا اذابه اللہ فی النار ذوب الرصاص، او ذوب الملح فی الماء

ترجمہ "جو شخص مدینہ کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح پگھلا دے گا جس طرح قلعی پگھلتی ہے یا نمک پانی میں گل جاتا ہے"

امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ ایک حدیث چشمِ ہوش کو کھولنے کے لیے کافی ہوگی۔

قال علیه الصلوٰة والسلام من اخاف اهل المدینه ظلما اخافه اللہ تعالیٰ وعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین لا یقبل اللہ منه یوم القیامة صرفا ولا عدلا۔

ترجمہ: جو شخص ازراہ ظلم اہلِ مدینہ کو خوفزدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

Marfat.com

قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ اور معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس مدینہ اور اہلِ مدینہ کے ساتھ یزید نے جو سلوک کیا اسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اہلِ مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی ہے تو اس نے ایک ظالم اور جابر فوجی مسلم بن عقبہ کو اس لشکر کا سالار بنایا جو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ یزید نے مسلم کو رخصت کرتے وقت یہ حکم دیا کہ پہلے قوم کو اس بات کی دعوت دو کہ وہ اطاعت قبول کر لے۔ اور اگر ایسا کرے تو ان سے باز رہو اور اگر تین دن تک وہ اطاعت قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ اگر یزید نے اتنا ہی کہا ہوتا تو اس کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ اہلِ مدینہ نے بغاوت کی تھی اور یزید کیونکہ وقت کا حاکم تھا، ملک میں امن و امان برقرار رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔ بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اس نے جو قدم اٹھایا وہ ناگزیر بھی تھا اور جائز بھی، لیکن یزید نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے جرنیل کو یہ حکم دیا:

فاذا ظهرت عليهم فابح المدينة ثلاثا۔

کہ جب تم غالب آجاؤ تو تین دن تک مدینہ کے شہر کو اپنے لشکر کے لیے مباح کر دو، جو ان کا جی چاہے کریں، کسی کو قتل کریں، کسی کا مال لوٹیں، کسی کی آبرو ریزی کریں، کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ خود سوچئے کہ جو شخص مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کو اپنے فوجیوں کے لیے خوانِ یغما سمجھتا ہے کیا اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، کیا اس کے دل میں خدا کے رسول کا احترام ہے؟ کیا اس کا قیامت پر ایمان ہے؟ کہ اسے اس روز بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا اور اس سے اس کی بدکاریوں کی بازپرس ہوگی۔

Marfat.com

یزید کا یہ چنگیزی حکم لے کر مسلم، مدینہ طیبہ پر دھاوا بولتا ہے۔ اس جہاد میں اہل مدینہ نے اپنی جان سپاری کے بے نظیر کارنامے انجام دیے۔ ان کی ایک جھلک آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ جب اہل مدینہ کے اکابر ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن حنظلہ اپنے سات بچوں کو ناموسِ اسلام پر قربان کر کے خود بھی اپنے سر پر شہادت کا تاج سجائے دار البقا کو سدھار گئے اور اہل مدینہ اپنی اس مہم میں کامیاب نہ ہوئے، تو پھر خون خوار بھیڑیوں کی طرح یزیدی لشکر کے سپاہی اور افسر اس شہر گرامی میں داخل ہو گئے اور تین دن تک جو اودھم انھوں نے مچایا نہ قلم میں اتنی قوت ہے کہ وہ اسے کما حقہٗ بیان کر سکے اور نہ دل میں یہ تاب ہے کہ اسے سن سکے۔ ابن کثیر کی چند سطریں دل پر ہاتھ رکھ کر آپ بھی سن لیجئے:

ثم اباح مسلم بن عقبة الذی یقول فیه السلف مسرف بن عقبه قبحه الله من شیخ سوء ما اجهله المدینه ثلاثة ایام کما امره یزید لا جزاه الله خیرا قتل خلقا من اشرافها وقرائها وانتهب اموالا کثیرة منها ووقع شئ عظیم وفساد عریض علی ما ذکرہ غیر واحد۔

(البدایہ صہ ۲۲۰۔ ج ۸)

ترجمہ: پھر مسلم بن عقبہ جسے اسلاف مسرف بن عقبہ کہتے ہیں۔ خدا اس کو ذلیل و رسوا کرے، وہ بڑا اُجڈ اور جاہل بوڑھا تھا۔ اس نے مدینہ طیبہ کو تین دن کے لیے مباح کر دیا جس طرح یزید نے حکم دیا تھا۔ اللہ یزید کو کبھی جزائے خیر نہ دے۔ اس نے جنگ کے اختتام کے بعد وہاں کے بے شمار بزرگوں اور قاریوں کو تہ تیغ کیا اہلِ مدینہ

Marfat.com

کے اموال کو بیدردی سے لوٹا اور جس طرح متعدد مورخین نے بیان کیا اس کی اس حرکت سے وہاں شرِ عظیم اور فسادِ کبیر برپا ہوا۔

سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے تاریخ ساز خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

کل المسلم علی المسلم حرام، دمہ ومالہ وعرضہ۔

ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

اب یزید کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور مباح کرے اور اپنے لشکر کو مدینہ طیبہ کے شہریوں پر قیامت توڑنے کی اجازت دے، اگر آپ یزید کو خلافت راشدہ کی مسند پر بٹھانے کے لیے مصر ہوں گے تو اس داغ داغ شخصیت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بھی متنفر ہو جائیں گے اور یہ تصور کہ یہ دین، دینِ عدل وانصاف اور فضل واحسان ہے ہمیشہ کے لیے درہم برہم ہو جائے گا۔

یزید نے جو ستم ڈھائے وہی ہمارے لیے کافی ہیں اب اس کے یہ بہی خواہ اگر مزید کرم فرمائیوں سے باز آجائیں تو ان کی عنایت ہوگی۔

اس سانحہ کے بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں جسے یہاں لکھتے ہوئے قلم خجالت سے سرنگوں ہے:

ووقعوا علی النساء حتی قتل انہ حبلت الف امرأۃ فی تلک الایام من غیر زوج واللہ اعلم۔ قال المدائنی عن ابی کرۃ قال قال ھشام بن حسان ولدت الف امرأۃ من اھل المدینۃ بعد وقعۃ الحرۃ من غیر زوج (البدایہ ص۲۲۱ جلد ۸)

Marfat.com

ترجمہ: یزید کے لشکری تین دن تک اہل مدینہ کی عصمتوں کو پامال کرتے رہے یہاں تک کہا گیا ہے۔ ان دنوں میں ہزار عورتیں ان کی اس بدمعاشی سے حاملہ ہوئیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

محتاط مؤرخ یہ دردانگیز حادثہ بیان کرنے کے بعد لکھنے پر مجبور ہو گیا:

فقد اخطاء یزید خطاء فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبه ان یبیح المدینه ثلاثة ایام وهذا خطاء کبیر فاحش مع ما انضم الی ذلك من قتل خلق من الصحابة وابناء هم فقد تقدم انه قتل الحسین واصحابه علی یدی عبید الله بن زیاد وقد وقع فی هذه الثلاثة ایام من المفاسد العظیمه فی المدینة النبویة مالا یحد ولا یوصف ومما لا یعلمه الا الله عزوجل۔

ترجمہ: یزید نے مسلم بن عقبہ کو تین دن تک مدینہ طیبہ کو مباح کرنے کا حکم دے کر بڑی اور فحش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ بے شک یہ بہت بڑی اور سنگین غلطی ہے۔ مزید برآں بہت سے صحابہ کرام اور ان کے کثیر تعداد فرزند اس حادثہ میں شہید ہوئے۔ اس سے پہلے اس نے امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کا جرم کیا اللہ تعالےٰ کے نبی کے شہر میں ان تین دنوں میں وہ عظیم تباہی اور بربادی ہوئی جس کی نہ کوئی انتہا ہے نہ اس کی تفصیل بیان کی جا سکتی ہے۔ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالےٰ کو ہے۔

تاریخ میں اس واقعہ کو واقعہ حرۃ کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر اس کے ذکر کے بعد

Marfat.com

کہتے ہیں کہ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اس کے مخالفین کا قلع قمع کر دے گا۔ اس کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی۔ اس کے عہد حکومت میں اس کا کوئی مدمقابل نہ رہے گا۔

فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين ما يشتهيه وقصمه الله قاصم الجبابره واخذه اخذ عزيز مقتدر۔ (البدایہ صہ۲۲۲۔ جلد: ۸)

ترجمہ: اللہ تعالے نے اس کے ارادہ کے برعکس اس کو سزا دی اور جو اس نے چاہا تھا، اس کو پورا نہ ہونے دیا۔ جابروں اور فرعونوں کی کمر توڑنے والے خدا نے اس کی کمر توڑ دی اور اس کو یوں پکڑا جس طرح عزت والا اور قدرت والا پکڑا کرتا ہے۔

اب ہم اس المناک بحث کو چھوڑ کر آگے چلتے ہیں اور اس کے تیسرے سنہری کارنامے کی طرف اس کے مداحوں کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔

ممکن ہے اہل بیت اطہار کے متعلق ان کے دلوں میں کوئی نرم گوشہ نہ ہو اور اس مقدس خاندان پر جو قیامت ٹوٹی اس سے ان کے دلوں پر کوئی چوٹ نہ لگی ہو ممکن ہے حضور نبی رحمت صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک شہر کی عزت و حرمت کی ان کی نگاہوں میں کوئی زیادہ اہمیت نہ ہو، لیکن کعبہ مقدسہ کے بارے میں بھی تو شاید ان کے دلوں میں عقیدت و احترام کے جذبات موجود ہوں۔

مدینہ طیبہ کو کھنڈرات کا ڈھیر بنانے کے بعد مسلم کو حکم ملا کہ وہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرے اور وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ چنانچہ یہ جفا کار اپنے درندہ صفت فوجیوں کو لے کر مکہ مکرمہ پر دھاوا بولنے کے لیے روانہ ہوا۔ موت کے فرشتہ نے راستہ ہی

Marfat.com

میں اس کی گردن مروڑ دی اور جہاں اسے پہنچنا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس کے ہلاک ہونے کے بعد حصین بن نمیر الکوفی نے لشکر کی قیادت سنبھالی اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، مکہ پہنچ کر باہر کھلے میدان میں قیام کیا اور جنگ شروع ہوئی۔ فریقین میں کئی مرتبہ شدید جھڑپیں ہوئیں کئی ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ ربیع الاول ۶۴ھ میں اس نے کعبہ مقدسہ کے بالمقابل اپنی منجنیقیں نصب کیں اور بیت اللہ شریف پر پتھر برسانے شروع کیے۔ صرف پتھر ہی نہیں پھینکے بلکہ آگ لگانے والا مادہ بھی پھینکا گیا۔ یہاں تک کہ کعبہ شریف کا غلاف بھی جل گیا اور ایک دیوار بھی جل کر گر گئی۔ اس حالت میں جب کہ یزید کا جرنیل حصین، کعبہ مقدسہ پر سنگباری کر رہا تھا اور آتش گیر مادہ پھینک رہا تھا، یزید کو موت کے فرشتے نے آدبوچا اور جب اس کے مرنے کی اطلاع اس لشکر کو پہنچی تو اپنا محاصرہ اٹھا کر بے نیلِ مرام خائب و خاسر شام کو لوٹ گیا۔

تین سال ساڑھے سات ماہ کی اس مختصر مدت میں تاریخ نے یزید کے جن کارناموں کو بطورِ یادگار محفوظ رکھا ہے۔ وہ یہی واقعات ہیں ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یزید نے کوئی نیا ملک فتح کیا ہو کسی دشمن کے قلعہ پر قبضہ کیا ہو۔ اندرونِ ملک رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے اہم اقدامات کئے ہوں جس شخص کی ساری زندگی کا سرمایہ گلشنِ خانوادۂ نبوت کی بربادی ہجرت گاہ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کی بربادی اور کعبہ مشرفہ پر سنگباری ہو، اس کی توصیف و تعریف میں لوگ زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہیں، دفتروں کے دفتر سیاہ کرتے رہیں، وہ یزید کے دامن کے بدنما داغوں میں سے ایک داغ بھی نہیں دھو سکتے۔ اور جن رفعتوں اور بلندیوں پر اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب کے نواسے حضرت امام حسین کو فائز کیا ہے وہاں سے انہیں ہٹایا نہیں جا سکتا۔

Marfat.com

یزید کے محامد کا جائزہ

جب یزید کے متوالوں کو اپنے ممدوح کی سیرت میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کی بنیاد پر وہ اس کی عظمت کا قصر تعمیر کر سکیں، تو پھر وہ اس حدیث پاک کا سہارا لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔

ترجمہ: یعنی میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یزید بھی اس پہلے لشکر میں شامل تھا، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق وہ بھی مرحوم و مغفور ہے اور جنتی ہے۔

آئیے! تاریخ کے آئینے میں پہلے یہ تحقیق کر لیں کہ کیا وہی لشکر پہلا لشکر تھا جس میں یزید شامل ہوا یا اس سے پہلے بھی اسلامی مجاہدین نے قسطنطنیہ پر حملے کا شرف حاصل کیا۔

علامہ ابن کثیر کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفیھا (۳۲ھ) غزا معاویہ بلاد الروم حتی بلغ المضیق مضیق القسطنطنیہ۔ (البدایہ ص ۱۵۹، ج ۷)

یعنی ۳۲ ہجری میں حضرت امیر معاویہ نے مملکت روم کے شہروں پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی تنگ نائے تک پہنچ گیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا لشکر یہ تھا اور اس میں یزید شامل نہیں تھا، اس کی عمر اس وقت چار پانچ سال کے لگ بھگ تھی۔

Marfat.com

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ؛

ودخل المسلمون سنۃ اثنتین واربعین الی بلاد الروم فھزموھم وقتلوا جماعۃ من البطارقۃ واثخنوا فیھا ثم دخل بُسر بن ارطاط ارضھم ثلاث واربعین ومشی بھا و بلغ القسطنطنیہ۔ (ابن خلدون صفحہ ۱۹ ج ۳)

ترجمہ ؛ ۴۲ھ میں مسلمان بلاد روم میں داخل ہوئے اور انھیں شکست دی اور بہت سے بطریقوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر ۴۳ھ میں بسر بن ارطاط بلاد روم میں داخل ہوئے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

ابن جریر اور ابن اثیر نے بھی یہ قول نقل کیا ہے اور اسے واقدی کی طرف منسوب کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ چند مؤرخین نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ بُسر نے بلادِ روم پر حملہ کیا ہو، لیکن ابن خلدون جیسے نقاد مؤرخ کا اس قول کو نقل کرنے پر اکتفا کرنا اس بات کی شہادت ہے کہ ابن خلدون کو اس قول کی صحت پر اعتماد ہے، لیکن اگر ان روایات کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا جاتے بلکہ اس پر اصرار ہو کہ پہلا لشکر وہی تھا جس میں یزید شامل تھا۔ تو آئیے! آپ کو ایک عجیب وغریب بات بتائیں جس سے جہادُ کے بارے میں یزید کے ذوق وشوق کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکیں گے۔

علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں ؛

ثم بعث معاویہ سنۃ خمسین جیشا کثیفًا الی بلاد روم مع سفیان بن عوف وندب یزید ابنہ معھم فتثاقل فترکہ۔ (ابن خلدون صہ ۱۹ جلد ۳)

Marfat.com

ترجمہ: ۵۰ ہجری حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لشکرِ جرار سفیان بن عوف کی قیادت میں بلادِ روم پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا اور اپنے بیٹے یزید کو بھی کہا کہ وہ اس میں شریک ہو، لیکن اس نے بڑی گرانی کا اظہار کیا، چنانچہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔

اس کے بعد علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

ثم بلغ الناس ان الغزاة اصابهم جوع ومرض وبلغ معاوية ان يزيد انشد فی ذلك ـــ

ما ان ابالی بما لاقت جموعهم
بالفدفد البيد من حمّی ومن شوم
اذا اتطأت علی الانماط مرتفقا
بدير مرّان عندی ام كلثوم

(هی امرأته) فحلف ليلحقن بهم فسار فی جمع كثير۔

(صفحہ ۲۰ ج ۳ ابن خلدون)

ترجمہ: پھر لوگوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس لشکر میں جو مجاہدین شریک ہوئے تھے انھیں بھوک اور بیماری نے ہلکان کر دیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو یہ بھی بتایا گیا کہ جب اس لشکر کی خستہ حالی کی اطلاع یزید کو پہنچی تو اس نے یہ رُباعی پڑھی:

مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے کہ بخار اور بدقسمتی کی وجہ سے اس کھلے صحرا میں ان کے لشکروں پر کیا گزری۔

جب کہ میں نرم و گداز قالینوں پر دیرِ مرّان میں بیٹھا ہوا ہوں اور میرے پہلو

Marfat.com

میں ام کلثوم موجود ہے۔ (یہ یزید کی بیوی تھی)۔

تو امیر معاویہؓ نے اس کو قسم دے کر اسے مجبور کیا کہ وہ ہر قیمت پر لشکر میں شریک

ہو یہی واقعہ بعینہٖ کامل ابن اثیر میں بھی موجود ہے۔ (تاریخ کامل ص ۴۵۸، جلد ۳)

یہ پڑھنے کے بعد روز روشن کی طرح آپ پر عیاں ہو گیا ہو گا کہ یزید کے دل میں جہاد کا کتنا جذبہ تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے مجبور کرنے کے باوجود بھی اس نے جانا گوارا نہ کیا صرف یہی نہیں بلکہ ان مجاہدین کی بھی اس کے دل میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ قدر و منزلت تو رہی اپنی جگہ اس کے ان شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں ان غازیوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ بھی مفقود تھا، بلکہ وہ ان کا مذاق اڑاتا تھا۔ اور اپنی بزم طرب کو اس جہاد پر ترجیح دیتا تھا۔ حضرت امیر معاویہ اس کی رباعی سن کر بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس کو قسم دے کر مجبور کرتے ہیں کہ وہ ضرور اس مہم میں شریک ہو۔

مجاہد وہ نہیں ہوتا جسے زنجیروں میں باندھ کر میدانِ جہاد میں ڈال دیا جائے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں جس قسم کے اجر کا مستحق ہوتا ہے اس کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس غزوہ میں یزید کی شرکت طوعاً نہ تھی بلکہ کرہاً تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کی نیت سے گھر سے نہیں نکلا تھا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے اصرار نے اس کے لیے فرار کی ساری راہیں بند کر دی تھیں۔ اگر اس قسم کے آدمی کو آپ اس زمرہ میں شمار کرتے ہیں جن کے لیے زبانِ نبوت نے مغفور لھم کا مژدہ سنایا ہے تو ہم آپ کی فراخ دلی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

نیز حضور کا یہ ارشاد "مغفور لھم" عام ہے، لیکن اگر کوئی خاص دلیل پائی جائے تو اس عموم میں داخل افراد کو اس خاص دلیل سے نکالا جا سکتا ہے جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا

Marfat.com

ارشاد گرامی ہے:

"من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ"

کہ جس شخص نے بھی لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا، لیکن اگر وہ صرف زبان سے کہتا ہے دل سے نہیں کہتا تو وہ اس بشارت کا مستحق نہیں ہوگا اور اگر وہ ایک مرتبہ دل سے بھی کہتا، لیکن بعد میں مرتد ہو جاتا ہے، تو وہ بھی اس بشارت سے خارج ہو جائے گا۔ یہاں بھی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یزید اس پہلے لشکر میں جہاد کی نیت سے شریک ہوا تب بھی اس کے بعد جو سیاہ کاریاں اپنے عہد حکومت میں اس سے سرزد ہوئیں ان میں سے ہر ایک اس کو اس بشارت سے خارج کرنے کے لیے کافی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مہلب اور اس کے دوسرے ہم مشرب لوگوں نے اس حدیث کو یزید کے لیے بطور منقبت ذکر کیا ہے۔

قلت ای منقبۃ کانت لیزید وحالہ مشہورۃ۔

یزید کے لیے اس حدیث میں تعریف کا کون سا پہلو ہے جب کہ اس کی کارستانیاں اظہر من الشمس ہیں۔ علامہ موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں:

لا یختلف اھل العلم ان قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغفور لھم مشروط بان یکونوا من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ۔"

ترجمہ: یعنی اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور کا یہ ارشاد "مغفور لہم" اس

Marfat.com

شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ مغفرت کے مستحق ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان میں سے مرتد ہو جاتا ہے تو وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مغفور وہی ہوگا جس میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی۔ (عمدۃ القاری۔ کتاب الجہاد)

علامہ قسطلانی نے بھی اپنی "ارشاد الساری"، شرح بخاری میں یہی عبارت نقل کی ہے اور انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۵ ص ۱۲۴)

کیا یزید لعنت کا مستحق ہے؟

یزید کے طرف دار اس سلسلہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں کہ آپ نے یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے۔

گزارش ہے کہ امام غزالی اپنی رفعت شان اور علو مقام کے باوجود امام مجتہد نہیں بلکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب امام اور اس کے مقلد کے اقوال میں تعارض آجائے تو ترجیح امام کے قول کو دی جائے گی۔ علامہ ابن خلکان نے اپنی مشہور کتاب "وفیات الاعیان" جلد دوم صفحہ ۴۴۹ میں ابوالحسن علی بن محمد المعروف بالکیا الھراسی الفقیہ الشافعی جو عماد الدین کے لقب سے ملقب تھے، کا فتویٰ نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

وسئل الکیا الھراسی ایضا عن یزید معاویۃ قال انہ لم یکن من الصحابۃ لانہ ولد فی ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ واما قول السلف فی لعنۃ ففیہ لاحمد قولان تلویح وتصریح ولمالک قولان تلویح وتصریح ولا حنیفۃ قولان تلویح وتصریح ولا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لا یکون کذلک وھو اللاعب بالنرد

Marfat.com

والمتصید بالفہود ومدمن الخمر وشعرہ فی الخمر معلوم...الخ

ترجمہ: الکیا الہراسی سے یزید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ صحابہؓ میں سے نہیں تھا، کیونکہ اس کی ولادت عہد فاروقی میں ہوئی اور اس پر لعنت بھیجنے میں سلف صالحین سے یہ منقول ہے۔ اس بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کے دو قول ہیں کہ تلویح اور تصریح یعنی کنایۃً لعنت یا صراحۃً لعنت۔ امام مالک کے بھی دو قول ہیں تلویح اور تصریح۔ امام ابوحنیفہؒ کے بھی دو قول ہیں تلویح اور تصریح۔ اور ہمارا (یعنی امام شافعی کا) ایک ہی قول ہے یعنی تصریح۔ اس پر صراحۃً لعنت بھیجی جاتے اور ایسے کیوں نہ کیا جائے جب کہ وہ شطرنج کھیلتا تھا، لومڑیوں کے لیے شکار کھیلتا تھا۔ ہمیشہ شراب پیتا تھا اور شراب کی تعریف میں اس کے اشعار مشہور و معروف ہیں۔

چنانچہ انھوں نے چند اشعار بھی لکھے ہیں۔

گویا ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی یزید پر لعنت نہ بھیجنے کا قائل نہیں تھا۔ فرق صرف صراحۃً اور کنایہ کا تھا۔ ان کے قول کے مطابق امام شافعی تصریح کے قائل ہیں۔ جب امام غزالی، امام شافعی کے مقلد ہیں تو ترجیح امام شافعی کے قول کو ہی دی جائے گی۔

ابن جوزی نے قاضی ابویعلیٰ سے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے صالح نے ان سے عرض کی:

ان قوما ینسبوننا الی یزید فقال یا بنی ھل یتولی یزید احد یومن باللہ ولم لا العن من لعنہ اللہ فی کتاب فقلت واین لعن اللہ یزید فی کتابہ فقال فی قولہ تعالیٰ فھل

Marfat.com

عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم فھل یکون فساد اعظم من ھذا القتل۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۳۲)

ترجمہ: ایک قوم ہماری طرف اس بات کو منسوب کرتی ہے کہ ہم یزید کے دوست اور حمایتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹا! جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ یزید کی دوستی کا دم بھر سکتا ہے؟ اور اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت بھیجی ہے میں نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے کس جگہ اپنی کتاب میں یزید پر لعنت بھیجی ہے۔ فرمایا:

اپنے اس ارشاد میں فھل عسیتم الآیۃ پھر تم سے یہ توقع ہے کہ اگر تم حکمران بنا دیئے جاؤ، تو زمین میں فساد برپا کرو اور قطع رحمی کرو۔ ایسا کرنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے۔ پس بہرہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں، اور اندھا کر دیا ہے ان کی آنکھوں کو اب بتاؤ کیا قتل حسین رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی فساد بڑا ہے۔

احناف کے عقائد کی کتاب شرح عقائد نسفی کے محشی نے "النبراس" میں تصریح کی ہے:

وبعضھم اطلق اللعن علیہ منھم ابن الجوزی المحدث وصنف کتابا سماہ الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید، ومنھم الامام احمد بن حنبل ومنھم القاضی ابو یعلی۔ (نبراس شرح شرح عقائد ص ۵۵۴)

ترجمہ: بعض نے یزید پر مطلقاً لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے محدث ابن

Marfat.com

جوزی ہیں، انھوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام الرد علی المتعصب العنید مانع عن ذم یزید، انہی میں سے امام احمد بن حنبلؒ اور قاضی ابو یعلی وغیرہ حضرات ہیں۔

علامہ قسطلانی اپنے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں رقمطراز ہیں:

وقد اطلق بعضهم فيما نقله المولى سعد الدين اللعن على يزيد لما انه كفر بقتل حسين واتفقوا على جواز اللعن على من قتله او امر به او اجازه ورضى به والحق ان رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذلك واهانته اهل بيت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم لما تواتر معناه وان كان تفاصيلها احاد او نحن لا نتوقف فى شانه بل ايمانه لعنة الله عليه وعلى انصاره واعوانه۔

(ارشاد الساری ۳۴۴ جلد ۵)

ترجمہ: جس طرح علامہ سعد الدین تفتازانی نے نقل کیا ہے۔ بہت سے علماء نے یزید پر لعنت بھیجنے کا قول کیا ہے، کیونکہ وہ سیدنا حسینؓ کے قتل سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور سب علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس نے آپ کو قتل کیا جس نے آپ کے قتل کا حکم دیا جس نے آپ کو قتل کرنے اجازت دی اور جو اس قتل پر راضی ہوا۔ اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور حق یہ ہے کہ یزید امام حسینؓ کے قتل پر راضی ہوا، اور اس پر بہت خوش ہوا، اور اہل بیت کی اس نے اہانت کی یہ ایسی باتیں ہیں جو معناً متواتر ہیں۔ اگرچہ ان کی تفاصیل احاد ہیں اور ہم اس کے بارے

Marfat.com

میں اور اس کے کفر کے بارے میں ذرا شک نہیں کرتے۔ اللہ تعالےٰ اس پر، اس کے دوستوں پر اس کے مددگاروں پر لعنت بھیجے۔

سر دست ان چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ یزید لعنت کا مستحق ہے۔ البتہ اس کا مستحق لعنت ہونا اور بات ہے اور سارے کام چھوڑ کر اس پر لعنت بھیجنے کو اپنا معمول اور وظیفہ بنا لینا اور بات ہے۔ ہم اس کام میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس سے بہتر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اس کے رسولِ کریم اور آپ کی آلِ اطہار پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے۔

محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

ایک شیعہ دوست
کے
جواب میں

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرصہ ہوا جہلم سے ایک دوست نے ہمیں خط لکھا کہ کسی ہوٹل میں انھوں نے ایک اشتہار آویزاں دیکھا ہے، جس میں کوئی صاحب لکھتے ہیں کہ میرے ذہن میں شبہات پیدا ہوئے میں دو سال تک علماء اہلِ سنت کے پاس جاتا رہا تاکہ وہ میری تسلی کردیں لیکن کوئی مجھے مطمئن نہ کرسکا، اس لیے میں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا ہے۔

ہمارے اس دوست نے خواہش کی ہے کہ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات شائع کیے جائیں تاکہ اگر کسی دل میں یہ خدشات ہوں تو وہ دور ہو جائیں۔

عدیم الفرصتی کے باوجود میں نے اپنا فرض خیال کیا کہ ان شبہات کا جواب تحریر کروں، معترض کے اعتراضات میں نے پڑھے ہیں۔ ان کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے اسے اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہم کو اس میں الجھنے کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ اعتراضات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ

Marfat.com

اعتراض نمبر ا

حضرتِ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روضۂ مبارکہ میں کیوں دفن نہیں کیا گیا؟

معلوم ہوتا ہے کہ جناب معترض نے شیعہ صاحبان کی کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں کیا ورنہ وہ اس ذہنی خلفشار کا شکار نہ ہوتے۔ ان لوگوں نے حسبِ عادت اس واقعہ کو بھی افسانوی رنگ دیا ہے اور اس المناک سانحہ کو بھی اپنی عبارت آرائی اور اپنے راہوارِ قلم کی ترک تازیوں کا میدان بنایا ہے۔ میں ان کی تاریخ کی معتبر کتاب "ناسخ التواریخ" کے حوالے سے کچھ چیزیں پیش کرتا ہوں۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضرت خاتونِ جنت کے وصال کی خبر جب اہل مدینہ کو پہنچی تو سب نے گریہ و فریاد شروع کر دی اور عورتیں گھر میں جمع ہو گئیں جن کے شور و فغاں سے مدینہ میں زلزلہ محسوس ہونے لگا۔ مدینہ طیبہ کے سارے باشندے اس انتظار میں جمع ہو گئے کہ جنازہ میں شرکت کریں گے، لیکن اس وقت ابوذر باہر آئے اور کہا: اے لوگو! اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ اس وقت تجہیز و تکفین کا کوئی ارادہ نہیں۔ سب لوگ واپس چلے گئے۔ صرف اسما بنت عمیس (زوجہ محترمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سرہانے بیٹھی روتی رہیں۔ حضرت علی تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا۔ اب اس کے بعد ناسخ التواریخ کی عبارت پیش کرتا ہوں تاکہ کسی کو کوئی اشتباہ نہ رہے۔

فا ذا فیھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما اوصت

Marfat.com

بہ فاطمہ بنت رسول اللہ اوصت وھی تشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان الجنۃ حق. والنار حق وان الساعۃ اتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور یا علی انا فاطمہ بنت محمد زوجنی اللہ عنک لاکون لک فی الدنیا والاخرۃ انت اولی بی من غیری حنطنی وغسلنی وکفنی باللیل وصل علی وادفنی باللیل و لاتعلم احدا واستودعک اللہ واقرأ علی ولدی السلام الیٰ یوم القیامۃ۔ (ناسخ التواریخ جلد سوم جز اول ص ۲۲۴۰۵ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے چہرہ مبارک سے پردہ اٹھایا، وہاں ایک رقعہ دیکھا جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط یہ وصیت کی کہ وہ گواہی دیتی ہیں کہ لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ' جنت حق ہے، قیامت ضرور آئے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ مردوں کو پھر اٹھائے گا۔ اے علی! میں فاطمہ بنت محمد ہوں صلے اللہ تعالیٰ علی ابیھا و علیھا وسلم، اللہ تعالے نے میرا نکاح آپ کے ساتھ کیا تاکہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ رہوں۔ دوسروں سے آپ میرے زیادہ مستحق ہیں۔ مجھے خوشبو لگائیے، غسل دیجئے اور رات کو ہی مجھے کفن دیجئے اور میری نماز جنازہ پڑھیئے۔ اور رات کو ہی مجھے دفن کر دیجئے اور کسی کو اطلاع نہ دیجئے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتی ہوں، میری طرف سے میرے بچوں کو تا قیامت سلام!

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدہ نے روضۂ مبارکہ میں دفن ہونے کی نہ وصیت

Marfat.com

کی اور نہ اس خواہش کا اظہار کیا، نہ آپ کی قبر مبارک کے لیے کسی سے مشورہ کیا گیا بلکہ آپ کی وصیت کے مطابق رات کی تاریکی میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ کو دفن کیا گیا۔

ایک انصاف پسند آدمی یہ وصیّت نامہ پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جنت البقیع میں مزار پُر انوار بنانے میں حضرت صدیق اکبرؓ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مرضی سے آپ کو دفن فرمایا۔ اس وصیت سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس کلمے پر حضرت سیدہ نے اس عالمِ فانی کو الوداع کہا وہ وہی کلمہ ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا ہے اگر کوئی دوسرا کلمہ ہوتا تو آپ اسی کلمہ پر دنیا سے رخصت ہوتیں۔ اگر علی ولی اللہ وخلیفة بلا فصل بھی جزوِ ایمان ہوتا تو حضرت سیّدہ اس کا ذکر بھی اپنی وصیت میں فرماتیں۔ یہ شرف اہلِ سنت ہی کو حاصل ہے کہ ان کا کلمہ ان کے معتقدات بعینہٖ وہی ہیں جو خاندان اہلِ بیت پاک کے تھے۔ مزار پُر انوار کے بارے میں اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ کی روایت ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> حضرت علی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی پھر دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے اور عرض کی یارب العالمین! یہ تیرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر ہے۔

جب انھوں نے دفن کرنے کا ارادہ فرمایا تو پھر کیا ہوا؟ اس کی تفصیل انہی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

نودوا من بقعة من البقيع الی الی فقد رفع تربتها

Marfat.com

منی فنظر فاذا ھی بقبر محفور فحملوا السریر الیہا فدفنوھا۔

توجنت البقیع کے ایک گوشہ سے آواز آئی میری طرف لے آؤ ان کا جسدِ اطہر میری مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جب اس گوشہ کی طرف دیکھا تو وہاں ایک کھدی ہوئی قبر تیار تھی۔ چنانچہ حضرت سیدہ کی چارپائی کو اٹھا کر وہاں لے آئے اور اس قبر میں آپ کو دفن کیا۔

اس سے بھی صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ آپ کے جسدِ اطہر کی مٹی اس جگہ سے لی گئی تھی۔ لامحالہ آپ کو وہیں دفن ہونا تھا، کوئی کتنی کوشش کرتا اس جگہ کے علاوہ انہیں دفن نہ کیا جا سکتا تھا۔ نیز جس قبر میں آپ کو دفن کیا گیا وہ نوری فرشتوں کی تیار کردہ تھی۔ گویا مشیت الٰہی بھی یہی تھی کہ آپ اس قطعہ مبارکہ میں دفن ہوں، ورنہ جن فرشتوں نے یہاں قبر تیار کی تھی وہ روضہ منیفہ میں بھی تیار کر سکتے تھے اور کوئی کتنی رکاوٹ پیدا کرتا آپ کو وہاں دفن ہونے سے نہ روک سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیّدہ نے نہ یہ وصیت کی، نہ اس بات کی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جاتے نہ علی مرتضیٰؓ نے۔ نہ حسنین کریمین میں سے کسی نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت سیدہ کو وہاں دفن کرنے کا اذن طلب کیا۔ اگر سیدۃ النساء ایسی وصیّت کرتیں یا علی مرتضیٰؓ اذن طلب کرتے اور حضرت ابوبکر صدیق اذن نہ دیتے یا مزاحمت کرتے تو پھر معترض کے اعتراض میں کچھ وزن ہوتا۔ جب ان میں سے کوئی صورت بھی موجود نہیں تو پھر حضرت صدیق اکبرؓ کی مقدس ذات پر کیچڑ اچھالنا محض

Marfat.com

اپنی کور باطنی کا اظہار ہے۔

ہم معترض صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ اگر کوئی بد زبان حضرت امام حسن مجتبیٰ پر اعتراض کرے کہ روضۂ مبارکہ میں جب چوتھی قبر کی جگہ موجود تھی تو آپ نے امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو وہاں کیوں دفن نہ کیا۔ اس وقت تو شیخین موجود نہ تھے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بلکہ سارے حجاز پر آپ کا کامل تسلط تھا۔ کیا ہمارے یہ معترض صاحب اس دوسرے بد زبان کی یاوہ گوئی کو تسلیم کرتے ہوئے سبط النبیؐ، ریحانۃ الرسول حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرائیں گے؟

اعتراض نمبر ۲

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کی مثال دے کر ثابت کریں کہ ان کے وارثوں کو ان کی وراثت سے محروم رکھا گیا ہے؟

جواب

اس اعتراض کا جواب اگر ہم آپ کو اہلِ سنت والجماعت کی کتابوں سے حوالے سے دیں گے تو جناب معترض شاید اس کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوں، آئیے! دنیائے شیعیت کی سب سے معتبر کتاب "اصول کافی" کی حدیث ملاحظہ فرمائیں جو امام معصوم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارًا انما اورثوا احادیث من احادیثھم۔

(اصول کافی جلد اول باب صفۃ العلم وفضلہ صفحہ ۶۰)

Marfat.com

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں،
کیونکہ انبیاء درہم اور دنانیر کا وارث نہیں بناتے بلکہ اپنے علمی معارف کا وارث
بناتے ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء لم یورثوا
دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ
بحظ وافر۔

حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ انبیاء علماء کے وارث ہیں۔ انبیاء دینار اور درہم ورثہ میں نہیں دیتے
بلکہ اپنا علم خداداد ورثہ میں دیتے ہیں۔ جس نے اس علم سے کچھ حاصل کیا اس کو
بڑا حصہ نصیب ہوا۔

دوسری روایت میں ارشاد حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور راوی حضرت
امام جعفر صادق ہیں اور پہلی روایت میں حضرت جعفر صادق کا عقیدہ اور نظریہ بیان ہے،
جو فرمانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ جب حضور کا بھی یہ ارشاد
ہو اور حضرت جعفر صادق کا بھی یہ عقیدہ ہو تو پھر اس کے خلاف کوئی بات کرنا ایمان
کے سراسر منافی ہے۔

بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ویسے تو اصول کافی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ امام مہدی

Marfat.com

جو ابھی تک غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ جب کلینی نے یہ کتاب تصنیف کی تو غار میں اپنے سفراء کے ساتھ حضرت امام غائب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اور آپ نے اسے پڑھ کر پسند کیا۔ اور فرمایا: ھذا کاف شیعتنا یعنے ہمارے شیعہ کے لیے یہ کتاب کافی ہے۔ عام طور پر ہندوستانی مطبوعہ نسخوں کے سرورق پر یہ ارشاد مرقوم ہوتا ہے لیکن اگر اسی معتبر کتاب میں حضور کا ارشاد یا کسی امام معصوم کا فرمان اپنے عقیدہ کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو اٹھا کر پرے رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ روایات جو ابھی آپ پڑھ چکے ہیں جب کہ ان کے عقائد کے خلاف تھیں تو ان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ کیونکہ یہ آیات قرآنی کے خلاف ہیں اس لیے ہم ان کو نہیں مانتے۔ ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ امام غائب نے ایسی کتاب کے بارے میں یہ فرمایا ہوگا کہ یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔ جس میں ایسی روائتیں موجود ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں، کوئی عقل سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بہرحال ان حضرات نے ان احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ قرآن کے خلاف ہیں اس لیے ہم ان کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

و ورث سلیمان داؤد

کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔ نیز حضرت ذکریا علیہ السلام نے بچے کے لیے دعا کی تو عرض کیا:

و یرثنی و یرث من ال یعقوب

یعنے مجھے ایسا بچہ عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔

جب حضرت سلیمان اپنے باپ داؤد کے، حضرت یحیٰی اپنے باپ زکریا اور

Marfat.com

آلِ یعقوب علیہ السلام کے وارث ہوسکتے ہیں تو سیدۃ النساء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث کیوں نہیں بن سکتیں۔

اس کے بارے میں گذارش ہے کہ قرآن کریم میں مال کی وراثت کا ذکر نہیں بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مذکور ہے۔ حضرت داؤد کے اٹھارہ بیٹے تھے، بیٹیاں بھی تھیں اور بہت سی ازواج بھی تھیں۔ اگر آیت میں مال کی وراثت کا ذکر ہوتا تو سب بیٹے بیٹیاں اور بیویاں وارث ٹھہرتیں۔ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کا کوئی مقصد نہ ہوتا صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وراثت سے مراد علم اور نبوت کی وراثت ہے اسی طرح ذکریا علیہ السلام متمول لوگوں میں سے نہ تھے جن کے پاس لاکھوں کروڑوں کی جائیداد ہو اور اس کے لیے وہ کوئی وارث مانگ رہے ہوں۔ آپ بڑھئی کا کام کرتے تھے مشکل سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ نیز آلِ یعقوب علیہم السلام کے کون سے خزانے اب تک محفوظ تھے جن کے لیے وارث کی فکر حضرت ذکریا کو دامن گیر تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی قوم سے مایوس تھے۔ ان میں انھیں کوئی ایسا مردِ صالح نظر نہیں آتا تھا۔ جو ان کے بعد توحید کی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکے۔ آپ کو یہ خیال رہ رہ کر پریشان کر رہا تھا کہ میرے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد کہیں میری گدی پر ایسے لوگ متمکن نہ ہو جائیں جو نبوت کی ذمہ داریاں اور تبلیغ کے فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہوں اور میرے بعد ہدایت کی روشنی بجھ جائے اور گمراہی کا اندھیرا چار سو پھیل جائے اس کے لیے آپ ایک ایسے وارث کے لیے دست بدعا رہتے جو اس بارِ گراں کا متحمل ہو سکے۔

لہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے ضیائے حرم کا فاروق اعظم نمبر مطالعہ فرمائیں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شکوک و شبہات کی گرد و غبار دور فرما دے تو کچھ بعید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲

کسی نبی کی شریعت میں کسی امتی کو رد و بدل کرنے کی اجازت نہیں پھر حضرت عمرؓ نے الصلوٰۃ خیر من النوم کا جملہ صبح کی اذان میں کیوں بڑھایا۔ ماہ رمضان میں نماز تراویح کا اضافہ کیوں کیا اور متعہ کو حرام کیوں قرار دیا۔

جواب

کسی نبی کی شریعت میں کسی امتی کو رد و بدل کی ہرگز اجازت نہیں یہود و نصاریٰ نے اپنی شریعتوں میں ہوائے نفس کے مطابق تحریف و تبدل کو اپنا اشعار بنایا۔ اس وجہ سے قرآن کریم میں جابجا ان کی مذمت کی گئی ہے۔ جب سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شرائع میں کسی قسم کا رد و بدل ناقابل برداشت اور لائق صد مذمت ہے تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں، جو آخری نبی کی آخری شریعت ہے تغیر و تبدل کیسے روا رکھا جا سکتا ہے۔

لیکن آپ نے جن چیزوں کو تغیر و تبدل کہا ہے یہ آپ کی سینہ زوری اور تاسف ہے، ان امور کا احکامِ شریعت میں تحریف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آپ نے الزام لگایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے کلمات بڑھا دیئے ہیں۔ یہ الزام سراسر باطل ہے۔ یہ اضافہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقہ حنفی کی مستند کتاب الھدایہ میں موجود ہے (اسی طرح متعدد کتب احادیث میں بھی) کہ ایک روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما تھے۔ حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے اور الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ حضور کو بیدار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

کو یہ کلمات بہت پسند آئے ارشاد فرمایا:

ما احسن ھذا یا بلال اجعلہ فی اذانک۔

اے بلال یہ کتنا پیارا جملہ ہے اس کو اذان میں داخل کردو۔

حضرت فاروق اعظم کی طرف یہ بات جو منسوب کی جاتی ہے کہ آپ کے حکم سے اسے اذان کا جزو بنایا گیا۔ یہ قطعاً درست نہیں صورتِ حال یہ تھی کہ بسا اوقات مؤذن اذان کے بعد جب امیر المومنین کو بیدار کرنے کے لیے ان کے پاس آتا تو جگانے کے لیے الصلوٰۃ خیر من النوم کا جملہ دہراتا۔ حضرت فاروق اعظم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ یہ جملہ اذان کا جزو ہے اور اذان میں ہی اس کا اعادہ مناسب ہے کسی کے دروازہ پر جا کر ان الفاظ سے اس کو جگانا درست نہیں۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ اذان میں اس کا غلط الزام وہ لگا رہے ہیں جو بڑے ڈھڑلے سے اذان میں اضافہ کرتے ہیں اور اتنا طویل اضافہ کہ کلمات اذان سے بھی وہ طویل ہے اور یہ ایسا اضافہ ہے کہ جس کا سراغ نہ عہد رسالت میں، نہ عہد خلفائے راشدین میں، نہ آئمہ اہل بیت کے زمانہ مبارک میں ملتا ہے لیکن جناب معترض اور ان کے ہمنوا اذان میں اس اضافہ پر مُصر ہیں اور ان کی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہے کہ ان کے اکابر علماء ان کی اس زیادتی کے باعث انھیں لائق ملامت قرار نہیں دیتے۔ اسی کو کہتے ہیں:

غیراں را نصیحت خود میاں فضیحت

من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے:

ھذا ھو الاذان الصحیح لا یزاد فیھا ولا ینقص منھا۔

Marfat.com

یہ صحیح اذان ہے نہ اس میں کوئی زیادتی کی جا سکتی ہے اور نہ کمی کی جا سکتی ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مفوضہ (شیعہ کا ایک ٹولہ ہے) ان پر خدا کی لعنت ہے انھوں نے کئی حدیثیں گھڑ لی ہیں اور اس اذان میں نئے نئے اضافے کر لئے ہیں بعض اشھدان محمد رسول اللہ کے بعد اشھدان علیا ولی اللہ کہتے ہیں۔ اور بعض اشھدان علیا امیر المومنین حقاً دوبار کہتے ہیں:

ولکن ذالک لیس فی اصل الاذن

اصل اذان میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ من لا یحضرہ الفقیہ کی عبارت بھی ملاحظہ کریں:

والمفوضۃ لعنھم اللہ قد وضعوا اخبارا و زادوا فی الاذان محمد و اٰل محمد وفی بعض روایاتھم اشھد ان علیا ولی اللہ ومنھم من روی بدل ذالک ان علیا امیر المومنین حقا مرتین ــــ ولکن ذالک لیس فی اصل الاذان (من لا یحضرہ الفقیہ صـ۸۷)

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ اذان میں اضافہ اور تحریف کا مرتکب کون ہے؟

جناب معترض کا یہ کہنا بھی سراسر کذب و افترا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے تراویح کی نماز جاری کی جو عہد رسالت میں نہیں تھی۔ گزارش ہے کہ اہل سنت کی کتاب میں بہت سی روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح کا آغاز حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا۔ تین رات تراویح پڑھانے کے بعد محض اس اندیشہ سے ان کا التزام نہ کیا کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے لیکن علماء سنت کی کتابوں کے علاوہ شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی روایات موجود ہیں جن سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ سر دست ایک

Marfat.com

ہی روایت پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب الوافی جلد دوم ص ۸، پر حضرت زین العابدینؒ کا یہ ارشاد منقول ہے:

قال کتبت الی ابی محمد علیہ السلام ان رجلا روی ان اباءك علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یزید من الصلوۃ فی شھر رمضان علی ما کان یصلیہ فی سائر الایام وقال علیہ السلام کذب۔ فض اللہ فاہ صل فی کل لیلۃ من شھر رمضان عشرین رکعۃ لاعشرین من الشھر۔

ترجمہ: یعنی میں نے امام ابومحمد زین العابدین کی طرف لکھا کہ ایک شخص آپ کے آباء سے یہ روایت نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں اتنی ہی نماز پڑھا کرتے تھے جتنی دوسرے مہینوں میں، اس پر زیادتی نہ کرتے حضرت سجاد نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اس راوی نے جھوٹ بکا ہے اللہ اس کا منہ پھوڑے اور اس کے دانت توڑے تو رمضان کی ہر رات میں بیس رکعت نماز ادا کیا کر اور بیس تاریخ تک ایسا ہی پڑھتا رہ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیائے حرم کا فاروق اعظم نمبر)

جناب معترض نے تیسرا الزام یہ لگایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے متعہ کو حرام کیا۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو حضرت فاروق اعظمؓ صد تحسین اور ہزار تبریک کے مستحق ہیں کہ آپ نے دین فطرت کو فسق و فجور کا بازار گرم کرنے کے الزام سے بچا لیا۔ قرآن جو عفت قلب و نگاہ کا درس دیتا ہے۔ اس پر یہ الزام کہ اس نے متعہ کی اجازت

Marfat.com

دی، سراسر ظلم اور زیادتی ہے لیکن جن لوگوں کے نزدیک ایک مرتبہ یہ فعل شنیع کرنے سے شہید کربلا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور دوم مرتبہ ایسا کرنے سے مقام امام حسنؓ نصیب ہوتا ہے اور تین مرتبہ ایسا کرنے سے مقام مرتضوی تک رسائی ہو جاتی ہے۔ آپ ہزار کوشش کریں آپ ان کو متعہ کی حرمت کا قائل نہیں کر سکتے، متعہ کے جواز کا قول اسلام کی روشن پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے میری زبان قلم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہے اگر آپ کے دل میں تحقیق کا شوق ہو تو ضیائے حرم کا فاروق اعظم نمبر ملاحظہ فرمالیں۔

اعتراض نمبر۴

شعب ابی طالب میں حضورؐ بنو ہاشم کو لے کر تین سال تک مقیم رہے اس وقت ابوبکرؓ و عمرؓ کہاں تھے؟

جواب

آپ قبائلی زندگی کی خصوصیات سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ عرب میں خاندانی عصبیت اوج کمال پر تھی۔ خاندان کا کوئی فرد غلط بات کہتا یا کوئی غلط کام کرتا تو اس کی تائید خاندان کے ہر فرد کی عزت نفس کا مسئلہ بن جاتی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جس عہد میں تشریف فرما ہوئے وہ عہد قبائل عصبیتوں کے شباب کا دور تھا۔ آپ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو کئی دوسرے قبیلوں نے ہاشمی سمجھ کر آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب مشرکین مکہ نے حضور پر جور و ستم کی حد کر دی تو بنو ہاشم کی قومی عصبیت بھڑک اٹھی اور انھوں نے ہر قیمت پر حضورؐ کے دفاع کا عزم کر لیا۔ کفار مکہ اسلام کی روز افزوں ترقی سے نعل در آتش تھے۔ جب ان کی ساری کوششیں

Marfat.com

ناکام ہوگئیں تو انھوں نے سوشل بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا اور ایک حلفیہ تحریر لکھی کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے نہ لین دین کریں گے نہ آپس میں شادیاں کریں گے نہ ان سے گفتگو کریں گے اور نہ ان کے پاس بیٹھیں گے جب تک کہ وہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کر دیں۔ اس صحیفہ کو بڑی حفاظت سے سر بمہر کر کے چھت کے ساتھ آویزاں کر دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے جب کفار کے ظلم و تشدد کو دیکھا تو آپ نے قبیلہ عبد المطلب کو جمع کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی گھاٹی میں پناہ دیں اور حضور کا دفاع کریں۔ اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں :

فاجتمع على ذالك مسلمهم وكافرهم ومنهم من فعله حمية ومنهم من فعله ايمانا و يقينا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۳ ص ۸۴)

یعنی قبیلہ عبد المطلب کے تمام افراد مسلمان اور کافر سب جمع ہو کر حضور کا دفاع کرنے پر متحد ہو گئے بعض نے یہ کام قبیلہ کی غیرت و حمیت کے باعث اٹھایا اور بعض نے ایمان و یقین سے۔ اسی طرح علامہ ابن خلدون اس واقعہ کا ذکر کرتے لکھتے ہیں :

وانحاز بنو هاشم و بنو عبد المطلب كلهم۔ كافرهم ومؤمنهم فصاروا فى شعب ابى طالب محصورين متجنّبين

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۲، مطبوعہ لبنان)

یعنی سارے بنو ہاشم مطلب کے سارے بیٹے، کافر اور مسلمان سب حضور کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ ان میں سے صرف ابولہب اپنے

Marfat.com

خاندان سے الگ رہا اور کفار کی سنگت اختیار کی۔

تین سال تک یہ مقاطعہ جاری رہا۔ محصورین پر بڑے بڑے مشکل وقت بھی آئے۔ تین سال یہ عرصہ بغیر کچھ کھاتے پیئے گزارنا ممکن نہیں۔ کفار نے تو بالکل لین دین بند کر دیا تھا۔ اب وہ کون لوگ تھے جو چوری چھپے ان محصورین کو خوراک اور دیگر ضروریات بہم پہنچایا کرتے تھے۔ ان میں سرفہرست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے اپنی ساری دولت اسلام کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنا تن من دھن پیغمبر اسلام کی خوشی پر قربان کر دیا تھا۔ اگر شعب ابی طالب میں محصور ہونے کی دعوت سارے مسلمانوں کو دی جاتی اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اس میں شامل نہ ہوتے تو آپ کا اعتراض بجا تھا، لیکن یہاں تو معاملہ صرف خاندانِ عبدالمطلب تک محدود تھا۔ یہ حضرات پروانہ وار شمع رسالت پر قربان ہوتے رہے اور ساری ضروریات کی کفالت کرتے رہے۔

اعتراض نمبر ۵

کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قتل کیا گیا اور ان کے قاتل کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے؟

جواب

جناب معترض تاریخ کی ابجد سے بھی ناواقف ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہ قتل کیا گیا، نہ زہر دیا گیا، نہ آپ کسی سازش کا شکار ہوئیں، بلکہ ۵۸ھ ماہ رمضان میں بیمار ہوئیں۔ چند روز تک علیل رہیں پھر وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۶۸ برس تھی جس پر کتب تاریخ شاہد ہیں۔

Marfat.com

اعتراض نمبر ۶

اہلِ سنت والجماعت عموماً حضرت ابو ہریرہ، سعد، عبداللہ، زبیرؓ سے زیادہ روایت کرتے ہیں تو کیا حضرت علی، حسن، حسینؓ کسی سے کم عالم تھے۔ ان سے حدیثیں کیوں مروی نہیں ہیں۔ خاص کر اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔

جواب

جناب معترض کے بیلے اختیار کردہ مذہب کی کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث موجود نہ ہوں تو اور بات ہے۔

اہلِ سنت کی کتابیں آپ کی روایات سے بھری پڑی ہیں خصوصاً فقہ حنفی کے بیشتر احکام باب مدینۃ العلم کے فیضِ نگاہ سے ہی مستنبط کئے گئے ہیں۔ ویسے مرویات کی کثرت سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی ورنہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مرویات کی تعداد ان حضرات کی مرویات سے بھی کہیں کم ہے یا کوئی اہلِ سنت حضرت ابو ہریرہؓ کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھتا ہے ہرگز نہیں۔

قلت روایات کی اصل وجہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے گوناگوں فرائض تھے۔ وسیع وعریض مملکت کا انتظام۔ رعایا کے ہر فرد کی خبرگیری۔ نظام عدل کا اجرا۔ فوجوں کی تیاری، جنگی سکیمیں، دشمن سے لڑائیاں، مفتوحہ ممالک کے انتظامات وغیرہ۔ بے شمار مسائل تھے جن میں وہ منہمک رہا کرتے تھے۔ ان کے برعکس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا دن رات یہ مشغلہ تھا کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے آنے والے لوگوں کو اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سناتے اور

Marfat.com

انھیں دین کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ان کے ذمہ کیونکہ یہ فریضہ تھا، ان کے دن رات اسی فریضہ کی ادائیگی میں صرف ہوتے تھے۔ اس لیے طبعاً ان حضرات سے روایت زیادہ ہیں اور خلفاء راشدین سے روایات کم۔

اعتراض نمبر ۷

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ثابت کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی لڑائی میں حصہ لیا؟ جب کہ اس سے پیشتر ہر لڑائی میں پیش پیش ہوتے تھے۔ اگر آپ کا یہ جواب ہے کہ لڑائی چھوڑ چکے تھے یا ضعیف ہو چکے تھے تو جنگ جمل وغیرہ میں کیوں تلوار اٹھائی؟

جواب

عہد نبوت میں حضور نبی کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم خود سپہ سالار ہوتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جنگ کے تمام معاملات میں قول فیصل ہوتا تھا نیز اس زمانے میں جنگ کے میدان عموماً ملک کے اندر تھے اور چیدہ چیدہ صحابہ کرام ہر جنگ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جب بھی ضرورت پڑتی حضور علیہ السلام مجلسِ مشاورت کا انعقاد فرماتے اور صحابہ کرام سے صورتِ حال کے متعلق تبادلۂ خیال کرتے۔ حضور کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی، اسلام کی روز افزوں ترقی کے باعث مملکت اسلامیہ کا حدود اربعہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔ مختلف محاذوں پر کفار کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا مسلمان مجاہدین مغرب میں قیصر روم کی فوجوں سے نبرد آزما تھے اور مشرق میں ایران کے بادشاہ کسریٰ سے برسرِ پیکار تھے۔ دار الخلافہ سے جنگوں کے میدان سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل دور تھے۔ اس وقت عملی طور پر یہ ممکن نہ رہا کہ

Marfat.com

خلفائے راشدین ہر میدانِ جنگ میں خود سالارِ اعلیٰ کے فرائض انجام دیں، اگر وہ ایسا کرتے تو دوسرے محاذوں سے توجہ ہٹ جاتی اور دشمن کو پیش قدمی کا موقع مل جاتا ان جدید حالات کے پیشِ نظر یہ ضروری ہو گیا کہ خلیفۃ المسلمین خود مرکز میں رہے اور وہاں سے تمام محاذوں پر یکساں توجہ دے۔

وہ شخص جس نے خواب میں بھی میدانِ جنگ کا نظارہ نہ کیا ہو اسے کیا علم کہ جنگ لڑنا اور بیک وقت مختلف محاذوں پر جنگ لڑنا اور اس وقت کی دنیا کی دو بڑی طاقتوں سے جنگ لڑنا کتنی ذمہ داری کا کام ہے۔ فوجوں کا فراہم کرنا، اسلحہ مہیا کرنا، بار برداری کا انتظام کرنا، خوراک اور دوائیں میدان جنگ تک پہنچانا ان امور کے علاوہ ہر وقت کمک کا تیار رکھنا کتنی بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ میدانِ جنگ کا نقشہ تیار کرنا اور جنگی کارروائیوں اور اقدامات کا پروگرام بنانا کتنا کٹھن اور دشوار کام ہے فردِ واحد ان تمام کاموں سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ لازمی طور خلیفہ کو ایسے تجربہ کار، جہاں دیدہ مخلص اور دانش مند مشیروں کی ضرورت ہے اور ان کا ہر وقت خلیفۃ المسلمین کے پاس ہونا ازبس ضروری ہے تاکہ جب کوئی نازک صورت حال ہو فوراً مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کر کے بروقت اور مناسب فیصلہ کیا جائے۔

میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینا بے شک بڑا کام ہے، لیکن جنگی منصوبہ بندی اور دیگر متعلقہ امور سے بروقت اور عمدگی سے عہدہ برآ ہونا اس سے کہیں اہم ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں ایک جنگی کونسل (کونسل آف وار) مقرر تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے رکن رکین تھے جب کوئی سنگین واقعہ

Marfat.com

رونما ہوتا تو حضرت فاروق اعظمؓ آپ کو مشورہ کے لیے یاد فرماتے اور آپ ہر دفعہ بہترین مشورہ دیتے۔ جناب معترض کو اگر علم نہ ہو تو وہ نہج البلاغۃ کا مطالعہ کرے اسے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ رومیوں اور دو مرتبہ ایرانیوں کے ساتھ بنفس نفیس جنگ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت علیؓ نے یہی مشورہ دیا کہ سارے عالم اسلام کے لیے آپ کا مدینہ منورہ میں قیام فرما رہنا ہی باعثِ فلاح و کامرانی ہے۔ ایرانیوں سے مقابلہ کرنے کے وقت آپ نے جو ارشاد فرمایا اس کا مطالعہ ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

ان ھذا الامر لم یکن نصرۃ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدّہ امدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ...الخ

(نہج البلاغہ ج اول ص ۲۸۳)

یعنی اس دین کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار فوج کی کثرت و قلت پر نہیں یہ اللہ تعالٰی کا دین ہے جسے اس نے غالب کر دیا ہے۔ یہ لشکر اللہ تعالٰی کا ہے جس کو اس نے تیار کرایا ہے، جس کی اس نے امداد کی ہے یہاں تک کہ وہ اس منزل تک پہنچا ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالٰی کا وعدہ ہے اور اللہ تعالٰی اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ اور اپنے لشکر کی مدد فرماتا رہے گا۔

پھر آپ نے فرمایا:

فکن قطبا و استدر الرحیٰ۔

Marfat.com

آپ قطب کی طرح ایک جگہ ٹھہرے رہیں اور جنگ کی چکی کو چلاتے رہیے۔ آپ کے ان کلمات سے تھوڑی سی عقل وفہم رکھنے والا آدمی بھی یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ آپ کی نگاہوں میں فاروق اعظمؓ کا دین اللہ کا دین ہے۔ آپ کا لشکر اللہ تعالٰے کا لشکر تھا جس کو کامیاب وکامران کرنے کا اللہ تعالٰے نے پکا وعدہ کیا ہوا تھا پھر آپ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ مشورہ دینا کہ آپ دار الخلافہ میں ہی ٹھہرے رہیں اور جنگ کی نگرانی کرتے رہیں، ایک مخلص اور خیر خواہ دوست کا مشورہ ہے۔

خلافت صدیقی میں بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ ذوالقصہ کی جنگ کے لیے بنفس نفیس جانے لگے تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑلی اور میدان میں جانے سے منع فرمایا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں حضرت علیؓ کی حیثیت ایک سپاہی یا ایک فوج کے سپہ سالار کی نہ تھی کہ وہ خود شمشیر زنی کرتے۔ تیر افگنی اور نیزہ بازی میں مصروف رہتے بلکہ آپ کا مقام ان چوٹی کے جرنیلوں کا تھا جن کے ذمے جنگی تدبیریں کرنا اور ان تدبیروں کو عملی جامہ پہنانا ہوا کرتا ہے۔

اعتراض نمبر ۸

حضرت عائشہ نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ اس بڈھے سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت علیؓ سے لڑائی کی جس سے عثمانؓ کی دوستی اور علیؓ کا بغض ظاہر ہوتا ہے۔

جواب

جناب معترض کا یہ سوال اس کے خبث باطن کی دلیل ہے کہ حضرت صدیقہؓ کو

Marfat.com

حضرت علیؓ سے بغض تھا یا آپ نے حضرتِ علیؓ سے جنگ کی تھی۔ یہ درست ہے کہ حضرت صدیقہؓ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ اس قسم کا مطالبہ سربراہِ مملکت سے ہی کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے قوانین میں اس قسم کا مطالبہ درست تسلیم کیا گیا ہے۔ امیر المومنین سے یہ مطالبہ کر کے حضرت صدیقہؓ نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ ایک جائز مطالبہ کیا ہے۔

جنگ جمل کی تفصیلات کا اگر آپ مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نہ حضرت صدیقہؓ حضرت مرتضیٰ سے جنگ کرنا چاہتی تھیں اور نہ ہی علی مرتضیٰ، ام المومنین کے ساتھ جنگ کرنے کے حق میں تھے۔

جانبین سے سفراء نے گفت گو کی۔ اس کے باعث غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ صبح وسویرے صلح کا اعلان ہونے والا تھا کہ چند قاتلانِ عثمانؓ نے سازش کی اور رات کے دھندلکے میں تیر اندازی شروع کر دی دونوں لشکر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ دوسرے لشکر نے عہد شکنی کی ہے۔ چنانچہ خون کے دریا بہہ گئے اور اسلام کے کئی جیالے جانباز سازشیوں کی تیغ جفا کی نذر ہو گئے۔ اس کا صدمہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کو ہوا۔ اس خونریز اور جانکاہ حادثہ کے بعد حضرت علیؓ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ام المومنین کو آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کی معیت میں مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ بصرہ کی معزز خواتین کو بھی آپ کے ہمراہ بھیجا۔ میدانِ جنگ میں فریقین کے جو لوگ جاں بحق ہوئے تھے۔ ان کی نماز جنازہ علی مرتضےٰ نے خود پڑھائی اور بڑے اہتمام سے ان کی تجہیز و تکفین و تدفین کی۔

Marfat.com

اعتراض نمبر ۹

اہلِ سنت کے عقائد کے مطابق فقہ کے امام، امام اعظمؒ، احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ اور شافعی ہیں پھر بتائیں ان کے بارہ امام کون سے ہیں. یزید کو تو وہ امام نہیں مانتے؟

جواب

اعتراض کے سیاق وسباق میں کوئی مناسبت نہیں، بہر حال معترض نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ کیا یزید اہلِ سنّت کے اماموں میں ہے یا نہیں؟ صرف اسی کے بتانے پر اکتفا کروں گا۔

ہمارے آئمہ میں یذید پلید کا نام ہرگز نہیں اس کی بدکرداریوں اور زشت اعمالیوں کے باعث ہمارے عقائد کی کتابوں میں یہ صراحت مذکور ہے. شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

لعن الله علیه وعلی انصاره واعوانه

اللہ کی پھٹکار یزید پر، اس کے سارے یاروں اور مدد گاروں پر۔

اسی طرح علامہ محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں رقمطراز ہیں:

لا نتوقف فی لعن یزید لکثرة اوصافه الخبیثة وارتکابه الکبائر فی جمیع ایام تکلیفه۔

ہم یزید کے اوصاف خبیثہ اور اپنے عہد حکومت میں اس کی بداعمالیوں کے باعث اس پر لعنت بھیجنے پر ذرا توقف وتامل نہیں کرتے۔

اعتراض نمبر ۱۰

اہلِ سنت والجماعت کثرتی جماعت اور سنت کے پابند ہیں. پھر امام حسینؓ کی

Marfat.com

شہادت کے وقت کثرتی جماعت کہاں تھی اور وہ کون ہیں؟

جواب

اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اہلِ سنت والجماعت ابتداء سے آج تک ملتِ اسلامیہ کا سوادِ اعظم رہے ہیں۔ انہی کے طفیل دین کی عظمت قائم ہے یہی شریعت اسلامیہ کے تقدس کے پاسبان ہیں، انہی کی کوششوں سے قرآن کریم محفوظ ہے۔ انہی کی عرق ریزیوں نے احادیثِ نبویؐ کو زمانہ کی دستبرد سے بچایا ہوا ہے۔ اور جب تک چرخ نیلوفری پہ مہر و ماہ ضوفشاں ہیں اہلِ سنت دینِ محمدی کا پرچم اٹھائے رہیں گے۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امن سکون سے اپنا وقت بسر کر رہے تھے۔ حکومت کی مخالفت کے باوجود کسی کو ہمت نہ تھی کہ آپ پر دست تعدی دراز کرتا۔ یہاں تک کہ کوفہ کے شیعوں نے پے در پے خطوط کا تانتا باندھ دیا۔ ان خطوط میں منتیں اور التجائیں کیں کہ آپ حرم مکہ کو چھوڑ کر ان کے پاس کوفہ تشریف لائیے اور یقین دلایا کہ ہم سب خورد و کلاں، مرد و زن آپ کے اشارۂ ابرو پر سب کچھ نثار کر دیں گے۔ حضرت امام مسلم نے بھی شیعان کوفہ کی عقیدت مندیوں کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو آپ کے پیش نظر کسی سے جنگ کرنا نہ تھا اور نہ آپ نے ملت کے سوادِ اعظم اہلِ سنت کو اپنے ساتھ چلنے اور آپ کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنے کی دعوت دی جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے تو شیعان کوفہ نے ابن زیاد کے دھمکانے سے نواسۂ رسولؐ کے ساتھ باندھا ہوا عہدِ وفا توڑ دیا اور میدانِ کربلا میں آپ کے ساتھ ان لوگوں نے وہ سلوک کیا جو محبت

Marfat.com

کے جھوٹے مدعی اپنے محبوبوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جو دنیا کے پرستار اللہ کے پیاروں سے کیا کرتے ہیں، جن کی تفصیلات ہم اس وقت بیان نہیں کر سکتے حضرت امام اگر مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہتے تو یزید کی مجال ہی نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھ سکتا اور اگر کوئی یہ حماقت کرتا تو چشم آفتاب دیکھتی کہ مصطفےٰ کے غلام آپ کے پیارے نواسے کے قدموں پر کس طرح بے دریغ اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں۔ اہل سنت پر الزام لگانے سے پہلے سوچ کر تاریخ کی عدالت میں قصوروار کون ہے؟ اہل بیت پاک کے خون ناب سے کس کے ہاتھ رنگین اور کس کے دامن تر ہیں۔ افسوس! تم الزام لگاتے ہو اہل سنت پر، جن کا بچہ بچہ اہل بیت کی عظمت پر قربان ہونے کے لیے بے چین ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں منافقین کا ٹولہ بھی تھا، آپ کی وفات کے بعد وہ کہاں گئے۔ کیا مر گئے یا وہ کسی جماعت میں شریک ہو گئے جس جماعت میں شامل ہوئے وہ کونسی جماعت ہے؟

جواب

جناب معترض! منافقین کے بارے میں بڑے مضطرب اور بے چین ہیں۔ پہلے تو انھیں یہ غلط فہمی دور کرنی چاہئیے کہ مکہ میں بھی منافقین کا ٹولہ تھا مکہ میں تو اسلام لانا مصائب و آلام کو دعوت دینا تھا لوگوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ ایسے دین کے لیے اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتے جن کی صداقت پر ان کا ایمان نہیں تھا۔ البتہ مدینہ طیبہ میں جب مسلمان ہونے سے چند فائدے بھی وابستہ ہو گئے تو مطلب پرست گروہ نمودار ہوا اور اپنی دسیسہ کاریوں سے اسلام کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے لگا۔ ان کا رئیس عبداللہ

Marfat.com

بن ابی ابن سلول تھا۔ ۹ھ میں حضورؐ تیس ہزار جانبازوں کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ سخت گرمی کا موسم تھا گرم لو اور تیز دھوپ نے جزیرہ عرب کو آتش کدہ بنا رکھا تھا اور دور دراز کا سفر تھا، منافقین حیلے بہانے کر کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے اس لیے اللہ تعالٰے نے ان کا پردہ چاک کر دیا۔ اس کے بعد جلد ہی ان کا رئیس عبداللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہو گیا۔ جب اسے اپنے بچنے کی امید نہ رہی تو اس نے اپنے بیٹے کو بارگاہ رسالت میں بھیجا تا کہ کفن کے لیے حضورؐ سے اپنی وہ قمیص لے جو حضور کے جسم مبارک کو چھو رہی ہے۔ منافقین کا انبوہ کثیر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتا انھوں نے جب ملاحظہ کیا کہ خبیث اپنی بخشش کے لیے دامن مصطفویؐ میں پناہ لے رہا ہے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس روز ایک ہزار منافق مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

اس روز ان میں سے ایک ہزار مسلمان ہوئے۔ اس طرح ان کی قوت ٹوٹ گئی اور بجز چند ازلی بدبختوں کے سب نے راہ ہدایت اختیار کر جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے ان کو ایک روز نام لے لے کر حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں بے نقاب کر دیا۔ حضور فرماتے :

قم یا فلان فاخرج فانك منافق۔

اے فلاں اٹھو مسجد سے نکل جاؤ تم منافق ہو۔ اس طرح حضور کے وصال سے پہلے منافقوں کا قلع قمع ہو گیا اور گنتی کے چند بدبخت جو باقی رہ گئے وہ مدینہ طیبہ سے بھاگ گئے ان کا نام و نشان یوں مٹ گیا کہ کسی کو یاد بھی نہ رہی۔

ارشاد خداوندی ہے :

Marfat.com

لا تجاورونك منهم الا قليلا۔

اے حبیب! اب یہ جبہ بند ہو کر مدینہ میں اقامت گزیں نہیں رہیں گے بہت جلد ان کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

اگر آپ کو منافقین کا سراغ لگانے کی اتنی ہی بے چینی ہے تو اللہ تعالیٰ سے پوچھئے وہ تمھیں بتائے گا۔

ان شانئك هو الابتر

میرے محبوب کے دشمن مٹ جایا کرتے ہیں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

Marfat.com

Marfat.com

پیمانِ سرفروشی

Marfat.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

نَحۡمَدُكَ اَللّٰهم على نعمائك المتواصلة كما حمدك الانبياء والمرسلون ونشكرك على الائك المتتالية كما شكرك الصديقون والمقربون ونثنى عليك كما اثنيت على نفسك يا حى يا قيوم۔

اللهم انت العلى القدير اللهم انت الولى النصير نسئلك ان توفقنا لنقتبس من الانوار المحمدية الساطعة ونستنير قلوبنا بالشمس الاحمديه البازغة۔ اللهم انت ذوالفضل العظيم۔

وصلى الله تعالىٰ عليك يا صاحب الوجه الجميل والطرف الكحيل وسلم الله تعالىٰ عليك يا نور الهدى كهف الورىٰ وعلى آلك الكرام البررة واصحابك النجوم النيره وعلى

Marfat.com

اتباعک الاوفیاء الخیرۃ نشھد انک عبد اللہ وسید خلق اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔ ونشھد انک اشرف رسل اللہ و خاتم انبیاء اللہ ونشھد انک بلغت ما انزل الیک۔

اللھم صل علی عبدک المصطفٰی من الصلوات اطیبھا وسلم علی حبیبک المرتضٰی من التسلیمات ازکٰھا وبارک علی یٰس وطٰہٰ من البرکات اسمٰھا وعلی اٰلہ واصحابہ الی یوم الدین۔

امّا بعد فقال اللہ سبحانہ

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ۔ ومن اوفٰی بما عٰھد علیہ اللہ فسوف یعطیہ اجراً عظیماً (الفتح)

میرِ کاروانِ مشتاقاں، آہووانِ دشتِ محبت و رضا کارانِ جند اللہ و دیگر حضراتِ کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آج جب کہ انسان کو مادہ پرستی سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں۔ آج جب کہ بڑے بڑے مفکر اور فلسفی دجل و فریب اور مکر و خداع کے فلک بوس ایوانوں کے طواف میں مصروف ہیں۔ آج جب کہ سچ کو ابلہی اور جھوٹ کو فرزانگی کہا جاتا ہے۔ آج جب کہ شرم و حیا اور اخلاص و وفا کو جہالت اور وحشت، بے حیائی اور عریانی، گستاخی اور طوطا چشمی کو تہذیب و تمدن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ آج جب کہ اخلاق کا معیار ہی بدل چکا ہے اور خیر و شر کی اقدار ہی انوکھی ہو چکی ہیں۔ آپ حضرات کا اپنے

Marfat.com

کاروبار چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں جھیل کر سردی کے موسم میں صرف اللہ تعالٰی کی رضا اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے یہاں جمع ہونا ایک حیرت انگیز چیز ہے۔

ایسی انجمنیں اور محفلیں دیکھ کر ابلیس فرط ندامت سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا آج بھی ایسے دیوانے موجود ہیں جو میرے نگار خانہ لذات کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے ؟ کیا ساقی بطحا کی شراب طہور سے آج بھی یہ ایسے مخمور ہیں کہ میری ترشیاں انھیں ہوش میں نہیں لا سکتیں ؟ ہائے میرے کمند شیر افگن کی نارسائیاں ! اف ! میرے دام تزویر کی ناتوانیاں وائے میری مسلسل مساعی کا دردناک انجام !

ہاں ، تم ہو جنھیں دیکھ کر شیاطین انس وجان کے ہاں صف ماتم بچھتی ہے۔ ہاں تم ہو جن پر رحمت کے فرشتے اللہ تعالٰی کی بخششوں کے رنگین پھول برساتے ہیں۔

کیا آپ اپنے ایک دور افتادہ مخلص کو اس پاک بزم میں اذن لب کشائی دیتے ہیں ؟ کیا آپ اپنے کانوں کو اس نحیف اور کمزور آواز کو سننے کے لیے متوجہ کر سکتے ہیں جو چار ہزار میل سے آپ کی طرف لپکی چلی آ رہی ہے ؟ لیکن کانوں سے میرا مقصد یہ کان نہیں جن سے آپ کوے کی کائیں کائیں ، بھیڑ کی میں میں اور مکھی کی بھن بھن سنتے ہیں بلکہ وہ کان جو اللہ تعالٰی نے اپنے کلام سننے کے لیے دل کو عطا فرمائے ہیں۔ جس سے سنی ہوئی بات بھولتی نہیں بلکہ دل پہ نقش ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اس ناچیز گذارش کو اپنے دل کے کانوں سے سنیں تو آپ کی عنایت اور میری خوش قسمتی ورنہ میں قصوروار اور خفتہ بخت ! پھر میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالٰی مجھے ایسی بات کہنے کی توفیق بخشے جسے آپ کے دل کے کان سن سکیں۔ وھو علی کل شیء قدیر ؕ

آپ حضرات میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اس مرد خدا اس درویش خدامست ----- اس فقیر امیر نواز کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ درضاعنا۔ اس لیے میں آج آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کے فوائد اور اس کے اثرات کیا ہیں، یہ کب اور کیوں اور کیسے شروع ہوئی۔

اسلام کا یہ حصار بلند جسے خالق ارض وسما نے قیامت تک تمام دنیا انسانیت کے لیے ایک پناہ گاہ بنایا جس کی آغوشِ حفاظت میں آکر انسان شیطان کی غارت گریوں نفس کی شبخونوں ظالموں کی ستم رانیوں اور ذلت ورسوائی کی تمام لعنتوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس قلعہ کی بنیادیں اگر ریت کی ڈھیروں پر اٹھائی جاتیں تو آج تک انقلابات زمانہ کی تیز وتند آندھیاں اس کے آخری نشانات کو بھی نیست ونابود کرچکی ہوتیں آخر وہ کیا بنیاد ہے کہ جس پر یہ قلعہ تعمیر کیا گیا ہے جسے گرانے کے لیے ابلیسی قوتیں بارھا سر جوڑ جوڑ کر اٹھیں اور ہمیشہ سر پھوڑ پھوڑ کر رہ گئیں۔ جس نے ابتلاؤ آزمائش کے تمام خوفناک طوفانوں کو دعوت مبارزت دی جس نے ترکشِ ظلم وطغیان کے آخری تیر تک کو للکارا جس نے ہلاکت وبربادی کی بجلیوں کو پکارا لیکن جسے ہر طوفان نے نئی قوت دی اور جسے ہر آزمائش نے نئی توانائی بخشی۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ بنیاد کیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب بندے کو رسول بنا کر پیغام ہدایت پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا تو اس کے پاس اپنے قوی وقادر رب کی قوت کے بغیر کوئی قوت نہ تھی۔ اپنے غنی وحمید رب کے زمین وآسمان کے غیبی خزانوں کے بغیر کوئی دولت نہ تھی یکہ وتنہا مکّہ کی گلیوں میں فاراں کی چوٹیوں پر اور بطحا کی وادیوں میں دعوت دیتا ہے کہ قولوا !

Marfat.com

لا الٰہ الا اللہ تفلحوا! کہ لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پا جاؤ گے۔ اس آواز پر پہلے صرف ایک خاتون حضرت خدیجہؓ ایک بوڑھا (حضرت صدیق اکبرؓ) اور ایک کمسن بچہ حضرت علی المرتضیٰؓ لبیک کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ سارا مکہ خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ کانٹے اور پتھر، تیر و سناں، خنجر و شمشیر سب ہی اللہ تعالےٰ کے رسول کو دکھ پہنچانے کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں مگر اس کے پاس مدافعت کے لیے حق کی قوت کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں اور اپنا ہم خیال بنانے کے لیے حق کی دلکشی کے بغیر کوئی دولت نہیں۔

اگر کسی دولت مند کو نبی بنایا ہوتا تو وہ اپنے خزانوں کے منہ کھول کر لوگوں کو اس دین کی طرف مائل کرتا۔ اگر کسی جابر بادشاہ کو رسول بنایا ہوتا تو وہ اپنی فوج کی قہرمانیوں سے اس دعوت کی دھاک دلوں پر بٹھا دیتا۔ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تو تھا کہ ایک بے یار و مددگار کو رسول بنانے سے کیا فائدہ اگر اللہ تعالےٰ نے رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی صاحب ثروت و سطوت کو منتخب کیا ہوتا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ بھی ہوتا۔

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم ط

کفار بولے وہ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔

تو جواب میں ارشاد فرمایا:

اھم یقسمون رحمة ربك

(کیا تیرے رب کی رحمت وہ تقسیم کرتے ہیں)

دوسری جگہ فرمایا:

Marfat.com

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

(اللہ تعالیٰ بہت اچھا جانتا ہے اس دل کو جہاں اسے رسالت کا نور رکھنا ہوتا ہے۔)

اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ حق کو صرف حق سمجھ کر قبول کریں۔ کوئی خوف یا کوئی لالچ اسلام کو قبول کرنے کا محرک نہ ہو ورنہ ان مقاصد جلیلہ کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی جن کے باعث قرآن نازل فرمایا گیا تھا اور باد مخالف کا کوئی بھی جھونکا اس چراغ کو گل کر سکتا تھا جس کے مقدر میں ظلمت کدہ دنیا کو بقعۂ نور بنانا رقم تھا۔

اسلام دین توحید ہے۔ صرف ایک خدا کی بندگی، صرف ایک رسول کی اطاعت اور صرف ایک کتاب مجید کی پابندی۔ یہاں دورنگی کی گنجائش نہیں۔ جب تک دل اور دماغ، فکر اور تخیل، قول اور عمل، صورت اور شکل سب مل کر نہ کہیں: لا الہ الا اللہ، اس وقت تک صرف زبان کے کلمہ کا اعتبار نہیں ؎

زباں نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہاں ایسے لوگوں کی گنجائش نہیں جن کے ماتھوں پر سجدوں کی کثرت سے گٹے پڑے ہوتے ہوں لیکن حب زر و سیم انھیں زکوٰۃ دینے کی اجازت نہ دے۔ جو ہمیشہ روزہ رکھیں لیکن جن کی زبان جھوٹ اور غیبت سے آلودہ ہو۔ یہاں تو ایک بات ہے سیدھی اور دوٹوک کہ اگر اس دین میں داخل ہونا ہے، تو نماز پڑھنا ہو گی۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اس کا حصہ نکالنا ہو گا، سچ بولنا ہو گا، حلال کھانا ہو گا۔ سود، شراب، جُوا اور دیگر حرام اشیاء سے کلیتہً اجتناب کرنا ہو گا۔ اور مزید براں یہ کہ اگر کوئی نگاہِ بد چمن اسلام کی طرف اٹھی تو اس کی حفاظت کے لیے بلا تامل سر بکف میدان میں آنا ہو گا۔ اگر ہمت ہے

Marfat.com

تو بسم اللہ، ورنہ دوسرا راستہ اختیار کرو۔ کوئی جبر نہیں کوئی تشدد نہیں۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی

(دین کے اختیار کرنے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ حق باطل سے نکھر کر واضح ہو گیا ہے۔)

وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شا فلیکفر انا اعتدنا للظلمین نارا۔

(فرماؤ یہ حق اللہ کی طرف سے، جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔)

یہ ہے وہ دین جس کی طرف اللہ تعالٰی کے محبوب ترین بندے اور بزرگ ترین رسول نے ہر خورد و کلاں، ہر قوی و ضعیف، ہر امیر و فقیر اور ہر مرد و زن کو بلایا۔ یہ ہے وہ بار امانت جسے اٹھانے کی ہمت آسمانوں کو، زمین کو اور پہاڑوں کو نہ ہو سکی؛ انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان۔

لیکن جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو جس کو نہ کسی لشکر کی حمایت حاصل تھی اور نہ کسی دولت مند کی دولت کی پشت پناہی میسر تھی صرف اس کی دلربا حقانیت اور روح افزا صداقت کی وجہ سے تسلیم کرنے پر اظہار رضامندی کیا انہیں بتایا گیا کہ اس حلقہ جاں فروشاں میں داخل ہونے سے پہلے بیعت کرنی ہو گی۔ اس وقت سے آج تک ہر داخل ہونے والے کو بیعت کرنی پڑتی ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ بیعت کا معنی اور اس کا مفہوم کیا ہے۔ لفظ بیعت کا مادہ

Marfat.com

باع یبیع بیعا کے مادہ سے ماخوذ ہے اور بیع کہتے ہیں کسی چیز کو اپنی خوشی اور رضا سے اس کی قیمت کے عوض فروخت کر دینا، تو بیعت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنی خوشی اور رضا سے بغیر تشدد اور اکراہ اپنا مال، اپنی جان، اپنی آبرو اپنے افکار اور اپنے ارادے اپنے مالکِ حقیقی اپنے رب جل وعلا کی رضا کے عوض فروخت کر دینا۔ اس کے بعد اپنا کچھ نہیں رہتا سب اسی کا ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اسلام کے حصار محکم کی بنیاد خوشی اور رضا سے حق کو حق سمجھ کر اسے قبول کرنا ہے۔

اب ذرا اس نورانی زمانہ کی طرف چلیں جب نور مجسم صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نور افشاں اور ضیا افگن تھا۔ اور جب یہ بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ بیعت کی حقیقت اور اجاگر ہو جائے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر کیسے بیعت کی۔

ہجرت سے پہلے کا ذکر ہے، حج کا موسم تھا۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ حج بیت اللہ کو آئے ہوئے تھے۔ مکہ مکرمہ سے باہر دور تک وادیوں میں ان کے خیمے نصب تھے۔ حضور کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایسے موقعہ کی انتظار میں رہا کرتے تھے۔ اُٹھے اور ریگستانِ عرب کی چلچلاتی دھوپ میں خیمہ خیمہ میں جا کر اسلام کی دعوت دی، لیکن لوگوں کی بے رخی اور احسان ناشناسی کا یہ عالم ہے کہ کوئی بات سننا تک گوارا نہیں کرتا۔ خضر آب حیات لیے ہر ایک کے پاس جاتے ہیں، اور کوئی پیتا نہیں مسیحا اپنے لب ہائے جاں بخش سے حیات نوازرانی فرماتے ہیں اور مریض ہیں کہ پہچانتے نہیں خفتہ بخت انسانیت کا سہاگ خود چل کر اس کے پاس آیا ہے لیکن انسان ہے کہ آغوش نحوست میں لپٹے رہنے پر بضد ہے۔ دُور وادی کے ایک کونے میں یثرب سے آئے ہوئے چند

Marfat.com

لوگ مصروفِ گفت گو ہیں ان کے قریب پہنچ کر رحمتِ عالم اپنے من موہنے انداز سے یوں گویا ہوئے :

من انتم ؟

(تم کون ہو ؟)

قالوا نفر من الخزرج ۔

(کہنے لگے ، ہم قبیلہ خزرج کے چند آدمی ہیں)

افلا تجلسون اکلمکم

(کیا تم بیٹھتے نہیں کہ تم سے ایک بات کروں ۔)

قالوا بلی ۔

(انھوں نے کہا : ہاں ، بیٹھ جاتے ہیں ۔ آپ فرمائیے !

چنانچہ وہ بیٹھ گئے تو حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اللہ تعالٰی کی طرف بلایا اسلام کی دعوت دی اور اپنی بے حد شیریں اور بے حد میٹھی آواز سے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی ۔ جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر گئی اور ان کی روحوں کو مخمور بنا گئی ۔ چنانچہ آیندہ سال پھر حاضر ہونے کا وعدہ کر کے وہ یثرب لوٹ گئے ۔ ان کی تعداد چھ تھی ۔ ایک سال کے بعد اسی موسم میں بارہ آدمی آئے اور انھوں نے دستِ ہدایت بخشِ نبوی پر بیعت کی ۔ حضرت عبادۃ ابن الصامت نے جو ان سعادت مندانِ ازلی میں سے ایک تھے اس بیعت کا یوں ذکر فرمایا :

قال بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ العقبۃ الاولی ان لا نشرك باللہ شیئا ولا نسرق ولا نزنی ولا

Marfat.com

نقتل اولادنا ولا ناتی ببھتان نفتریہ من بین ایدینا و ارجلنا ولا نعصیہ فی معروف فان وفیتم فلکم الجنۃ فان عصیتم من ذلک شیئا فامرکم الی اللہ ان شاء عذب و ان شاء غفر۔ (صحیحین)

ترجمہ: ہم نے عقبۃ الاولیٰ کی رات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان امور پر بیعت کی:

(۱) ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم زنا نہیں کریں گے۔

(۴) ہم اپنی اولاد کو بھوک کے خوف یا کسی اور وجہ سے، قتل نہیں کریں گے۔

(۵) اور ہم کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔

(۶) اور ہم حضور کے ہر ارشاد اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے (کیونکہ حضور کا ہر حکم معروف ہے۔)

اس کے بعد نبی رحمت نے فرمایا:

اگر تم نے ان شرائط کو پورا کیا اور اس عہد پر ثابت قدم رہے تو تمھارے لیے جنت ہے۔ اور اگر کسی شرط کو توڑا تو پھر تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو بخش دے۔ تاریخ اسلام میں اس بیعت کا نام بیعت العقبۃ الاولیٰ ہے۔

سرزمین یثرب (جسے کل مدینۃ الرسول بننا تھا) کے یہ جوان بخت فرزند جب لوٹے تو ایمان کی نورانی شمع بھی اپنے ساتھ لائے جس کی تجلیوں اور تابانیوں سے یثرب

Marfat.com

کی تاریک فضا میں روشنی پھیلنے لگی۔ ان کی درخواست پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والثنا نے حضرت مصعبؓ کو ان کی تعلیم اور اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیج دیا مصعبؓ ماں باپ کا لاڈلا بیٹا، ناز و نزاکت کا پُتلا، راحت و آرام کا پروردہ جو اپنی خوش پوشی اور لطافت طبع میں ضرب المثل تھا۔ اپنے آقا کا ارشاد سن کر ہر چیز کو پائے حقارت سے ٹھکراتا ہوا یثرب پہنچا۔ اپنے اس جسم پر جس پر کبھی ابریشم کی تار بھی بار ہوتی تھی۔ اون کا موٹا سا کھردرا کمبل ڈالے اس سرزمین کی اصلاح میں شب و روز مشغول ہو گیا جسے قسام ازل نے اسلام کی چمن بندی کے لیے چن لیا تھا۔

اسی طرح تھوڑی سی مدت میں اللہ کا نام لینے والوں اور اس کے حبیب کی غلامی پر فخر کرنے والوں کی ایک کافی جمعیت ہو گئی۔ کفار مکّہ کے دردناک مظالم۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی روح فرسا مصائب و تکالیف اور اپنے محبوب مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشکلات اور آلام کی انھیں اطلاع پہنچتی رہتی تھی۔ انھوں نے بہت برداشت کیا تھا۔ اب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا اور ان کی قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے طے کر لیا کہ اس مہر منیر سے درخواست کی جائے کہ وہ اب مکّہ کی بجائے افق یثرب سے جلوہ فگن ہو۔ چنانچہ ستر آدمیوں کا وفد اس غرض کے لیے مکّہ بھیجا جاتا ہے جو وہاں پہنچ کر بارگاہ رسالت میں شرف نیاز حاصل کرتا ہے۔ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ آج آدھی رات کو تمھاری ملاقات کے لیے تمھاری فرودگاہ میں آؤں گا، اور وہاں تفصیل سے گفتگو ہو گی۔

رات کو اپنے چچا حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کو ہمراہ لے کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم انصار کے خیموں کا رُخ فرماتے ہیں اور وہاں پہنچ کر یہ

Marfat.com

گفتگو ہوتی ہے جو حضرت جابر سے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل فرمائی ہے :

فقلنا علام نبایعك یارسول اللّٰه قال تبایعونی علی السمع والطاعة فی النشاط والکسل والنفقة فی العسر والیسر وعلی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وان تقولوا فی اللّٰه ولا تخافوا فی اللّٰه لومة لائم وعلی ان تنصرونی فتمنعونی اذا قدمت علیکم مما تمنعون منه انفسکم وازواجکم وابناءکم ولکم الجنة فقمنا الیه ۔

ترجمہ: پھر ہم نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم کس چیز پر حضور کی بیعت کریں. فرمایا: ان امور پر میری بیعت کرو:

① جوش ونشاط کا عالم ہو یا افسردگی اور کسلمندی کی کیفیت ہر حالت میں میری اطاعت کرو گے۔

② تنگ دستی ہو یا خوش حالی، فقر و فاقہ کی شدت ہو یا دولت کی فراوانی اللہ کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرو گے۔

③ لوگوں کو نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے۔

④ حق کہتے ہوئے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہیں ہو گے۔

⑤ اور میری مدد کرو گے اور جب میں تمھارے پاس پہنچ جاؤں تو میری حفاظت کرو گے ہر اس چیز سے جس سے تم اپنی جانوں کی اپنی بیویوں کی اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

اور اگر تم نے ایسا کیا تو جنت تمھاری ہے۔

Marfat.com

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اٹھے تاکہ بیعت کریں۔
لیکن عباس بن عبد المطلب جھٹ بول اٹھے۔

یا معشر الخزرج هل تدرون علام تبایعون هذا الرجل ؟

قالوا نعم قال انکم تبایعون علی حرب الاحمر و الاسود من الناس فان کنتم ترون انکم اذا انهکت اموالکم مصیبة واشرافکم قتلا اسلمتموه فمن الان فهو والله ان فعلتم خزی الدنیا والاخرة وان کنتم ترون انکم وافون له لما دعوتموه الیه علی نهکة الاموال وقتل الاشراف فخذوه فهو والله خیر الدنیا والاخرة۔

ترجمہ: اے قبیلہ خزرج کے گروہ! کیا اس جلیل القدر ہستی سے بیعت کرنے کے مآل و انجام پر بھی غور کیا ہے؟ اس سے بیعت کرنے کے بعد سرخ و سیاہ تمام انسانوں سے جنگ کرنی پڑے گی۔ اگر تمھارا خیال ہو کہ جب تمہارے اموال مصیبت سے ختم ہونے لگیں اور تمہارے سرداران قوم کو قتل اور جنگ فنا کے گھاٹ اتارنے لگے تو تم اس ذات پاک کو اس کے دشمنوں کے سپرد کر دوگے، تو آج ہی اس بیعت کے قریب نہ پھٹکو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو بخدا! دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوگے۔

اگر تمھیں یقین ہے کہ تم اپنے مال و دولت کی بربادی اور اپنے بہادروں اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود اس بیعت پر ثابت قدم رہو، تو بسم اللہ! اسی ذات پاک کو اپنے ہاں لے چلو۔ رب ذوالجلال کی قسم! یہ دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

Marfat.com

حضرت عباسؓ نے کتنی دُور اندیشی اور کتنی پتہ کی بات کہی کس جرأت سے حقائق کے ہولناک چہرہ سے نقاب الٹا۔ بھیانک مستقبل کی کس طرح صحیح تصویر کشی کی کہ صرف ایک شخص سے محبت کرنے کا انجام ساری دنیا سے عداوت تھی۔ اس جرمِ عشق کی سزا یہ تھی کہ اپنی دولت اپنی ثروت لٹتی ہوئی دیکھ کر خاموش رہنا ضروری تھا اور اپنے نوجوان فرزندوں اور بہادر عزیزوں کو خاک و خون میں مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوتے دیکھ کر خاموش رہنا ادا کرنا شرطِ اخلاص تھی۔ کیا یہ سودا سود مند تھا اور کیا یہ تجارت نفع بخش تھی؟ بے شک یہ بہت غور طلب بات تھی۔ لیکن خاندانِ خزرج کے بلند اقبال فرزند یہ پہلے ہی طے کر کے آئے تھے۔ انھوں نے جان و مال دل و دماغ نثار ابروئے جاناں کرنے کا عزم کرنے کے بعد ادھر کا رُخ کیا تھا۔ وہ اللہ کے حبیب کی حفاظت کے لیے اپنی روحوں کا قلعہ بنانے کے بعد دعوت دینے آئے تھے۔ حضرت عباسؓ کی بات سن کر سب بیک زبان پکار اٹھے :

فانا ناخذوہ علی مصیبۃ الاموال وقتل الاشراف

ترجمہ : ہاں، ہم حضور کو لے جاتے ہیں۔ خواہ ہمارے اموال برباد ہو جائیں اور خواہ ہمارے سرداروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔

گویا وہ کہہ رہے تھے ؎

کریں تیرے نام پہ جاں فدا نہ یہ جان فقط دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کریں کیا کروڑوں جہاں نہیں

عاشق مسکیں سب کچھ کر سکتا ہے لیکن ایک چیز اس کے بس کی نہیں۔ اس سے ہجر کے صدمے اور جدائی کی بے تابیاں برداشت نہیں ہو سکتیں۔ وہ فراق کے تصور سے ہی

Marfat.com

بے چین ہو جاتا ہے۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت ابو الہیثم بن التیہان کچھ سوچ کر تڑپ اٹھے اور تاب ضبط نہ لا کر عرض کرنے لگے :

یا رسول اللہ ...... فهل عسیت ان فعلنا ذلك ثم اظهرك الله ان ترجع الی قومك وتدعنا۔ قال فتبسم رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال انا منكم وانتم منی۔

"اے اللہ کے رسول! اگر ہم اس بیعت پر ثابت قدم رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضور کو سب پر غالب کر دے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں اور ہمیں چھوڑ جائیں۔

یہ سن کر لب جاں بخش مصطفیٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم پر ہلکی سی دلنواز مسکراہٹ آگئی اور پھر فرمایا: اے میرے جاں نثار انصار! میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو"

یہ الفاظ سن کر انصار کے کیف و مستی کا کیا عالم ہوا ہوگا۔ یہ ان کے دل جانیں یا ان کا رحیم و کریم رب جس نے اپنے کرم سے ان کو اس بے نظیر عزت اور اس بے مثیل نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد:

قالوا ابسط یدك فبسط یده فبایعوه (البدایة والنهایة)

انھوں نے عرض کی کہ اپنا دست مبارک پھیلائیں چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک پھیلایا اور ان تمام نے ان شرطوں پر بیعت کی جن کا ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے ——— شمع اسلام کے ان پروانوں سے ان سخت شرائط پر بیعت کرنے کا اس وقت مطالبہ کیا جب کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں تھے

Marfat.com

اور طائف کے اوباشوں نے جو پتھروں کی بارش کی تھی ان نورانی پنڈلیوں پر ان کے زخموں کے نشان ابھی تازہ تھے جب کہ اسلام انتہائی بے بسی اور بے کسی کے دور سے گذر رہا تھا کیا کوئی شخص جسے عقل سے دور کا بھی واسطہ ہو کہہ سکتا ہے کہ صحابہ نے کسی کے خوف سے یا کسی لالچ سے اس دین کو قبول کیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد بیعت کا مفہوم واضح ہو گیا کہ بیعت پیمان سرفروشی ہے اور عہد جانبازی ہے اور جو بیعت کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور انھیں اس غلطی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

آیئے ذرا حال کی بلندیوں سے ماضی کے دامن میں چھپی ہوئی اس دنیا کو تو دیکھیں جہاں یہ سرفروشی کا عہد اور جاں نثاری کا پیمان کرنے والے بسا کرتے ہیں۔ کچھ ہمیں بھی معلوم تو ہو کہ انھوں نے اس بیعت کی کہاں تک لاج رکھی اور اپنے قول کا کہاں تک احترام کیا۔

مشرکین مکہ بدر اور احد کے میدانوں میں دیکھ چکے تھے کہ ان کی خارا گداز شمشیریں زہر میں بجھے ہوئے تیر اور جگر دوز نیزے ان مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے۔ اب وہ ایک خوفناک سازش کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مدینہ کے یہودی انھیں اپنی امداد کا یقین دلا چکے تھے۔ عرب کے دوسرے قبائل کو وہ لات و ہبل کی عزت کی قسمیں دے کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ جب عرب قبائل اپنے بتوں کی ناموس پر کٹ مرنے کی قسمیں کھا کر قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور یہود کا بھی پیغام آگیا کہ تم باہر سے مدینہ پر حملہ کرو ہم پیچھے سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیں گے تو یہ ٹڈی دل چمنِ اسلام کو برباد کر دینے کے عزم سے طوفان کی سی

Marfat.com

تندی اور تیزی کے ساتھ روانہ ہوا۔

مشرکین کی اس متفقہ یلغار کو روکنے کے لیے مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودنے کی تجویز کی گئی۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا سہانا منظر تھا، جسے دیکھ دیکھ کر فرشتے بھی دم بخود ہوتے جاتے تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ بلا کی سردی تھی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے فراٹے بھرتے ہوتے ادھر سے ادھر نکل جاتے تھے اور قدسیوں کا ایک گروہ ہاتھ میں کدالیں لئے مدینہ کی پتھریلی زمین میں خندق کھود رہا تھا۔ کئی دن سے فاقہ تھا۔ مسلسل جاں گسل کام کے باوجود وجد و مستی کی کیفیت طاری تھی۔ اللہ کے نام کو بلند کرنے کا ولولہ، حق کی حفاظت کا جوش، اپنے مرشد کی ناموس پر کٹ مرنے کی بے چین تمنائیں اور اس بیعت یعنی پیمانِ سرفروش کا پاس یوں بے خود کئے تھا کہ نہ بھوک ستاتی تھی اور نہ تھکاوٹ کا احساس تھا۔ یہ تسلیم و رضا کے پیکر تکالیف و مصائب کے ہجوم میں صرف مسکرانا جانتے تھے ان صبر و سکوں کی چٹانوں نے تو خطرات کے طوفانوں کو صرف للکارنا سیکھا تھا۔

اور ان کی تسلی کے لیے یہ کیا کم تھا کہ اللہ کا محبوب اور ان کا ہادی ان کی طرح ہاتھ میں کدال لیے ہوئے ان کے ساتھ خندق کھود رہا تھا۔ درختوں کا پتہ پتہ اور زمین کا ذرہ ذرہ اس منظر کو دیکھ کر شہیدان محمد رسول اللہ کا نعرہ لگا رہا تھا۔

چشم فلک پیر نے کئی شہنشاہ اور کئی پر ہیبت سپہ سالار دیکھے ہیں۔ اس خاکدان میں تربیت اخلاق کے ان گنت معلم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فضا سحر بیان مقررین کی ساحرانہ تقریروں سے معمور ہے۔ انسانیت نے مساوات و حریت کے بے شمار ثنا خواں اور بندہ و آقا، حاکم و محکوم، امیر و فقیر کے امتیازات باطلہ کو مٹانے والے لاتعداد مدعی دیکھے ہیں لیکن اس نبی اُمی فداہ ابی و اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی نرالی ہے کیا کسی نے ایسی

Marfat.com

ہستی بھی دیکھی جو سلطانِ عالم ہونے کے باوجود بھوک کے باعث پیٹ پر پتھر باندھے ہو جو اپنی فوج کا محبوب سالار ہونے کے باوجود اپنے سپاہیوں کے ساتھ مل کر خندق کھود رہا ہو۔ کیا کسی کان نے ایسی آواز بھی سنی جس میں کوثر و سلسبیل کی مٹھاس گھل کر آئی ہو، کیا اس کے بغیر اس جیسا کوئی مساوات و حریت کا حامی پیدا ہوا جس کا ہر قول اور ہر عمل ان غیر طبعی امتیازات کے خرمن پر بجلی بن کر کوندا ہو اور انہیں راکھ کا ڈھیر بنا گیا ہو۔ ہاں، اے چشمِ فلک دیکھ اور بار بار دیکھ تجھے اس کملی والے کی نظیر نہیں ملے گی۔ اے مؤرخ کی دوربیں نگاہ! تاریخ عالم کی بار بار ورق گردانی کر تجھے اس رسول عربی کا مثیل نہیں ملے گا۔

کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور پاکبازوں کا یہ گروہ خندق کھود رہا ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وعلی آلہ وسلم یہ دل فریب منظر دیکھ کر فرماتے ہیں:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرہ

اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اپنے فضل و کرم سے انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

یہ دل آویز اور رسیلی آواز سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور سب مل کر اپنا عہد جانبازی بلند آواز سے یوں دہرانے لگتے ہیں کہ فضائیں تھرتھری آجاتی ہے ؎

نحن الذین بایعوا محمدًا

علی الجھاد ما بقینا ابدًا

Marfat.com

ہم وہ وفا شعار جانباز ہیں جنھوں نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر زندگی کے آخری سانس تک جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

جب انھوں نے اپنی ثابت قدمی کا ثبوت پیش کردیا تو پھر نصرت خداوندی ان کی دستگیری کو آئی۔ آندھی اور بارش کے طوفانوں نے کفار کے خیمے اکھیڑ کر پھینک دیئے ان کے جانور رسے تڑا تڑا کر بھاگ رہے تھے ان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ دل ان کے سینوں میں خوف وہراس سے بیٹھے جاتے تھے۔ ابر آلود رات کے اندھیروں میں وہ سب سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ خیمے اکھڑے پڑے ہیں، سامان بکھرا پڑا ہے اور کفار کے لشکر جرار کا نشان تک باقی نہیں، تو اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے ترانے گاتے ہوئے مظفر و منصور اپنے گھروں کو لوٹے۔

صحابہ کرام کی زندگی کا ہر لمحہ شہادت دیتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی بیعت سچے دل سے کی تھی اور بیعت کرتے وقت اور اس کے بعد انھوں نے نہ اپنے رب سے نہ اس کے رسول سے دھوکہ کیا تھا اور نہ اپنے آپ کو فریب دیا تھا۔ طوالت کا خوف ہے اور اسی ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

داماں نگاہ تنگ گل حسن تو بسیار
گلچیں تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

کہیں میری مائیں اور بہنیں یہ خیال نہ کریں کہ یہ پابندیاں اور یہ شرطیں فقط مردوں کے لیے ہیں اور ہم تو بغیر کسی قید و شرط کے امت محمدیہ میں داخل ہوسکتی ہیں۔ نہیں یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ کا پاک رسول مردوں اور عورتوں کو برابر طور پر ہدایت کا پیغام دینے کے لیے بھیجا گیا تھا جس طرح یہ بیعت ہر مرد سے اسلام قبول کرتے وقت لی جاتی تھی اسی طرح

Marfat.com

عورتوں سے بھی لی جاتی تھی۔ جیسے حضرت ام عطیۃ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

قالت لما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ جمع بین نساء الانصار فی بیت ثم ارسل الینا عمر بن الخطاب فقام علی الباب فسلم علینا فرددنا علیہ ثم قال انا رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیکن قالت فقلنا مرحبا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبرسول رسول اللہ فقال تبایعن علی ان لا تشرکن باللہ شیئاً ولا تسرقن ولا تزنین قالت قلنا نعم۔ فمد یدہ من خارج البیت ومددنا ایدینا من داخل البیت ثم قال: اللھم اشھد۔ (تفسیر ابن جریر)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ نے کہا کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انصار کی تمام عورتوں کو ایک مکان میں جمع کیا۔ پھر ہماری طرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ دروازے پر آ کر کھڑے ہوتے اور ہمیں سلام کہا۔ ہم سب نے اس سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے مدینہ کی خواتین! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا قاصد بن کر آیا ہوں تو ہم سب عورتوں نے کہا: اللہ کے رسول علیہ السلام کو بھی مرحبا اور اس کے قاصد کو بھی مرحبا۔ پھر حضرت عمر نے پوچھا: کیا تم ان شرائط پر اللہ کے رسول کی بیعت کرتی ہو کہ

(۱) اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک مانو گی اور اس کا کسی کو شریک نہیں بناؤ گی۔

(۲) چوری نہیں کرو گی۔

(۳) اور بدکاری نہیں کرو گی:

Marfat.com

ہم سب نے کہا کہ ہم ان شرائط پر بیعت کرنے کے لیے بسر و چشم حاضر ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے بڑھایا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے بڑھائے اور بیعت کی۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ہمارے رب! اس بیعت پر گواہ تو ہے۔

عورتوں کی بیعت کا ذکر تو اللہ تعالے نے قرآن مجید میں نہایت وضاحت سے فرمایا ہے جس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ ارشاد باری ہے:

یا ایھا النبی اذا جاءك المومنات یبایعنك علی ان لا یشرکن باللہ شیئا و لا یسرقن و لا یزنین و لا یقتلن اولادھن و لا یاتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن و ارجلھن و لا یعصینك فی معروف فبایعھن و استغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم۔

ترجمہ: اے نبی کریم! جب مومن عورتیں (ان شرطوں پر) بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

(۲) چوری نہیں کریں گی۔ (۳) بدکاری نہیں کریں گی۔

(۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (۵) کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گی۔

(۶) اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

اگر ان شرائط پر وہ بیعت کرنے پر رضامند ہوں، تو ان کو بیعت کا شرف بخشیے اور اللہ تعالے سے ان کی بخشش اور مغفرت طلب کیجیے۔ بے شک اللہ تعالے بہت ہی بخشنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

Marfat.com

آیت کریمہ کے اس حصہ پر واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ. ان اللہ غفور رحیم ط

وہ حضرات بھی ذرا غور فرمادیں جو نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے توسل کرنے والوں کو مشرک اور معلوم نہیں کیا کیا کہ جانے کے عادی ہیں. کیا یہ آیت پاک شاہد نہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست دعا اٹھانے سے

ع اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

(کہ مقبولیت بارگاہِ الٰہی سے استقبال کرنے آتی)۔ ان کی مغفرت طلبی سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں. دوزخ کا عذاب حرام کر دیا جاتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور فردوس کی دائمی نعمتیں عطا کی جاتی ہیں کچھ سوچو تو جس کی زبان پاک سے نکلی ہوئی درخواست سے آخرت کا عذاب علیم ٹل سکتا ہے آتش جہنم سرد ہو سکتی ہے تو کیا اگر اس کے ہاتھ اٹھیں تو یہ دنیا کی مصیبتیں نہیں ٹل سکتیں جس کے قلب رحمت پناہ سے نکلی ہوئی دعا سے اللہ تعالےٰ جنت کی نعیم مقیم بخش دیتا ہے. کیا اگر وہ بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں کسی دنیاوی نعمت کے لیے التجا کرے تو کیا وہ التجا مقبول نہیں ہو گی. اس کے دامانِ رحمت میں پناہ لینے سے ضرور مصائب کی ڈراونی گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور یقیناً ابرِ کرم گوہر بار ہو گا ؎

اسے حمد جس نے تجھ کو سراپا کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

اے رضا کاران جند اللہ! اے نیاز مندان خواجگان چشت!! اس تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ بیعت کی حقیقت اور اس کی ماہیت آپ کے ذہن نشین کرا دوں.

یہ بیعت جو آج ہم اپنے پیرو مرشد کے ہاتھ پر کرتے ہیں یہ صحابہ کرام کی سنت ہے

Marfat.com

یہ وہی بیعت ہے جو صحابہ نے دست ہدایت بخش مصطفوی پہ کی تھی۔ یعنی اس کی وہی شرطیں ہیں اس کی وہی قیود ہیں۔ اور اس کی وہی ذمہ داریاں ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد انسان اپنا سب کچھ فروخت کر دیتا ہے۔ اب اسے یہ اختیار نہیں رہتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مال یا اپنی جان میں تصرف کرے۔ اب اس کی نگاہ کی حرکت اور دل کے ارادے اور دماغ کی تفکیر سب اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنھیں یہ شرف بخشا جائے۔ بلند اقبال ہیں وہ روحیں جنھیں یہ سعادت نصیب ہو، لیکن مجھے نہایت افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت سے لوگ بیعت کرتے ہیں، لیکن اس نعمتِ عظمٰی اور شرف جلیل کی قدر نہیں کرتے اور بدقسمتی سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس غلط فہمی میں ہیں کہ کسی ساتھ بیعت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب نماز و روزہ کی پابندی سے بھی آزاد ہو گئے۔ اگر کوئی شخص اپنے ساتھ بیعت کرنے والوں سے ایسا کہتا ہے تو سن لو کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر کوئی مرید ایسا سمجھتا ہے تو سن لو کہ وہ ناسمجھ ہے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء سے بڑا کوئی پیر نہیں اور صحابہ کرام سے زیادہ مخلص کوئی مرید نہیں نہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایسا کہا اور نہ صحابہ نے ایسا سمجھا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نورِ نظر لختِ جگر فاطمۃ الزہرٰی کو یہ وصیت فرمائی تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے میری لختِ جگر! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ تو اپنے ساتھ نیک عمل لے کر آئیں اور تو یہ کہتی ہوئی آئے کہ میں رسول کی بیٹی ہوں۔

اے اللہ کے بندو! اے اس کے رسول کے غلامو!! اور اے اس مردِ باخدا کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والو!!! اگر دنیا و آخرت کی کامرانی اور فلاح چاہتے ہو تو اس بیعت کا مطلب سمجھو اسے ایک کھیل اور ایک بے جان رسم نہ بناؤ۔ اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کی نافرمانی سے باز آجاؤ اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوشاں رہو۔ اس کی رحمت کے خزانے اپنا منہ کھول دیں گے۔ اور اس کی نوازشیں تم پر سایہ فگن رہیں گی۔ اور اگر بیعت کر کے اس کو توڑ دیا۔ اور اس پر ثابت قدم نہ رہے یعنی بیعت کرنے کے بعد بھی نفس کے غلام اور شیطان کے فرماں بردار بنے رہے تو سن لو اللہ کا عذاب بہت دردناک ہے۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً۔

ترجمہ: اے اللہ کے محبوب! جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے جس نے اس بیعت کو توڑ دیا تو اس کا وبال اس کے نفس پر ہے اور جس نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالےٰ اسے بہت جلد اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس گذارش کو ختم کرنے سے پہلے ایک خصوصی درخواست جند اللہ کے ان مجاہدین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے آج سے پورے دو سال پہلے ٹھیک اسی تاریخ کو بالکل اسی جگہ پر اسلام کی عزت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی قسم اٹھائی تھی، وہ اپنے گریبان میں سر جھکا کر سوچنے کے بعد بتائیں کہ کیا وہ اس دن کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے ہیں یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو انھیں لاکھ لاکھ مبارک ہو، لیکن اگر شیطان کے وسوسوں نے ثابت قدم نہیں رہنے دیا اور نفس کے فریب دہی سے وہ کسی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں تو بہت افسوس اور شرم کی بات ہے۔ ہمیں پھر توبہ کرنا چاہیئے۔ اور

Marfat.com

اللہ تعالےٰ سے مغفرت کی دعا مانگنی چاہیئے۔ ابھی وقت ہے۔ اگر یہ فرصت بھی ہم نے کھو دی تو پھر کیا ہوگا۔ اگر آپ کو شوق ہے کہ آپ کا مال اللہ تعالےٰ اپنے دین کے لیے قبول فرمائے تو اس کی زکوٰۃ نکالا کرو اور حرام مال اپنی پاک کمائی میں نہ ملایا کرو۔ اگر تمھاری یہ تمنا سچی ہے کہ تمھاری جان اللہ تعالےٰ کے راستہ میں نثار ہو تو اسے گناہوں سے پلید نہ کیا کرو بلکہ ندامت کے آنسوؤں سے اسے دھو کر اللہ تعالےٰ کی یاد اور ذکر سے اسے پاک بناؤ۔ تب تمھارا مال اور تمھاری جان بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کر سکے گی۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ طیب و لا یقبل الا طیبا

اللہ تعالےٰ خود پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول فرماتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اپنے مال اور اپنی جان کو ایسا پاک بنا سکیں، کہ اس کی بارگاہ اقدس میں وہ قبول ہو جائیں۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم
غیر المغضوب علیھم ولا الضالین بجاہ حبیبک رحمۃ
للعلمین و علی الہ الطیبین واصحابہ الاکرمین ط

یارب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

محمد کرم شاہ

۱۹ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ

۴۹ باب الوزیر
درب الاحمر۔ القاہرہ

Marfat.com

Marfat.com

ثانی لاثانی

حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سپہر ولایت کے آفتاب عالم تاب کی کرنوں سے کئی سنگ خارہ، رشک لعل و گوہر بن گئے، برصغیر کے متعدد گوشوں میں بے شمار چراغ نور افشانی کرنے لگے۔ جن کو اس شمس نورانی نے ضیا بار کیا تھا آپ کے خلفا کا شمار بہت مشکل ہے۔ ہر ایک خصوصی شان اور منفرد آن بان کا مالک تھا، لیکن ان تمام خلفائے گرامی کے سرتاج اور اس گلدستہ معرفت کے گل سرسبد حضرت خواجہ دلنواز، مولانا محمد دین المعروف بحضرت ثانی لاثانی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہٗ کے تین فرزند تھے۔ حضرت مولانا محمد دین صاحب حضرت صاحبزادہ فضل الدین صاحب، حضرت صاحبزادہ شجاع الدین صاحب۔ ان میں سے سب سے بڑے حضرت خواجہ محمد دین صاحب تھے ان کی بیعت اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ شمس العارفین سے تھی اور آپ نے ہی ان کو خلافت بھی مرحمت فرمائی تھی اور اپنی زندگی میں اپنے آستانہ عالیہ کی سجادگی کے لیے منتخب فرما دیا تھا۔ اور حضرت پیر پٹھان کے جانشین حضرت خواجہ کریم نے بھی اس انتخاب کی توثیق فرما دی تھی۔

اعلیٰ حضرت نے ۲۴ صفر ۱۳۰۰ ہجری کو دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت

Marfat.com

فرمائی اور حضرت کے ارشاد کے مطابق خواجہ محمد دین صاحب مسند آرائے سیال شریف ہوئے جب آپ تونسہ شریف حاضر ہوتے تو حضرت خواجہ کریم نے، حضرت کو خلعتِ خلافت بھی مرحمت کی اور دستار فقر و درویشی سے سرفراز فرمایا۔

آپ شکل و صورت میں اور خلق و سیرت میں اپنے والد ماجد کا عکس جمیل تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۵۲ ہجری مطابق ۱۸۳۷ عیسوی میں سیال شریف میں ہوئی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے مطابق موضع سلیانہ ضلع جھنگ میں تحصیل علم کے لیے تشریف لے گئے، وہاں حضرت مولانا فتح محمّد صاحب کا درس تھا ان کے علاوہ دیگر علماء بھی وہاں تدریس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے وہاں سے تکمیل علم کے بعد واپس تشریف لے آئے اور بعض کتب توحید و تصوف حضرت مولانا معظم الدین مرولوی سے پڑھیں اور مقامات سلوک اپنے والد بزرگوار کی زیر تربیت طے فرمائے اور آں جناب کی خصوصی توجہ کے باعث عشق و محبت اور ذوق و شوق کے اس اعلیٰ و ارفع مقام پر خیمہ زن ہوتے کہ جہاں پر کسی کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ آپ کا عہد ہمایوں ذوق و شوق اور کیف و مستی کا عہد تھا، ہزاروں باکمال بزرگ جنھوں نے حضرت سیالوی کے دست مبارک سے جام محبت پیا تھا، موجود تھے اور ہر وقت اپنے شیخ کے تصور میں مستغرق رہتے تھے۔ محبت الٰہی اور عشق مصطفوی کا ایک ایسا ورد تھا کہ ہر کہ و مہ پر بے خودی کا عالم طاری تھا۔ آستانہ عالیہ پر ایک بہت بڑا باغ تھا اس باغ کے ہر پودے کے نیچے کوئی نہ کوئی درویش مصلّیٰ بچھائے مصروفِ ذکر و فکر رہا کرتا تھا۔ کہیں "اللہ ہو" کی صدا بلند ہو رہی تھی کہیں کلمہ شہادت کا ورد ہو رہا تھا۔ کہیں دلائل الخیرات شریف کی منزل پڑھی جا رہی تھی اور کہیں قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ ذکر الٰہی میں محو ہے۔ اور

Marfat.com

ساری فضا تجلیاتِ الٰہی کی جلوہ گاہ بنی ہوئی ہے۔

آپ کے عہد میں سلسلہ چشتیہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ ملک کے دور دراز گوشوں سے بندگانِ خدا فقیر کے آستانہ عالیہ کی طرف کھچے چلے آرہے تھے قافلوں کے قافلے حاضر خدمت ہوتے اور مے محبت سے مخمور و سرشار ہوکر اپنے گھروں کو واپس لوٹتے۔ اس جاہ و جلال شاہی کے باوجود تواضع و انکسار کی کوئی انتہا نہ تھی اور شان دل نوازی کی جلوہ سامانیاں ہر دیکھنے والے کو محو حیرت کر دیا کرتی تھیں۔ آستانہ عالیہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ نیازمند کے ساتھ بھی وہ لطف و کرم فرماتے کہ وہ نیازمند اپنی خاکساری پر ناز کرنے لگتا۔ اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے ساتھ بھی بڑی شفقت سے پیش آتے اور ان کی روحانی تربیت اور ظاہری سرپرستی میں کمال فیاضی فرماتے دیکھنے والے شمس العارفین کے عہد میں اور حضرت ثانی کے عہد میں بڑی مشکل سے تمیز کر سکتے تھے۔

اپنے پیر خانہ کے ساتھ عقیدت کی انتہا نہ تھی۔ حسب معمول ہر عرس مبارک پر حاضر ہوتے اور جملہ صاحبزادگان کی خدمت میں اظہار عقیدت کے لیے حاضری دیتے اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا جب پیرانہ سالی کی وجہ سے طبیعت میں ضعف و نقاہت آگئی، اور ظاہری آنکھوں کی بینائی میں فرق آگیا۔ سواری پر جانا ممکن نہ رہا تو اپنی چارپائی اٹھوا کر طواف کوئے جاناں کے لیے عازم سفر ہوا کرتے۔

حضرت خواجہ محمد موسیٰ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ حامد صاحب اور حضرت خواجہ محمود صاحب میں کچھ اختلافات رونما ہو گیا۔ حضرت خواجہ حامد آپ کے فرزند تھے اور حضرت خواجہ محمود آں جناب کے بھائی تھے اور بڑے جاہ و جلال کے مالک تھے۔ بڑے بڑے خلفاء اور عالی مرتبت رؤسا کی اکثریت حضرت خواجہ محمود صاحب

Marfat.com

کی ہمنوا تھی لیکن حضرت ثانی لاثانی سیالوی، حضرت خواجہ حامد صاحب کو سجادہ نشینی کا حقدار سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے کہ میں نے ان آنکھوں سے حضرت خواجہ حامد صاحب کو حضرت خواجہ کریم کا عصا پکڑے ہوتے دیکھا ہے وہی آپ کو اندر اور باہر لے آتے تھے۔ اور حضرت خواجہ کریم فرماتے "حامد میرا سہارا ہے حامد میری ڈنگوری (عصائے پیری) ہے"۔ تو جب میرے مرشد برحق خواجہ کریم نے خواجہ حامد صاحب کو ان القاب سے نوازا ہے تو ان کی موجودگی میں کسی اور کو سجادہ نشینی کا حقدار کیسے کہہ سکتا ہوں۔ اس بات سے حضرت خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ کے خاطر عاطر میں آپ کے بارے میں کچھ رنجش پیدا ہوگئی اور آپ اپنے انداز شاہانہ میں اکثر مرتبہ تلخ نوائی فرمایا کرتے۔ اس کے باوجود آپ کے جذبہ نیاز مندی میں قطعاً فرق نہ آیا جب بھی تونسہ شریف کی حاضری کی سعادت حاصل کرتے حضرت خواجہ محمود صاحب کی خدمت میں بھی حاضری دیتے اور مجلس میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور قطعاً ان باتوں سے رنجیدہ نہ ہوتے جو ان کے شیخ کے چہیتے فرزند کی زبان سے صادر ہوتیں۔ جب آپ پیرانہ سالی کے باعث بہت ضعیف ہو گئے اور چل کر حاضر ہونے کی طاقت نہ رہی تو اپنی چارپائی اٹھوا کر حضرت خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ کو سلام عرض کرنے کے لیے گئے آپ اس وقت بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ حضرت ثانی چلنے سے معذور تھے، اس لیے اپنے خادم کو نذرانہ دے کر بارگاہ محمودی میں بھیجا اور یہ درخواست بھی کی کہ خادم بڑھاپے اور کمزوری کے باعث اوپر آنے سے قاصر ہے اور بینائی سے محروم ہے دراقدس پر حاضر ہے از راہ کرم نذر قبول کی جائے۔ خادم نے جب حضرت خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کا پیغام نیاز پیش کیا تو آپ متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکے مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے اور نیچے آپ کے پاس تشریف لاتے اور آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ آپ نے پھر

Marfat.com

پہلی بات دہرائی، حضرت خواجہ محمود صاحب نے فرمایا: "سائیں تو عاجز نہیں ہے سارے سلسلہ کی عزت اور لاج تیرے ہاتھ میں ہے آپ ہمارے حق میں دعا فرمایا کریں"

تصوف کے اسرار و معارف کے بیان کرنے میں جو مہارت کاملہ آپ کو تھی اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ بات بات سے نکتہ آفرینی اور پنجابی کے اشعار کو معانی کا وہ لباس پہناتے کہ سننے والوں پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ تو آپ حضرت صاحبزادہ عبداللہ کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے اور ایک واقعہ یہاں پیش خدمت کرتا ہوں۔

ڈاکٹر تسخیر احمد صاحب کے والد بزرگوار مولوی محمد سعید صاحب مرحوم اپنی کتاب جذبات سعید میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بگویؒ بھیروی آستانہ عالیہ سیال شریف حاضر ہوئے میں ہمرکاب تھا۔ مولانا نوافل اشراق کے بعد وظائف پڑھنے لگے اسی اثنا میں میاں احمد خوشابی (مائی بانو کا شوہر) وہاں آگئے اور کہنے لگے کہ کیا پیر کے مکان پر آکر بھی وظائف وغیرہ پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے آپ نے کہا، میاں صاحب! آپ جیسے منتہی درویشوں کا تو یہی مقام ہے لیکن ہم ابھی مبتدی ہیں ہمیں کچھ نہ کچھ اوراد پڑھنے پڑتے ہیں۔ یہ سن کر میاں صاحب پر رقت طاری ہوگئی اور ان کی مخمور آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے، جوش میں آکر کہنے لگے۔ اس وقت میرے حضرت یہاں موجود ہوتے میں دیکھتا کہ آپ یہاں بیٹھ کر کس طرح وظائف پڑھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں حضرت شمس العارفین کے عہد مبارک کی یاد تازہ ہوگئی اور دل میں اک حسرت سی اٹھی کہ کاش! ہمیں بھی اعلیٰ حضرت کا زمانہ نصیب ہوتا۔ ہم نے بھی اس ماہ چہار دہم کا دیدار کیا ہوتا اس اثنا میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کریم ثانی لاثانی ہمارے کمرے کے سامنے سے مشرق کی طرف خراماں تشریف لے جا رہے ہیں

Marfat.com

ذرائیہ شعر وردِ زبان ہو گیا ؎

دیدہ صد شکر بجا آورد از دیدن تو
سر کند سجدہ بایں طرز خرامیدن تو

آپ کو دیکھتے ہی ہم تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ حضرت غریب نواز نے نگاہ التفات فرمائی اور ہماری طرف تشریف لائے اور بچھی ہوئی جانماز پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور یوں گویا ہوئے" مولانا ایک بزرگ تھے جن کا نام شاہ مراد تھا۔ اہل دل، صوفی اور پنجابی زبان کے مستند شاعر تھے۔ ان کے زمانہ میں ایک شاعر کے دماغ میں ایک مصرع آیا لیکن بڑی کوشش اور سوچ بچار کے بعد وہ دوسرا مصرع نہ لکھ سکا۔ کئی باکمال شعراء کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن کسی نے یہ مشکل حل نہ کی۔ ایسے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ مراد صوفی بھی ہیں اور باکمال شاعر بھی۔ چنانچہ اس گرہ کو کھولنے کے لیے وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبلہ میں نے ایک مصرع موزوں کیا ہے لیکن دوسرا مصرع موزوں نہیں ہو رہا میں کئی لوگوں کے پاس گیا ہوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی شہرت سن کر آیا ہوں از راہ کرم میری یہ مشکل آسان کر دیجئے آپ نے پوچھا تو نے کون سا مصرع موزوں کیا ہے تو اس شاعر نے کہا،

ع ہیر رانجھن نوں مل کے یارو دسو کھاں پچھوتانی کیوں

یعنی ہیر نے جب اپنے محبوب رانجھا سے ملاقات کی تو وہ کف افسوس کیوں ملنے لگی۔

آپ نے سن کر فی البدیہہ فرمایا کہ دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیے :

ع گزری دا ارمان نگیو سو، اس رانجھن باجھ دہانی کیوں

یعنی اسے گزری ہوئی زندگی پر افسوس ہوا کہ اس نے اسے رانجھن کے بغیر کیوں گزارا ہے۔

Marfat.com

یہ قصہ سنانے کے بعد آپ نے مولانا کی تشفی کر دی کہ آپ کا پہلے زمانہ سے مستفیض نہ ہو سکنے پر افسوس کرنا اس ہیر و رانجھا کی ملاقات کی طرح ہے جو معشوق کے دیدار سے خوش ہو کر اپنے جامہ میں پھولی نہیں سماتی تھی، لیکن گذشتہ زمانہ کی محرومی پر ارمان بھی کرتی تھی۔ اس مضمون کو ایک فارسی شاعر نے خوب بیان کیا ہے

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

الحاج صاحبزادہ محمد رب نواز صاحب سیالوی مدظلہ نے بیان فرمایا کہ حضرت ثانی لاثانی کا عہد نورانی تھا۔ ایک عرس شریف کے موقع پر حضرت پیر صاحب گولڑوی بھی تشریف لائے ہوئے تھے، عرس کے اختتام پر آپ سے رخصت لے کر سرائے کی جانب (جہاں اس زمانہ میں مہمان ٹھہرا کرتے تھے) چلے آئے حضرت ثانی غریب نواز کا پلنگ تالاب کے قریب بچھا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے منجھلے صاحبزادے حافظ محمد عبداللہ صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ پیر صاحب اجازت لے کر ابھی یہاں سے گئے ہیں وہ اس وقت سرائے میں ہوں گے تم وہاں جاؤ اور پیر صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر ترنم سے پڑھو۔

ماہمہ چشم وقف رہ انتظار دوست
بنشستہ ایم ما بسر رہ گزار دوست

یعنی ہم دوست کے انتظار کے راستہ میں سراپا آنکھ بن گئے ہیں اور دوست کی راہ گزر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب تعمیل ارشاد کے لیے سرائے میں پہنچے۔ حضرت پیر صاحب گولڑوی نفل پڑھ رہے تھے جب آپ نفلوں سے فارغ ہوتے تو صاحبزادہ صاحب نے حسب ہدایت یہ شعر بڑے ذوق و ترنم سے پڑھا۔ حضرت پیر صاحب نے جب سنا تو

Marfat.com

بے تاب ہو گئے اور ننگے پاؤں وہاں سے دوڑ پڑے۔ آپ بڑے وجد و شوق کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت ثانی غریب نواز کو بیٹھے ہوئے دیکھا دونوں بغلگیر ہو گئے اور دیر تک اشک فشانی ہوتی رہی۔ حضرت ثانی کی شانِ دلنوازی کا یہ ایک کرشمہ تھا۔ اور اس وجہ سے آپ نیازمندان آستانہ شمس العارفین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن گئے تھے۔

حضرت کا لنگر بڑا وسیع تھا سینکڑوں درویش جو ذکرِ الٰہی سیکھنے کے لیے یہاں فروکش ہوتے ان کی خاطر مدارت میں پوری کوشش کی جاتی۔ آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے والے مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے آپ ہر ممکن اہتمام فرماتے اور کوئی بعد از وقت آنے والا مہمان اور مسافر بھی بھوکا نہ رہتا۔ حضرت کا معمول تھا کہ رات کا کھانا نماز عشاء ادا کرنے کے بعد تناول فرماتے اور اس میں حکمت یہ تھی اگر کوئی مہمان تاخیر سے آتے اور لنگر میں کھانا ختم ہو گیا ہو تو حضرت اپنا کھانا اس کو پیش کر دیتے۔ وسیع لنگر کے ساتھ ساتھ دار العلوم کی ترقی کے لیے بھی خصوصی توجہ فرماتے۔ سینکڑوں کی تعداد میں طلباء اکتساب علم کے لیے موجود رہتے ان کی رہائش، خوراک اور تعلیم کا مفت انتظام کیا جاتا۔

آستانہ عالیہ پر جو عظیم الشان عمارات نظر آ رہی ہیں ان میں سے بیشتر حضرت کے ذوقِ لطیف اور ہمت بلند کا شاہکار ہیں۔ روضہ مقدسہ معنوی حسن و خوبی کے علاوہ صوری جاہ و جلال میں بھی عدیم النظیر ہے اس کی بلندی، اس کی پختگی اور اس کے اندر ماہر کاریگروں نے جو نقش و نگار اور گلکاری کی ہے اسے دیکھ کر ایک عجیب قسم کی روحانی آسودگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کو تعمیر ہوئے ایک سو سال کا عرصہ گزرنے والا ہے لیکن نقش و نگار کی تابناکی میں ذرا فرق نہ آیا۔ روضہ شریف کی شرقی جانب مجلس خانہ ہے اتنی وسیع مضبوط اور خوبصورت عمارت دیکھنے میں نہیں آتی اس کی زیبائی اور رعنائی کے پہلو بہ پہلو اس کی پختگی کو دیکھ کر دیدہ و دل

Marfat.com

منور ہو جاتے ہیں۔ الغرض حضرت کی ذات ستودہ صفات سراپا یمن و برکت اور خیر و سعادت کا منبع فیض تھی کوئی آنے والا تشنہ کام واپس نہیں گیا۔ حضرت نے اپنے کارہائے نمایاں سے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت شمس العارفین نے اپنے جانشیں کا جو انتخاب فرمایا تھا وہ کتنا درست تھا۔ آپ کے کمالات آپ کی کرامات حد شمار سے باہر ہیں۔ آپ کے اخلاق حسنہ، صاحب خلق عظیم صلے اللہ علیہ وسلم کا دل کش نمونہ تھے۔ آپ نے ۲ رجب المرجب ۱۳۲۷ ہجری کو دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرمائی اور اپنے گرامی منزلت والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ تعالے علیہ رحمۃ واسعۃ۔

مولوی محمد سعید صاحب نے آپ کی تاریخ وصال یوں رقم کی ہے: ؎

ملاذ دین و ملت قطب عالم شاہ محمد دین — پناہ بے پناہاں غوث اعظم شاہ محمدؐ دین

چو رخ پوشید از عالم نیاز بے نیازی اش — جہاں برہم ز واز گیسوئے پرخم شاہ محمدؐ دین

سعید زار گفتہ سال آں با سالہائے زار — بہ ہجر جان عالم فخر آدم شاہ محمد دین

"باوج حشمت آمد آفتابے" سال پیدائش — وصالش "رحمۃ دینی مجسم شاہ محمد دین"

۱۲۵۴ھ — ۱۳۲۷ھ

حضرت کے چار صاحبزادے تھے:

(۱) صاحبزادہ محمد امین صاحب جنھوں نے آپ کے بعد جلدی ہی ۴ رمضان ۱۳۲۳ھ کو انتقال فرمایا۔

(۲) حضرت خواجہ ضیاء الحق والدین قدس سرہ جنھوں نے حضرت کے بعد مسند سجادگی کو زینت اور عظمت بخشی جن کا ذکر خیر اس رسالہ میں ملاحظہ کریں گے۔

Marfat.com

(۳) حضرت صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ صاحب ولادت ۱۳۰۷ ہجری وفات ۲۶ رمضان شریف ۱۳۸۲ھ بروز جمعرات تدفین جمعۃ الوداع۔ آپ بہترین حافظ تھے، چار گھنٹوں میں بڑی آسانی سے از اول تا آخر سارا قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی، پنجابی کے قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھے۔ آپ کے کلام کا انتخاب اور آپ کا ایک مقالہ جو آپ کی بیاض سے نقل کیا گیا ہے اس نمبر کی زینت ہے۔ اس کے علاوہ گوناگوں کمالات سے اللہ تعالٰے نے بہرہ ور فرمایا تھا۔ آپ کے ایک صاحبزادے جناب مظہر الحق صاحب جواں سالی میں انتقال فرما گئے۔ دوسرے صاحبزادے جناب منظور الحق صاحب اپنے خاندان کے سربراہ اور ان کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔ اللہ تعالٰے آپ کی عمر دراز فرمادے۔ آمین!

(۴) حضرت صاحبزادہ حافظ محمد سعد اللہ صاحب آپ کے چہرہ کے خدوخال اور نقش و نگار میں دیکھنے والوں کو جمال شمس العارفین کا پرتو نظر آتا تھا۔ علم مجلسی میں آپ کو کمال مہارت حاصل تھی۔ رؤسا کی محفل ہو، علماء کی مجلس ہو یا صوفیاء کی بزم ہو، آپ کا مقام منفرد نظر آتا تھا۔ آپ تمام محفل پر چھاتے رہتے تھے۔ ظرافت اور لطافت آپ کے کلام کی جان تھی۔ تنقید فرماتے تو جبر کی تہ تک پہنچ جاتے۔ حقیقت کو بیان کرتے لیکن اس انداز میں کہ سننے والا محظوظ ہوتا۔ آستانہ عالیہ کی ناموس اور وقار کا از حد پاس تھا۔ آپ کو عام پیر صاحبان میں جو بدنظمی اور فرض ناشناسی پائی جاتی ہے اس سے بڑا دکھ ہوتا اور اس کا اکثر ذکر فرمایا کرتے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۳۱۰ھ میں اور وصال ۵ صفر ۱۳۹۷ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کے چار صاحبزادے ہیں سب سے بڑے صاحبزادہ عنایت اللہ جو صاحبزادہ خان صاحب

Marfat.com

کے نام سے مشہور ہیں، حکومت کے ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔

دوسرے الحاج صاحبزادہ محمد رب نواز صاحب یہ اپنی شکل وصورت اور عادات و اطوار میں اپنے اسلاف کا بہترین نمونہ ہیں۔ دین وملت کے لیے دل میں بڑا درد رکھتے ہیں اور ہر قومی سانحہ پر پریشان ومضطرب ہو جاتے ہیں بظاہر آپ خاموش طبع ہیں لیکن آپ کے نہاں خانہ دل میں جذبات وافکار کا تلاطم برپا رہتا ہے۔ گفتگو کرتے ہیں تو بڑی متانت اور وقار کے ساتھ، جس میں بڑی گہرائی اور سنجیدگی ہوتی ہے اوراد و وظائف کی ادائیگی بڑی پابندی سے کرتے ہیں ان کی خدمت میں بیٹھنے سے قلب اور ذہن دونوں شادکام ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ اس گوہر آبدار کو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے اور ان کے نور دیدہ حضرت صاحبزادہ حبیب نواز صاحب کو درجاتِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ تیسرے صاحبزادہ افتخار احمد صاحب نوجوان ہیں کام کرنے کا از حد جذبہ ہے پاک ولی جو اس خاندان کی قدر مشترک ہے، سے آپ کو حظ وافر ارزانی ہوا ہے۔ زراعت میں خوب دلچسپی لیتے ہیں اور جدید بنیادوں پر زرعی فارم بنایا ہوا ہے۔ چوتھے صاحبزادہ غیاث الدین صاحب جو سب سے چھوٹے ہیں اور خدام آستانہ کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے ہیں اور دنیاوی کاموں کی انجام دہی بارگراں انھوں نے اٹھایا ہوا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

حضرت خواجہ قمر الملّۃ والدّین رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر پاک و ہند میں بسنے والے فرزندانِ اسلام کے لیے انیسویں صدی بڑے درد و کرب کی صدی تھی۔ ہندوستان وسیع و عریض مسلم مملکت بیسوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھی۔ ہر ریاست کا حکمران اپنی ذاتی وجاہت کے لیے یوں از خود رفتہ ہو چکا تھا کہ اسے نہ ملت کا غم تھا۔ نہ ہی قوم کے آفتابِ اقبال کے غروب ہونے کا کوئی دکھ تھا۔ مسلمان اب آپس میں دست و گریبان تھے۔ دہلی شہر جو صدیوں سے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا مرکز رہا تھا، اپنے فرمانرواؤں کی نااہلی کے باعث اپنا اثر و رسوخ کھوتا جا رہا تھا، اس سے بھی زیادہ المناک بات یہ تھی کہ بندہ مومن کا رشتہ اپنے کریم رب اور اپنے رؤف و رحیم مرشد سے کمزور ہوتا جا رہا تھا عقیدے اور عمل کی مختلف بدعتوں نے اسلامی معاشرہ کو نڈھال کر دیا تھا مسجدیں ویران تھیں، مدرسے بے چراغ تھے۔ خانقاہیں جہاں کبھی اللہ کے شیر تشریف فرما ہوا کرتے تھے، اب روباہ کیش اور حقیقتِ اسلام سے بالکل بے بہرہ ملنگوں اور قلندروں کے تصرف میں تھیں۔

نورِ معرفت سے منور چہرے اور سجدوں کے نشانوں سے تابندہ پیشانیاں خال خال

Marfat.com

نظر آجاتی تھیں۔ وہ چشمے خشک ہوتے جا رہے تھے جو قوموں کی کشتِ حیات کو سیراب کرتے ہیں۔ وہ تارے یکے بعد دیگرے ڈوبتے چلے جا رہے تھے جو زندگی کے صحراؤں میں بھٹکنے والے راہروں کو اپنی منزل کا نشان بتاتے تھے۔

آپ خود سوچئے جہاں امرا ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی سازشوں میں رات دن سرگرم ہوں، جہاں عوام اپنے منبعِ حیات سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہوں، وہاں عوام ذلت و نکبت، زوال و ادبار کے علاوہ اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی ہے وہ قوم جو اپنی تعداد کی قلت کے باوجود محض اپنے حسنِ عمل کے بل بوتے پر اتنے بڑے ملک پر صدیوں سے حکمرانی کرتی رہی تھی آج اس قوم میں وہ خوبیاں قصۂ ماضی بن چکی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومت کا آفتاب ۱۸۵۷ء کی ایک شام کو غروب ہو گیا، ان محلات کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی جن میں بسنے والے اپنے خالق کو بھول چکے تھے۔ جن کے رات دن عیش و عشرت میں بسر ہوتے تھے۔ جن کے ایوانوں میں ہر لحظہ ناؤ و نوش اور رقص و موسیقی کی محفلیں بپا رہتی تھیں۔ چھ ہزار میل دور سے آئے ہوئے انگریز نے اپنے خالق کے باغیوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا۔ علمائے کرام کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ مدرسوں کو مقفل کر دیا گیا۔ علم و حکمت کے قیمتی نوادرات کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اور عام مسلمان۔ انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

ہر طرف مایوسی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا امید کی کوئی کرن کسی گوشہ سے بھی جھانکتی نظر نہیں آتی تھی لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب اسلام کا چراغ اس ملک میں دوبارہ روشن نہیں ہو گا مسلمانوں کا وجود حرفِ غلط کی طرح اس ملک کی تاریخ سے محو کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالےٰ کی رحمت کے بھی بڑے نرالے انداز ہیں۔ جب مایوسیاں چاروں طرف

Marfat.com

سے گھیرا تنگ کر لیتی ہیں، جب محرومیاں زندہ رہنے کی حسرت بھی دل سے چھین لیتی ہیں۔ عین اس وقت رحمتِ الٰہی ایک ایسے آفتاب کے طلوع ہونے کا اہتمام فرماتی ہے جو اس شب دیجور کو صبح سعید سے بہرہ ور کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کی شعاعوں کو وہ تابشین مرحمت فرماتا ہے جس کی شوخیوں کو دیکھ کر سارا عالم تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے۔

پنجاب کے ضلع شاہ پور کے ایک گاؤں کو جس کا نام بھی کسی کو معلوم نہ تھا قدرت نے اپنے ایک مقبول بندے کی پیدائش کے لیے پسند فرمایا۔ "سیال" کی چھوٹی سی بستی میں حضرت میاں محمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ایک ایسا چراغ معرفت روشن ہوا جس نے غم و حرماں کی اس تاریک رات میں چراغاں کر دیا۔ گھنے درختوں کے جھرمٹ میں چند کچے کوٹھے تھے۔ اس میں ایک ایسا مردِ سعید پیدا ہوا جس نے ایک عالم کے سوئے ہوئے بخت کو بیدار کر دیا اور لاکھوں کی بگڑی ہوئی تقدیروں کو سنوار دیا۔ ماں باپ نے اس فرزند ارجمند کا نام شمس الدین تجویز کیا۔ رحمتِ خداوندی نے اس کو شمس العارفین کے منصب جلیل پر فائز کیا۔ اس کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے والے ذکر الٰہی اور سنت نبوی کی پیروی کا ذوق فراواں اور اسلام کے پرچم کو پھر اونچا لہرانے کا عزم جوان لے کر واپس لوٹتے۔ چند سالوں میں ملک کے طول و عرض میں ایسی خانقاہوں کا ایک جال بچھ گیا جہاں خود فراموش انسانوں کو خود شناسی اور خدا شناسی کی منزل تک پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا۔ اللہ تعالٰے نے اس پاک ہستی سے احیائے دین اور ملت کی شیرازہ بندی کا جو کام لیا اس کو دیکھ کر زمانہ ماضی کے اولوالعزم اولیاء کرام کے کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہٗ کے بعد آپ کے فرزند جلیل حضرت خواجہ محمد دین اپنے والد بزرگ کی خوبیوں کا پیکر جمیل بن کر زینت بخش سجادۂ فقر ہوتے آپ نے

Marfat.com

اپنے پدر بزرگوار کی اس تحریک کو مزید پختگی اور توانائی بخشی یہ سلسلہ فقر و درویشی رفتہ رفتہ بڑے بڑے شہروں سے گزر کر ان دور افتادہ دیہات تک پھیل گیا جو پہاڑوں اور صحراؤں میں گھرے ہوئے تھے۔

حضرت ثانی غریب نواز کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ ضیاء الملت و الدین قدس سرہٗ نے صرف آستانہ عالیہ سیال شریف کو ہی نہیں صرف سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو نہیں بلکہ جملہ سلاسل فقر و درویشی کو چار چاند لگا دیئے اور انگریز کے تسلط اور کفر کے تغلب کے خلاف اجتماعی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ اسلام کا یہ شیر دل مجاہد جس نے تمام عمر انگریز کے اقتدار کو ہر میدان میں للکارا تھا صرف پینتالیس سال کی عمر میں فردوس بریں کو سدھارا اللہ تعالےٰ نے آپ کے خلوص کو اس طرح نوازا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہٗ جیسا فرزند عظیم مرحمت فرمایا۔ پون صدی تک آپ زندگی کے افق پر چودھویں کا چاند بن کر چمکتے رہے، نور بکھیرتے رہے، ہر قسم کی ظلمتوں کو شکست پر شکست دیتے رہے اور آج آپ کے وصال پر ساری ملت اشکبار ہے آپ کے نیاز مند مختلف انداز سے اپنی نیاز مندیوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ ضیائے حرم کا یہ نمبر بھی اسی سلسلہ نیاز و عقیدت کی ایک حقیر کڑی ہے۔

آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت کے کس پہلو کا ذکر کیا جائے اور کس کا ذکر نہ کرنے پر قناعت کی جائے، اس گلستان جمال و کمال کے گل چینوں کے لیے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما ہے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو ظاہری حسن عطا فرمایا تھا اس کی ہیں تو کہیں نظیر نہیں ملتی، روشن چہرہ، اونچی بینی چمکتی ہوئی غزالی آنکھیں، جبینِ سعادت کی کشادگی، ڈاڑھی مبارک کا بانکپن قلب و نظر کو اسیر کر لینے والی تابدار زلفیں، جمال کی رعنائیوں کے باوجود جلالِ الٰہی کا ایسا پرتو چہرے پر ضوفگن رہتا تھا کہ بارگاہِ اقدس میں لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

جذبہ جہاد رگ و پے میں ہر لحظہ موجزن رہتا تھا جہاد کی تیاری کے لیے جسمانی ورزش اور شکار آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کو قیمتی اور خوب صورت گھوڑوں سے بڑی محبت تھی اعلیٰ نسل کی اپنی پسندیدہ گھوڑی کی پشت پر بیٹھ کر صبح سے شام تک ہرنوں کے تعاقب میں صحرا نوردی آپ کی بہترین تفریح تھی۔ کچھ عرصہ بازوں کے شکار کا بڑا شوق رہا۔ ان تمام مشاغل کے پیچھے حظ نفس نام کی کوئی چیز نہ تھی محض جہاد کی تیاری کے لیے جسمانی ریاضت مقصد اولین تھا۔ گھوڑوں سے محبت بھی صرف اس لیے تھی کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ ہے۔ بہترین بندوق بہترین رائفل اور بہترین ریوالور سے آپ کا شوق دیدنی تھا۔ بھاگتے ہوئے ہرنوں کو، اڑتے پرندوں کو گولی کا نشانہ بنانا۔ آپ کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ آپ کا نشانہ خطا ہو جائے یہ ممکن ہی نہ تھا۔

میں یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام سرگرمیوں کی روح کفار اور انگریز کے خلاف جذبہ جہاد تھا جو آخر وقت تک آپ کے دل میں چٹکیاں لیتا رہا۔ اپنے رب کریم کی بارگاہ میں آپ شہادت کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہا کرتے۔ جب کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے جہاد شروع ہوا تو آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو اس جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ جو سینکڑوں کی تعداد میں سب سے اگلے مورچوں پر بھارت کی فوجوں سے برسر پیکار رہے، اور ان کے چھکے چھڑا دیتے۔ مجاہدین کشمیر کی مالی خدمت کرنے کے علاوہ آپ نے بے شمار سپاہیوں کو اسلحہ اور بارود اپنی گرہ سے خرید کر مہیا کیا اور اس کی کبھی نمائش نہ کی۔ جب ۱۹۶۵ء کی جنگ شروع ہوئی تو آپ نے اپنے کاشانہ اقدس کی تمام خواتین کے تمام زیورات افواج پاکستان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور اس بے مثال قربانی کا کبھی اظہار نہ ہونے دیا۔

لنگر شریف میں اللہ تعالیٰ کی بڑی برکت تھی روز و شب سینکڑوں مہمانوں کو کھانا دیا

Marfat.com

جانا، رقم جمع کرنے کا آپ کو قطعاً شوق نہ تھا جو آیا، خرچ ہو گیا۔ یحییٰ خاں دَور میں جب کالے دھن پر قابو پانے کے لیے حکومت نے اعلان کیا کہ فلاں تاریخ تک پانچ پانچ سو اور سو سو کے نوٹ واپس کر دیئے جائیں تو لوگ اپنے نوٹوں کو تبدیل کرنے کے چکر میں رات دن سرگرداں اور پریشان تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے خود مجھے بتایا کہ میری جیب میں اس وقت صرف آٹھ آنے تھے اس لیے مجھے قطعاً کوئی فکر نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ کے بندے صرف اپنے دلوں کو ہی نہیں اپنی جیبوں کو بھی دولت سے پاک رکھتے ہیں۔

ملک میں جب کوئی دینی یا ملّی تحریک اٹھی اور اس کے لیے جانی مالی قربانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تعالےٰ کا یہ بندہ اپنی ساری بے نیازیوں کے باوصف السابقون الاوّلون کے زمرہ میں ہمیشہ پیش پیش نظر آتا ہے آپ کا جہاد صرف سیف و سناں کے جہاد تک محدود نہ تھا، بلکہ قلم و زبان سے بھی آپ حق کی سربلندی کے لیے ساری عمر مصروف عمل رہے باطل کسی روپ میں اور ملک کے کسی کونہ میں اگر سر اٹھاتا تو حضرت خواجہ قمر الدین کا ڈنڈا اس کی کھوپڑی پر پٹاخ پٹاخ برسنے لگتا۔

انگریزی دور میں فتنوں کا سیلاب اُمڈ کر آ گیا کہیں عیسائیت کے نام نہاد مبلغ، اسلام کی حقانیت پر اپنے طعن و تشنیع کے تیر برساتے، کہیں ختم نبوت کے انکار کا فتنہ، کہیں شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کی ہرزہ سرائیاں، کہیں صحابہ کرام کی بارگاہ اقدس میں گستاخی کرنے کے لیے منظم سازشیں، کہیں اہل بیت کرام کی عظمت و ناموس پر زبان درازیاں الغرض اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسولؐ کا یہ محبوب مجاہد سب سے لڑا سب کے سامنے سینہ سپر ہوا اور سب کو بتائید الٰہی شکست فاش سے دوچار کیا۔

ہندوستان کی آزادی کے لیے جب تحریک چلی تو کانگریس پیش پیش تھی جس کی قیادت

Marfat.com

متعصب اور تنگ نظر ہندو کے ہاتھ میں تھی، لیکن ہندو مہاشوں کی مکاری نے بہت سے مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ بڑے بڑے علماء، زعماء، فضلاء بھی ہندوستانی قومیت کے پرستار اور ہندو لیڈروں کے ہمنوا تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ملت مصطفویہ کو انگریز اور ہندو کی غلامی کے شکنجے سے بچانے کے لیے انتظام فرمایا۔ قائداعظم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تو آنحضرت نے اپنے نور فراست سے قائداعظم کے مؤقف کی حقانیت کو بھانپ لیا اور ملک کے بڑے بڑے دانشور یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ قائداعظم کے دعویٰ میں کوئی معقولیت ہے یا نہیں، یا یہ قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔ آپ نے ڈنکے کی چوٹ، پورے عزم ویقین کے ساتھ پاکستان کے حصول کے لیے جہاد میں قائداعظم کی رفاقت اور اعانت کا اعلان کر دیا اور تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ اس مرد حق نے جو قدم اٹھایا وہ اس وقت تک نہیں رکا جب تک منزل نے بڑھ کر قدم نہیں چومے۔

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کی مہم از بس خطرناک تھی۔ خان برادران کا یہاں طوطی بول رہا تھا وہ گاندھی کے اندھے پرستار تھے اور سرخ پوش تحریک کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ صوبہ سرحد کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں اس کے سرخ پرچم لہرا رہے تھے اگر اس ریفرنڈم میں مسلم لیگ شکست کھا جاتی تو پاکستان کا خواب تعبیر سے پہلے ہی منتشر ہو جاتا۔ جن لوگوں کی جوانمردی نے ملت مسلمہ کے لیے سرحد میں کامیابی کے راستے ہموار کیے بلاشبہ ان مجاہدین کی صف اوّل میں حضرت خواجہ قمرالدّین کا چمکتا ہوا چہرہ آپ کو نمایاں نظر آئے گا۔

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد اگرچہ عرصہ دراز تک موت وحیات کی کش مکش میں رہا۔ جن لوگوں کو اس کی زمام اقتدار سونپی گئی انھوں نے اپنی نا اہلی یا خیانت مجرمانہ کے باعث اس نوزائیدہ مملکت کی مشکلات میں اضافہ ہی کیا، لیکن ۱۹۷۰ء کا وہ دور ساری ملت

Marfat.com

کے لیے بے حد تشویشناک تھا۔ اس وقت یہاں ایک ایسی تحریک شروع ہوئی جو اسلام کے بجائے سوشلزم کو ملک کا دستورِ حیات بنانے کا عزم کرکے اٹھی تھی اس سے قبل جو حکمران آئے انھوں نے بھی اگرچہ نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے کوئی قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی تھی۔ اور اگر کوئی قدم اس سمت میں اٹھایا بھی تو بڑی بے دلی سے، لیکن یہ دور تو اپنے دامن میں ہنگامہ رستاخیز سمیٹ کر لایا تھا۔

بھٹو کی عیاریوں نے قوم کے ذہنوں میں اشتراکیت کا نقش اس طرح ثبت کر دیا کہ اب عام شاہراہوں پر اسلام مردہ باد کے نعرے سنائی دینے لگے۔ اب خوف آنے لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو ملک لاکھوں شہیدوں نے اپنا خون بہا کر اور اپنی رنگ رنگیلی جوانیاں لٹا کر اسلام کی خاطر حاصل کیا تھا۔ اس میں کہیں مارکس اور لینن وغیرہ یہودیوں کا ابلیسی نظام نافذ ہو جائے۔

بھٹو کے سائیسوں کے نعرے بڑے گرجدار تھے ساری فضا سہمی تھی۔ بڑے بڑے سیاستدان منقار زیرِ پر تھے۔ کئی علما بھی بایں جبہ و دستار اسلام کے اس وطن میں سوشلزم کے کانٹے بونے کے لیے بھٹو کا ساتھ دے رہے تھے خوف و ہراس، دہشت و یاس کے اس ماحول میں ایک آواز بلند ہوئی کہ "پاکستان سوشلزم کا قبرستان بنے گا"۔ ساری قوم چونک اٹھی اپنے اور بیگانے اس نعرہ لگانے والے کی جرأت و بسالت پر انگشت بدنداں رہ گئے وہ آنکھیں مل مل کر اس جوانمرد کا چہرہ دیکھنے کے لیے بے تاب تھے جس نے اپنی صدائے دلنواز سے ملک بھر میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔

وہ نعرہ لگانے والا کون تھا؟

وہ ہم سنیوں کا آقا، ہم چشتیوں کا مرشد، حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی تھا۔ اس نعرہ

Marfat.com

نے صور اسرافیل کا کام کیا۔ اور سوئی ہوئی ملت بیدار ہو گئی۔ اور اس کے بیدار ہونے کی دیر تھی کہ باطل کے نعروں کی وہ گرمک ختم ہو گئی وہ طلسم ٹوٹ گیا جس نے ساری قوم خصوصاً نوجوان نسل کو بُری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ایسے نازک دور میں کالعدم جمعیۃ علمار پاکستان کی قیادت اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا جب حضرت شمس العارفین کے خانوادے کے اس اولوالعزم مرد حق نے اپنے ہاتھ میں اٹھالیا تو میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اور بھٹو اور اس کے حواریوں کے وہ ارادے خاک میں مل گئے جو اس گلشن اسلام کو ویران کر کے اسے اشتراکیت کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔

غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا پہلے انگریز کے خلاف برسرپیکار تھے۔ پھر ہندو سے جنگ آزما ہوئے۔ پھر داخلی فتنوں نے ان کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول رکھی۔ اس عرصہ میں فتنۂ مرزائیت ہر قسم کی مزاحمت سے بے خوف ہو کر اپنے پاؤں پھیلاتا رہا، اپنی بنیادیں مضبوط کرتا رہا انھیں اپنے وسائل کو منظم کرنے، اپنی سازشوں کو مرتب کرنے کے لیے طویل فرصت مل گئی۔ سول کے محکموں میں پہلے ہی ان کے لوگ کلیدی اسامیوں پر قابض تھے اس عرصہ میں انھوں نے بری بحری اور ہوائی فوج میں بھی اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ یہاں تک کہ پاکستانی فضائیہ کا سربراہ اعلیٰ ایک قادیانی (ظفر چوہدری) بننے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی کہ ماہ دسمبر میں ربوہ میں ان کی جو سہ روزہ کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر اس نے پاکستانی فضائیہ کے طیاروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے جھوٹے نبی جھوٹے خلیفہ کو سلامی دیں۔

انھیں یہ توقع تھی کہ ایک جست میں وہ پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کر لیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب مکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو انگریزوں کے ان پٹھوؤں، اسلام اور ملت اسلامیہ کے دشمنوں کی خطرناک سازشوں سے بچانے کے لیے ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر

Marfat.com

رونما ہونے والے ایک معمولی سے واقعہ کو اس کا ذریعہ بنا دیا۔ پھر ختم نبوت کی تحریک ملک کے کونہ کونہ میں پھیل گئی۔ یہاں تک کہ حکومت مجبور ہوگئی کہ وہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ اس وقت بھی حضرت شیخ الاسلام نے جو قائدانہ اور مجاہدانہ کردار انجام دیا وہ محتاجِ بیان نہیں۔

تحریکِ نظام مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی آپ کی خدمات تا ابد تابندہ درخشندہ رہیں گی۔

رمضان المبارک کی چودہ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا زائرین کے ہجوم سے آستانہ عالیہ کا کونہ کونہ بھرا ہوا تھا۔ یہ جمعہ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسجد میں ادا فرمایا اور اپنے خدام کو اور اپنے پروانوں کو دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا۔ اس دن خلاف معمول روزہ گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ افطار فرمایا۔ رات سیال شریف میں بسر کی۔ حضرت صاحبزادہ غلام نصیر الدین صاحب کے صاحبزادے علاج کے لیے لاہور گئے ہوئے تھے ان کی مزاج پرسی کے لیے لاہور جانے کا پروگرام بنایا۔ سحری تناول فرمانے کے بعد حضرت غریب نواز نے، حضرت شمس العارفین کے روضہ مقدسہ پر حاضری دی اور دعائے خیر کے بعد اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔

سرگودھا لاہور سڑک پر (سرگودھا سے چند میل کے فاصلے پر) چک نمبر ۱۱ کا پل ہے۔ آپ کا عمر بھر کا ڈرائیور غلام حیدر جو پینتالیس سال سے آپ کا ڈرائیور تھا، کار چلا رہا تھا صبح کے سات بج رہے تھے۔ سورج طلوع ہو چکا تھا ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی کہ چک نمبر ۱۱ کے پُل کے قریب غلام حیدر نے سامنے سے ایک ٹرک آتا ہوا دیکھا وہ غلط سمت سے آرہا تھا محتاط ڈرائیور نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق گاڑی کو اور بائیں جانب کرلیا، لیکن ٹرک نے

Marfat.com

اپنی سمت درست نہ کی تو غلام حیدر نے حضرت کی گاڑی کو کچے راستے پر اتار دیا لیکن ٹرک کا ڈرائیور معلوم نہیں نشہ میں دھت تھا یا سو رہا تھا اپنے ٹرک کو کنٹرول نہ کر سکا۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ قیامت خیز دھماکہ، جس نے گاڑی کا کچومر نکال دیا ڈرائیور غلام حیدر اپنے آقا کے قدموں میں نذرانہ جان پیش کر کے وہیں سرخرو ہوا۔

ایک دوسرا خادم اللہ بخش، جس کی چند روز بعد شادی ہونے والی تھی، وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو شہادت کا تاج پہنا دیا گیا۔ شاید ایسے جان نثار اور جان باز خدام کے لیے ہی حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

باقی دو ساتھی حاجی محمد نواز جو حضرت کا دیرینہ اور راز دار خادم ہے اس کا بازو کئی جگہ سے ٹوٹ گیا۔ چوتھا ساتھی محمد اسلم بُری طرح زخمی ہوا۔

حضرت قبلہ غریب نواز ڈرائیور کے ساتھ پہلی نشست پر تشریف فرما تھے۔ دھماکہ سن کر ارد گرد سے لوگ دوڑے ہوئے آئے حضرت کو باہر نکالا گیا آپ کی دائیں ٹانگ کی پنڈلی کی ہڈی کریک ہوئی تھی۔ چہرہ مبارک اور جسم کے دوسرے حصے بالکل صحیح سلامت تھے آپ کو کار سے نکال کر جب باہر چارپائی پر ڈالا گیا تو ایک آدمی نے پانی پیش کیا۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: میں روزہ سے ہوں۔ پھر ٹرک میں چارپائی بچھا کر لٹا دیا گیا اور ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا لایا گیا۔

اس المناک حادثہ کی خبر، جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً پھیل گئی۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہسپتال میں جمع ہو گئے۔

Marfat.com

بھیرہ میں ہمیں شام کے بعد اس حادثہ کی اطلاع ملی، لیکن اطلاع دینے والے نے ساتھ یہ بھی بتایا: حضور بخیر و عافیت ہیں۔ دوسری صبح سویرے عیادت اور زیارت کے لیے میں مع اپنے عزیزوں سرگودھا پہنچا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحبان مرہم پٹی کر رہے تھے ہسپتال کا سارا کھلا میدان نیاز مندوں اور عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب کی زبان پر کلمات شکر تھے کہ اللہ تعالٰے نے ان کے کریم آقا کو اس جانکاہ حادثہ سے بچا لیا ہے۔

ہم لوگ خوش تھے کہ تقدیر کی کمان کا تیر خطا ہوا، لیکن تقدیر ہماری کم نگاہی پر مسکرا رہی تھی۔

دو روز تک آپ ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا میں زیر علاج رہے۔ صدر محترم جنرل محمد ضیا الحق کو جب اس سانحہ کا علم ہوا تو بے چین ہو گئے، ہر دس پندرہ منٹ کے بعد حضرت کی خبرگیری کے لیے فون کرتے رہے اور ڈاکٹروں کو تاکید کرتے رہے کہ علاج معالجہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔

۲۷ رمضان المبارک کو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپ کو علاج کے لیے سی ایم ایچ لاہور لے جایا جائے۔ چنانچہ آپ کو وہاں لے جایا گیا وہاں کے ڈاکٹروں نے جب انگلیوں کے ناخنوں کی رنگت دیکھی تو سراپا یاس بن گئے اور کہا کہ بہت لیٹ آئے ہو۔ سی ایم ایچ کے قابل ڈاکٹروں کی جملہ مساعی کے باوجود حکم الٰہی پورا ہوا اور وہ عظیم ہستی جو پون صدی تک چودھویں کا چاند بن کر زندگی کے افق پر نور افشانیاں کرتی رہی تھی۔ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی اور دار فانی سے رخت سفر باندھ کر اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ صمدیت میں نعمت حضوری سے شرفیاب ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

زمانہ اپنی شب غم کو منور کرنے کے لیے ایسے قائد کی تلاش میں سرگرداں رہا لیکن صد حیف کہ اس کی یہ سعی بار آور نہ ہوئی۔ امت مسلمہ اپنے اس قائد کی یاد کو ہمیشہ سینوں سے

Marfat.com

لگائے رکھے گی جس نے ہر مشکل مرحلہ پر بڑی جرأت کے ساتھ اس کی راہنمائی فرمائی۔

حلقہ مریدین اپنے شیخ کے نورانی چہرہ کی زیارت کے لیے تڑپتے ہی رہیں گے طالب علموں کے ساتھ محبت کرنے والے، علماء کی قدر و منزلت کو پہچاننے والے اہلِ بیت نبوت کے ادب و احترام کا حق ادا کرنے والے، صحابہ کرام کی ناموس کا پاسبان اور شمع جمال محمدی کا ایسا دلسوختہ پروانہ، اور ذکرِ الٰہی سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہونے والا، اہل دل کی آنکھوں کا نور، اہل خرد کا پیشوا اور کاروانِ عشق و مستی کا قافلہ سالار، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدّین رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ بظاہر ہماری آنکھوں سے نہاں ہو گئے لیکن ان کی عقیدت و محبت کے چراغ ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی نظریاتی کونسل کے سوالات کے جوابات

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونستعینہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ محمد
المبعوث رحمۃ للعالمین ط وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ط

امّا بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا مراسلہ سوالنامہ موصول ہوا۔ یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں۔ آپ نے بڑا اچھا کیا کہ اہل الرائے علماء کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ ان اہم اور پیچیدہ سوالات کے بارے میں اپنے تحقیقی جوابات آپ کی طرف ارسال کریں۔ اور ان کی روشنی میں آپ کسی حتمی نتیجہ تک پہنچیں۔ ان مسائل کے بارے میں ارباب حکومت بھی مضطرب ہیں اور عوام کے اذہان بھی تشویش اور بے چینی کا شکار ہیں۔ ایک غیر یقینی صورتِ حال نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور لوگوں کے قلوب و اذہان کو مطمئن کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ آپ کی رپورٹ جتنی مدلل اور جامع ہو گی حکومت اور عوام کے لیے اس پر عمل کرنا اتنا ہی آسان ہو گا۔

ان سوالات کا جواب لکھنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے۔ اس کا اپنا تشخص اور اس کی اپنی انفرادیت ہے۔

Marfat.com

قومی معیشت بھی اس نظام کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اس کا بھی اپنا تشخص اور اپنی انفرادیت ہے۔ جو دوسرے معاشی نظاموں سے صورت و شکل حقیقت و معنی دونوں میں مختلف ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں کسی دوسرے اقتصادی نظام کی پیوند کاری یا کسی دوسرے اقتصادی نظام میں اسلام کی پیوند کاری مضحکہ خیز قسم کی سادہ لوحی ہے۔ اسلام اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے کسی غیر اسلامی نظام کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کے لیے تیار نہیں۔ جو لوگ اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کی معجون مرکب تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوششیں نہ اب تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اور نہ آئندہ ان کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام سرمایہ داری کا حقیقی مخالف ہے۔ اور وہ اس مخالفت کا برملا اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ میں اس بات کا ہرگز روادار نہیں کہ قوم کی ساری دولت اور ملکی ثروت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے۔ چند خاندان تو عیش و عشرت کی زندگیاں بسر کریں۔ اور باقی ساری قوم محرومیوں کا شکار رہے۔ افلاس و غربت جہالت و بیماری کی آہنی زنجیروں میں جکڑی رہے۔ اور اپنی بدنصیبی پر خون کے آنسو بہاتی رہے۔ اسلام، دولت کی منصفانہ تقسیم کا علمبردار ہے تاکہ ہر شخص اپنی خداداد صلاحیتوں کو پوری ہمت سے بروئے کار لائے اور خوشحال زندگی بسر کر سکے۔ وہ خوش حال زندگی کا وعدہ کر کے انسان کو اس کی عظمت سے محروم نہیں کرتا، اس کی آزادی عمل سلب نہیں کرتا، اس پر ناروا پابندیاں لگا کر اس کے عزم جواں کو مفلوج نہیں کرتا، بلکہ وہ انسان کی عظمت، اس کی حریت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے خوشحالی کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے، اس لیے سرمایہ داری سے اس کی مخاصمت اور اس کی بیخ کنی کے لیے اس کا طرز عمل

Marfat.com

اشتراکیت کے اندازِ فکر اور طریقہ کار سے بہت مختلف ہے۔

اسلام ان راستوں کو بند کرنے کی طرف پوری توجہ دیتا ہے۔ جن راستوں سے قومی دولت طوفان کی سی تیزی سے چند لوگوں کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اس طریقہ کار کو "سد ذرائع" کہا جاتا ہے کہ ایسے ذرائع کو بند کر دو۔ ایسے ذرائع کا استیصال کر دو۔ جن کے باعث اسلامی معاشرہ میں فساد اور خرابی اپنے قدم جماتی ہے۔ چنانچہ اکتساب دولت کے وسائل کو اسلام نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حلال اور حرام۔ وہ تمام وسائل جن میں انسان کی جسمانی یا ذہنی جد وجہد کا دخل نہیں ہوتا یا جس کا دار و مدار فقط اتفاق .... یا کسی شخص کی مجبوری، معذوری یا بے خبری اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے پر ہوتا ہے۔ ان تمام وسائل کو حرام قرار دیا گیا۔ جوا، شرط لگانا، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، سمگلنگ، رشوت اور سود سب قطعاً ممنوع قرار دیئے گئے، کیونکہ یہی وہ اسباب ہیں۔ جن کے بل بوتے پر سرمایہ داری کا نظام پھلتا پھولتا ہے۔ اور اپنی تباہ کاریوں سے انسانی معاشرہ کو گوناگوں مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان تمام ممنوعہ ذرائع اکتساب میں سرفہرست سود ہے۔ جب تک اسلامی معاشرہ سود کی لعنت سے پاک رہا۔ تجارتی، صنعتی، زرعی میدانوں میں بے مثال ترقی کرنے کے باوجود سرمایہ داری کا عفریت وہاں قدم نہ رکھ سکا۔ مغربی استعمار کی بالادستی نے جہاں ہماری ملّی اور انفرادی زندگی کے دوسرے شعبوں کو مجروح کیا۔ وہاں ہماری معاشی زندگی بھی اس کی یلغار سے محفوظ نہ رہ سکی۔

بدقسمتی سے جب عالم اسلام پر انحطاط و ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس وقت مغرب کی علمی برتری، سائنسی ایجادات اور سیاسی فتوحات کا ڈنکا چار دانگ عالم

Marfat.com

میں بج رہا تھا۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ مغلوب اور کمزور قوموں کی نگاہ میں طاقتور فاتح کی ہر ادا دلآویز، ہر فعل دل پسند اور ہر نظریہ حق دکھائی دیتا ہے۔ ان کے اقوال کی صداقت اور ان کے نظریات کی حقانیت کو پرکھنے کی ضرورت بھی وہ محسوس نہیں کرتے۔ بغیر دلیل کے ان کی ہر بات مان لی جاتی ہے۔ انہی حالات میں سود جیسی مہلک چیز بھی اسلامی ممالک خصوصاً ہندوستان میں قابل پذیرائی ہوگئی۔

پاکستان بننے کے بعد علماء نے پر زور مطالبہ کیا کہ سود کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جاتے لیکن وہ ذہن جو مغربی تہذیب سے بری طرح متاثر اور مرعوب تھے۔ انھوں نے علماء کے اس مطالبہ کو نامعقول، ناقابل عمل اور رجعت پسندانہ قرار دیا۔ اور بنکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے تاویلات کے انبار لگا دیتے۔ چنانچہ صنعت کاروں نے بنکوں سے سود لے کر بڑی بڑی فیکٹریاں، ملّیں اور کارخانے قائم کر لیتے۔ بنکوں کو وہ پانچ سات فی صد سود ادا کرتے، لیکن خود ایک صد روپیہ پر کئی گنا منافع کماتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں ملکی ثروت سمٹ کر چند خاندانوں کی تجوریوں میں چلی گئی اور عام پاکستانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی بہرہ ور نہ ہو سکا۔ رفتہ رفتہ حالات ناقابل برداشت ہوگئے، اور بائیس خاندانوں کی لوٹ مار اور غارت گری کی خونچکاں داستانیں زبان زدِ عام ہوگئیں۔

جن لوگوں نے سرمایہ داری کے جور و ستم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ صد حیف! انھوں نے بھی اسلام کے سرچشمۂ فیض سے استفادہ کی کوشش نہ کی۔ ان کے خادم ذہن اشتراکیت و شیوعیت کی طرف مائل ہوگئے۔ اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ان دنوں کمیونسٹ نظام بڑا فروغ پذیر تھا۔ آئے روز اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ روس

Marfat.com

کے علاوہ چین جیسے وسیع و عریض ملک میں اس کا علم لہرا رہا تھا۔ ہماری مشرقی سرحدوں کے ساتھ جو ممالک تھے۔ وہاں بھی اشتراکیت و سرمایہ داری میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی مصر شام، عراق اور یمن میں بھی روس کا اثر و نفوذ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہمارے پہلے قائدین اگر یورپ کی تہذیب و تمدن سے متاثر تھے، تو ہمارے نئے مصلحین لینن اور ماؤزے تنگ وغیرہ کمیونسٹوں کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ ہم اسے شومئ قسمت پر محمول کریں گے کہ دونوں اہم لمحات میں ہمیں اسلامی قیادت نصیب نہ ہوئی، جو ہمیں راہِ راست پر گامزن کر کے منزلِ مراد تک پہنچاتی۔ اس طرح تیس سال کا قیمتی عرصہ مختلف پگڈنڈیوں پر بھٹکتے بھٹکتے ضائع ہو گیا۔

ان ابتدائی گذارشات کے بعد عرض یہ ہے کہ اس قسم کے جدید مسائل کا صحیح اور حتمی حل تلاش کرنے کے لیے ایک ایسا بورڈ بنایا جائے۔ جس کے اراکین میں علماء، محققین، معاشیات اور بنکاری کے ماہرین شامل ہوں، یہ سب حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں ایک دوسرے کی تحقیقات، معلومات اور مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کے سامنے اپنے حتمی فیصلے پیش کریں۔ جن کے مطابق ہر شخص بغیر کسی خلش کے عمل کرے۔ اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے جتنا وقت صرف ہو جتنی محنت درکار ہو، اس میں بخل سے کام نہ لیا جائے۔ موجودہ حکومت کا یہ ایک ایسا زریں کارنامہ ہو گا جس کے لیے ساری قوم بلکہ سارا عالمِ اسلام اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی زیرِ بارِ احسان رہیں گی۔

اب آپ کی خواہش کے مطابق یہ ناچیز آپ کے سوالات کے جوابات پیش کرتا ہے۔ خداوند کریم میری راہنمائی فرمائے اور صراطِ مستقیم پہ ثابت قدمی سے گامزن

Marfat.com

رہنے کی ہم سب کو توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال نمبر ا (الف)

قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیصاً کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا (اضعافا مضعفة) کر دیتا ہے۔ یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے۔

(ب) کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ربا کی نئی تشریح کی جا سکتی ہے؟

جواب: (الف)

یہ امر واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا جو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے۔ جس کے سامنے فصحاء عرب کو اپنے سر جھکا دینے پڑے۔ ارشاد ہے: قرانا عربیا غیر ذی عوج (الزمر آیت ۲۸) یہ ایسا قرآن ہے۔ جو عربی زبان میں ہے۔ جس میں کوئی کجی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترے۔ آپ کے قلب مبارک پر تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ یہ عربی زبان میں ہے۔ جو بالکل واضح ہے۔

اس لیے "ربا" کے لفظ کی تحقیق کرنی چاہیے۔ کہ اہل زبان اس لفظ کو کس معنی میں استعمال

Marfat.com

کرتے ہیں۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں : ربا۔ یربو : زاد و نما یعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور بڑھنا۔ لسان العرب میں اس کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے۔ ربا الشیٔ یربوا ربوا و رباء، زاد و نما، یعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا یا بڑھنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں : والاصل فیہ الزیادۃ من ربا المال اذا زاد و ارتفع یعنی اس لفظ کا اصل معنی زیادتی ہے۔ جب مال میں زیادتی اور ارتفاع ہو تو اہل عرب کہتے ہیں : ربا المال۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زیادتی، قلیل ہو یا کثیر، کو لغت عرب میں "ربا" کہتے ہیں چنانچہ اسی لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہا اسلام نے 'ربا' کی شرعی تعریف اس طرح کی ہے : الربا شرعا فضل خال عن عوض بمعیار شرعی (وھو الکیل والوزن) مشروط لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ (تنویر الابصار جلد ۴ صفحہ ۱۹۶)

یعنی ہر وہ زیادتی جو کسی عوض کے بغیر ہو۔ اور معاوضہ میں ایک فریق کے لیے مشروط ہو۔

قرآن کریم کی آیات سے بھی اس مفہوم ہی کی تصدیق ہوتی ہے :

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربا۔

اے ایمان والو! اللہ تعالے سے ڈرو اور جو "ربا" باقی رہ گئی ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔

اس آیت میں مطلق ربا کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ تھوڑی ربا ہو تو لے لو اور زیادہ ہو تو ترک کر دو یا کاروباری قرضوں پر تو سود لے لو، اور نجی ضروریات کے لیے جو قرضے دیئے ہیں۔ ان کا سود معاف کر دو، بلکہ حکم مطلق ہے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی قید اس میں نہیں بڑھا سکتے۔ اگر خداوند کریم کو مقید کرنا مطلوب ہوتا، تو جہاں

Marfat.com

ربا کے متعلق تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ وہاں اس قید کا ذکر عین مصلحت ہوتا تاکہ ماننے والے کسی ذہنی کش مکش میں مبتلا نہ ہوتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوگنا اور سہ گنا سود تو حرام ہے، لیکن اس سے کم حرام نہیں ہے اور اپنی بے خبری کے باعث اس آیت سے استدلال کرتے ہیں؛

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربا اضعافا مضعفۃ۔ یعنی

اے ایمان والو! کئی گنا سود مت کھاؤ۔

لیکن ان کا یہ استدلال قطعاً بے بنیاد ہے۔ علمائے کرام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوتے لکھا ہے کہ حرمت ربا کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ابتدار میں ربا کی سب سے بدترین صورت کو اس آیت سے حرام کیا گیا۔ اس کے بعد دوسری آیات نازل ہوئیں۔ جن سے ہر قسم کی ربا کی ممانعت کر دی گئی۔ اصلاحِ احوال میں تدریج کی حکمتِ عملی قرآنِ کریم کا دستور ہے۔ شراب کی حرمت، میراث کا قانون اور کئی دیگر احکام میں بھی اس حکمتِ عملی کو اپنایا گیا ہے تاکہ لوگوں کو ان احکام کی بجا آوری میں آسانی ہو نیز علماً نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ قید (اضعافا مضعفۃ) حکم کی شرعی قید نہیں کہ اگر یہ قید پائی جائے، تو سود کی حرمت ثابت ہو۔ اور اگر نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہ پایا جاتے۔ بلکہ اضعافا مضعفۃ سے امر واقع کی طرف اشارہ ہے۔ اور ربا کی مختلف صورتیں جو ان کے ہاں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک قبیح ترین صورت کا ذکر کر دیا گیا، قرآنِ کریم میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جہاں ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ وہاں ارشاد ہے؛

و ربائبکم اللاتی فی حجورکم، یعنی تمھاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمھاری

Marfat.com

گود میں پرورش پائیں۔ وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ بیوی کی بیٹی کی حرمت کے لیے فی حجورکم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ اگر وہ گود میں پرورش نہ پائے۔ تب بھی وہ حرام ہے۔ یہاں محض ذکر واضح ہے۔ یہ قید شرعی نہیں کہ اس کے فقدان سے حرمت، حلت میں بدل جائے۔

ایک اور آیت شریفہ ملاحظہ ہو:

لا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا۔ یعنی میری آیتوں کو قلیل قیمت پر مت فروخت کرو۔ کوئی شخص بھی یہ آیت پڑھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ تھوڑی قیمت پر آیات الٰہیہ کو فروخت کرنا تو منع ہے، لیکن زیادہ قیمت پر اگر انہیں فروخت کر دیا جائے، تو کوئی حرج نہیں معلوم ہوا کہ ثمنا قلیلا اس حکم کے لیے قید شرعی نہیں۔ اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی (اضعافا مضعفہ) کے الفاظ حرمت کے لیے شرعی قید نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی صاحب اس پر مصر ہوں کہ یہ قید شرعی ہے۔ اور فقط وہی سود حرام ہے۔ جو (اضعافا مضعفۃ) ہو، تو ہم ان کو زحمت دیں گے کہ وہ ان الفاظ کا ترجمہ ہمیں سمجھائیں۔ جہاں تک ہمارا علم ہے۔ اضعاف جمع ہے۔ اس کا واحد ضعف ہے۔ ضعف کا معنی دوگنا ہے۔ عربی زبان میں جمع کا اطلاق کم از کم واحد کے تین افراد پر ہوتا ہے۔ تو سو کا ضعف یعنی دوگنا دو صد ہوا۔ اضعاف جمع ہے کم از کم تین دوگنے چھ سو اور مضعفۃ، اس کا بھی دوگنا بارہ سو۔ اگر ان کی اس توجیہہ کو درست مان لیا جائے تو قرآن کریم کے الفاظ کا یہ معنی ہوگا کہ اصل زر پر چھ سو یا بارہ سو گنا سود حرام ہے۔ اس سے کم مقدار میں سود حرام نہیں بلکہ شیرِ مادر کی طرح حلال بھی ہے، اور خوشگوار بھی۔ خود انصاف فرمائیے کہ قرآن کریم کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے

Marfat.com

اتنی شرح سود پر تو کوئی پتھر دل بنیا اور بے رحم مہاجن بھی سود نہیں لیا کرتا۔ اسلام جو رب العالمین کا دین ہے۔ کیا آپ ایسے دین کو ایک لالچی، سنگدل اور خون آشام بنئے سے بھی زیادہ بے رحم ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ کچھ تو غور کیجئے۔ کچھ تو انصاف سے کام لیجئے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات اور بے شمار صحیح احادیث نبویہ کی روشنی میں کسی ادنیٰ جھجک کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر طرح کا سود حرام ہے۔ خواہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اضعافا مضعفة ہو۔ یا اس سے کم نجی ضروریات کے لیے ہو یا کاروباری مقاصد کے لیے ان میں کوئی فرق نہیں۔

شریعت اسلامیہ نے کئی اور چیزوں کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن جس شدت سے قرآن کریم نے سود کی حرمت کو بیان کیا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔ فرمان خداوندی ہے: فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله و رسوله وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔

ترجمہ: اگر تم سود کو نہیں چھوڑو گے، تو پھر خداوند کریم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اور اگر تم توبہ کرو تو تمہیں صرف اپنا اصل زر لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

آیت کا آخری جملہ "لا تظلمون ولا تظلمون" اسلامی نظام معیشت کی بنیاد ہے، وان تبتم کے جملہ سے ہر قسم کے سود کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی وہ توبہ کرنے والا صرف اپنا راس المال لینے کا حقدار ہے۔ اس سے زیادہ ایک پائی بھی وہ نہیں لے سکتا اور آیت کے ابتدائی جملہ میں جس اعلان جنگ کا ذکر ہے۔ اس کا کون متحمل

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لغتِ عرب اور اہلِ عرب کے نزدیک قرض پر ہر زیادتی کو سود شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ قرآن کریم نے سود کو اپنی تمام صورتوں کے ساتھ قطعاً حرام کر دیا۔

(ب) وہ احکام جو قرآن کریم کی آیات بینات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرے۔ سود کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ جدید معاشی تقاضوں کی آڑ لے کر سود کی تعریف بدلی نہیں جا سکتی۔ اگر یہ دروازہ ایک مرتبہ کھول دیا گیا تو تمام قوانینِ اسلامیہ کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ تحریف کا ایک ایسا سیلاب امڈ آئے گا جس کو روکنا محال ہو جائے گا۔ اور شریعتِ اسلامیہ کے سارے خدوخال محو جائیں گے۔

نئے تقاضوں کو آڑ بنا کر احکامِ شرعیہ پر دستِ تعدی دراز کرنے والے اتنا تو غور کریں کہ قرآنی احکام کسی ایسے مقنن کے بنائے ہوئے نہیں جس کا علم محدود ہو جس کی نظر حال پر تو ہو، لیکن مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے تغیرات اس پر مخفی ہوں، بلکہ یہ کتاب اس ذات باری کی ہے۔ جو عالم الغیب والشہادت اور بکل شیئ علیم کی صفت سے متصف ہے۔ اس کے سامنے غیب و شہادت، حال و استقبال یکساں طور پر عیاں ہیں جس سے کائنات کی کوئی تبدیلی اور حالات کا کوئی تقاضا مخفی نہیں۔ بلکہ جو تبدیلی رونما ہوتی ہے، جو حالات جنم لیتے ہیں۔ وہ سب اس کے حکم سے رونما ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۲ :

کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق :

Marfat.com

(۱) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا

(۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

جواب نمبر ا

جس طرح دو مسلمان افراد کے درمیان سود کا لین دین حرام ہے۔ اسی طرح دو مسلمان ریاستوں کے درمیان بھی سودی کاروبار جائز نہیں آزاد اور با اختیار اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں سودی نظام کو بدل ڈالیں۔ ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گی۔ اور ایسے ممالک میں بسنے والے عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کو مجبور کریں اور قانونی ذرائع سے زور ڈالیں کہ وہ ملک میں سود کی لعنت کو ختم کریں۔

با اختیار حکومتوں کا تو یہ فرض ہے لیکن وہاں بسنے والے افراد اور کاروباری ادارے معذور تصور ہوں گے۔ اور اس درمیانی عرصہ میں بنکوں کے ذریعے کاروبار جاری رکھ سکتے ہیں۔

ب ۲: ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمان افراد دارالحرب میں حربیوں کے ساتھ سودی کاروبار میں شرکت کرتے ہیں۔ اس کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ دارالحرب کی حکومت اور وہاں کے افراد جس قسم کا برتاؤ ہمارے ساتھ کریں گے۔ اسی قسم کا برتاؤ ہم ان کے ساتھ کرنے کے مجاز ہیں۔ فقہا کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر غیر مسلم حکومتیں ہمارے تاجروں کے تجارتی اموال پر کوئی کسٹم ڈیوٹی وصول کرتی ہے تو

Marfat.com

ہم بھی ان کے تاجروں سے کسٹم ڈیوٹی وصول کرنے کے مجاز ہیں. اور اگر وہ ہم سے وصول نہیں کرتے، تو ہمیں بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ان تاجروں کے تجارتی اموال پر کسٹم ڈیوٹی وصول کریں۔ اس کے علاوہ اور وجوہات بھی ہیں۔ جو کتب فقہ میں شرح وبسط سے بیان کر دی گئی ہیں۔

سوال نمبر۳۔

حکومت قومی ضروریات کے لیے جو قرضے جاری کرتی ہے۔ کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟

جواب

سود قطعاً حرام ہے۔ جس کو کسی قیمت پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا حکومت کو اگر قومی ضروریات کے لیے قرض درکار ہو تو اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ وہ قرضے جو منفعت بخش کاموں کے لیے دیئے جاتے ہیں، مثلاً کاروباری ادارے، صنعتیں وغیرہ، اس صورت میں جو لوگ روپیہ قرض دیں۔ ان کو حصہ دار کی حیثیت سے شامل کیا جائے اور ان اداروں سے جو نفع حاصل ہو اس نفع کی مناسب شرح ان حصہ داروں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ یہی نفع لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر لوگ کمپنیوں کے حصص بڑے شوق سے خریدتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حکومت کے کاروباری منصوبوں میں وہ حصہ دار بننے میں کمال شوق کا مظاہرہ نہ کریں۔

البتہ حکومت کو بسا اوقات ایسے منصوبوں کے لیے بھی قرضہ لینا پڑتا ہے۔ جو کاروباری نوعیت کے نہیں ہوتے، مثلاً سڑکیں، پلیں، ہسپتال اور دیگر رفاعی ادارے یا اسلحہ سازی کے کارخانے ان مقاصد کے لیے حکومت جو قرض لے اس پر سود لینا

Marfat.com

اور دینا حرام ہے۔

میرا خیال ہے، اگر لوگوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ ان کا سرمایہ محفوظ رہے گا اور سرکاری اعلےٰ افسران اسے اللّوں تللّوں میں ضائع نہیں کریں گے۔ نیز جب انھیں ضرورت پڑے گی، تو انھیں وہ رقم فوراً مل جائے گی، تو لوگ حکومت کو قرضہ حسنہ دینے میں قطعاً کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔ اب بھی کروڑوں روپیہ بنکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع ہے جن پر ان کے مالک کوئی سود وصول نہیں کرتے۔ جب لوگوں کو اپنی حکومت پر اعتماد ہوگا، اور حکومت کو ضروری مقاصد کے لیے روپیہ درکار ہوگا، تو لوگ قرضِ حسنہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

سوال نمبر۴

کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری نظام ممکن ہے، اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا جواز کن مفروضات پر مبنی ہے؟

جواب

غیر سودی بنکاری نظام قائم کرنا بلاشبہ ممکن ہے۔ اس کے لیے فقط عزم اور پختہ ایمان کی ضرورت ہے۔ ایک مروجہ نظام کو نئے سانچے میں ڈھالتے وقت طرح طرح کی دشواریوں کا پیش آنا ایک قدرتی بات ہے، لیکن اہلِ عزیمت ان دشواریوں سے گھبراتے نہیں، بلکہ غور و تدبّر اور جدّ و جہد سے وہ ان دشواریوں پر قابو پا لیتے ہیں۔ موجودہ بنکاری کا نظام عرصہ دراز سے مروج ہے۔ کارکن عملہ اس کے قواعد و ضوابط کا خوگر اور عادی ہو چکا ہے۔ جو لوگ بنکوں سے لین دین کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کے نظام کار سے اچھی طرح مانوس ہیں۔ جب بنک کے موجودہ ڈھانچہ کو آپ بدلیں گے،

Marfat.com

اور اسے اسلامی قالب میں ڈھالیں گے، تو پیش آنے والی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے عزم و ثبات، ہمت و جرأت سے کام لینا پڑے گا۔ کارکن عملہ کو نئے قواعد و ضوابط سے مانوس کرنا بھی ایک کٹھن کام ہے، لیکن یہ ساری دشواریاں بہت کم عرصہ میں ناپید ہو جائیں گی۔

لوگوں کو جب معلوم ہو گا کہ اب انھیں صرف چند فی صد سود پر ہی ٹرخا نہیں دیا جائے گا، بلکہ جس کاروبار میں انتظامیہ ان کا سرمایہ لگائے گی اس سے جو نفع حاصل ہو گا اس میں سے انھیں بھی مناسب حصہ ملے گا، تو آپ یقین جانیئے، لوگ اپنا سارا سرمایہ بنکوں کے حوالے کر دیں گے۔ سود سے بچنے کے لیے آج کل جو لوگ کرنٹ اکاونٹ میں اپنا روپیہ رکھتے ہیں، اس کا بھی معتد بہ حصہ وہ ڈیپازٹ اکاونٹ میں رکھیں گے۔ سرمایہ کی فراوانی سے کاروبار میں ترقی ہو گی اور سارے ملک میں خوشحالی کی ایسی لہر دوڑ جائے گی جس کا اس وقت اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں یقین اور اعتماد پیدا کرنا شرطِ اول ہے۔ انتظامیہ کا مخلص، سمجھ دار اور دیانتدار ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔

کاروبار میں جہاں نفع کی امید ہوتی ہے۔ وہاں نقصان کا اندیشہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نقصان سے بچنے کے لیے ہر سال نفع کی رقم سے ایک معقول حصہ بطور ریزرو فنڈ رکھ دیا جائے اور نقصان کی صورت میں اس فنڈ سے اس کی تلافی کر دی جائے۔ پوری احتیاط اور دیانتداری کے باوجود بھی اگر نقصان ہو، تو لوگ ایسے نقصان کو بخوشی قبول کر لیں گے، کیونکہ سالہا سال تک نفع بھی اس کو ملتا رہا ہے۔ یہ محض شیطانی خدشات ہیں کہ اگر بنک سود دینا بند کر دیں تو لوگ بنکوں میں اپنا روپیہ جمع نہیں کرائیں گے۔ اس

Marfat.com

موضوع پر کئی فضلا نے مفصل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ایک مرتبہ اگر حکومت ایسا کرنے کا پختہ عزم کرلے، تو تفصیلات طے کرنے کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ جو جیّد علماء، ماہرین معاشیات اور تجربہ کار بنکاروں پر مشتمل ہو۔ اور حکومت کے لیے ایسا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

سوال نمبر ۵

کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جا سکتا ہے؟

جواب

نجی اور سرکاری بنکاری میں سود کے حکم کے بارے میں کوئی تفاوت نہیں البتہ بنک جو خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے عوض وہ مناسب حق الخدمت وصول کر سکتے ہیں جن سے بنکوں کے اخراجات اور دوسری ضروریات کی کفالت ہو سکے۔

سوال نمبر ۶

کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیر نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارہ کو نامعلوم اور غیر تشریح شدہ مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جا سکتا ہے، اگر جواب اثبات میں ہے، تو اسلام کی رو سے ایسے ادارہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب

حکومت کے مملوکہ بنکوں کی مالک حکومت ہے۔ مرکز میں اس کی نمائندگی صدر اور وزیر اعظم کرتے ہیں اور صوبوں میں گورنر اور وزرائے اعلےٰ کرتے ہیں۔ ان حالات میں ایسے بنک کو مال مجہول المالک کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

سوال نمبر ۷: (الف)

آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار (Agent of Produc-Tion) قرار دیا جا سکتا ہے. اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جا سکتا ہے.

ب: اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے، تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

جواب

اسلام کا نظام افراط و تفریط سے مبرّا ہے. اس نظام میں ساری اہمیت نہ سرمایہ کو دی گئی ہے اور نہ صرف محنت کو عامل پیداوار قرار دیا گیا ہے. سرمایہ اور محنت مل کر پیداوار کا باعث بنتے ہیں. شریعتِ اسلامیہ میں مضاربت کے احکام ایسی بنیاد پر مرتب کیے گئے ہیں کہ ایک آدمی سرمایہ لگاتا ہے. دوسرا محنت کرتا ہے. اور دونوں حسب حال طے شدہ نسبت سے نفع تقسیم کر لیتے ہیں. شریعت اسلامیہ میں مکانوں کا کرایہ. زمین کو زراعت کے لیے ٹھیکہ پر دینا جائز ہے. سرمایہ کا حصہ پیداوار میں اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں فریق طے شدہ نسبت کے مطابق حصہ دار ہوں گے.

سوال نمبر ۸: (الف)

کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری اخراجات ادا کیے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقے سے چلانا ممکن ہے؟

Marfat.com

(ب) اگر مندرجہ ذیل سوال کا جواب نفی میں ہے، تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل حل تجویز کر سکتے ہیں؟

جواب

موجودہ اقتصادی حالات میں غیر ملکی تجارت کا تصور بھی بنکوں کے بغیر مشکل ہے لیکن ملکی تجارت کی روز افزوں ترقی میں بنک جو کردار انجام دے رہے ہیں وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ صرف تجارت کے میدان میں ہی نہیں، بلکہ صنعت و زراعت کی ترقی میں بھی بنکوں کو بے پناہ اخراجات کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ ان اخراجات کو ادا کرنے کے لیے سود کو استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں، البتہ بنک اپنی ضروریات کا مناسب معاوضہ اور حق الخدمت لے سکتے ہیں۔ اس طرح سود کے بغیر بھی وہ اپنی کارکردگی سے ملک کی اقتصادی ترقی میں گراں بہا خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۹

کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے؟

جواب

بعض حضرات نے بیمہ کو مطلقاً حرام ثابت کرنے کے لیے ناروا تکلفات کی زحمت گوارا کی ہے۔ کسی کو اس کو قمار کہا ہے۔ کسی نے اس کو شرط کا ایک فرد قرار دیا ہے۔ اور کسی نے اسے سودی کاروبار میں شمار کیا ہے، لیکن اگر تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر اصل حقیقت کا کھوج لگایا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد امداد باہمی کے زریں اصول پر ہے۔ قدیم تاریخ میں بھی ہمیں اس کی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں، مثلاً اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی فرد دوسرے قبیلہ کے کسی فرد کو قتل کر دیتا،

Marfat.com

اور مقتول کے وارث دیت لینے پر آمادہ ہو جاتے، تو دیت ادا کرنے کا سارا بوجھ قاتل پر نہ ڈال دیا جاتا بلکہ سارے قبیلے میں اسے مناسب طریقہ سے تقسیم کر دیا جاتا۔ اس طرح دیت بھی ادا ہو جاتی۔ اور قاتل پر بھی اتنا بوجھ نہ پڑتا۔ جو معاشی طور پر اسے تباہ کر کے رکھ دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستور کو پسند فرمایا۔ اور شریعتِ اسلامیہ میں اسے قانونی حیثیت دے دی گئی۔

آج کل حالات بدل گئے ہیں صنعتی انقلاب کے باعث قبیلہ کے افراد میں وہ پہلی ہم آہنگی اور تعلقات ختم ہو گئے ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر شخص الگ اور منفرد زندگی بسر کرنے کا خوگر بنتا جا رہا ہے۔ حوادث و خطرات کے امکانات روز افزوں ہیں۔ ان حالات میں جب کہ قبیلہ کے افراد مشکل وقت میں کسی کا تعاون کرنے اور اس کا بوجھ تقسیم کر لینے کے لیے قبائلی عصبیت کی بنیاد پر تیار نہیں ہوتے، تو کیا اب مصیبت زدہ افراد کو یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ ناگہانی حادثات میں آگے بڑھ کر ان کی امداد نہ کی جائے گی۔ اسلامی تعلیمات یقیناً اس کو قبول نہیں کرتیں۔

ارشاد الٰہی ہے: انما المومنون اخوۃ کہ مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

نیز حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المسلمون کالبنیان یشد بعضھم بعضا کہ مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں جس کی بعض اینٹیں دوسری اینٹوں کو سہارا دے رہی ہیں۔ اس لیے اگر امداد باہمی کی بنیاد پر متعدد افراد ایک ایسی انجمن بنالیں اور بالاقساط اس میں اپنی رضامندی سے سرمایہ جمع کرتے ہیں۔ اور باہمی طور پر یہ طے کر لیں کہ اگر اس انجمن کے اراکین میں سے کسی پر کوئی ناگہانی مصیبت آ جائے

Marfat.com

تو اس فنڈ سے اس کی امداد کی جائے گی، تو یہ چیز شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

اس دور میں سرمایہ کو منجمد کر کے رکھ دینا بھی قرین دانش مندی نہیں، لیکن اسے سودی کاروبار میں لگایا جائے بلکہ ایسے کاروبار میں لگایا جائے جو شرعاً جائز ہے اس سے جو نفع ہو اس میں سے ایک معقول حصہ ریزرو فنڈ کی صورت میں جمع کر لیا جائے۔ باقی نفع (حصص کے مطابق) تقسیم کر دیا جائے اور ناگہانی مصیبت یا حادثہ کا شکار ہونے والے شخص کو حسب معاہدہ اس زیرو فنڈ سے امداد دی جائے، تو اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔

موجودہ بیمہ کمپنیاں جمع کیے ہوئے سرمایہ کو کیونکہ سودی کاروبار میں لگاتی ہیں۔ اور سود کا کچھ حصہ لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور یہ شرعاً جائز نہیں۔ نیز بیمہ کرانے والا چند اقساط ادا کرنے کے بعد بقیہ قسطیں ادا نہ کرے، تو اس کی ادا شدہ قسطیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ شریعت اس حق تلفی کو بھی جائز قرار نہیں دیتی۔ موجودہ بیمہ کمپنیاں اگر ان ممنوعات سے اجتناب کریں تو پھر ان کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

آج کل حکومت کی طرف سے بعض محکموں میں جبراً ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ اس محکمہ کے ملازم بیمہ کرائیں، تو ان سے ملازمین گنہ گار نہیں ہوں گے۔ اس طرح اگر ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو۔ جان و مال کو ہر وقت خطرہ لاحق ہو تو شرعی قاعدہ کے مطابق بیمہ کرانا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۰

کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لیے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

Marfat.com

جواب

اگر قومی سرمایہ منفعت بخش منصوبوں میں لگایا جائے، تو ان سے حاصل ہونے والی منفعت کا کچھ حصہ سرمایہ جمع کرانے والوں کو دے دیا جائے، تو لوگوں کے لیے یہ بہت بڑی ترغیب ہے۔ غیر منفعت بخش منصوبوں پر خرچ کرنے کے لیے حکومت کو قرضہ درکار ہو، تو ایسے لوگوں کی یہاں کمی نہیں، جو بطیب خاطر حکومت کو قرضہ دینے پر آمادہ ہوں گے۔ صرف انہیں دو باتوں کی یقین دہانی ضروری ہے کہ حکومت کسی آرڈی ننس سے ان کی یہ رقم ضبط نہیں کرے گی۔ نیز جس وقت انہیں ضرورت ہوگی۔ انہیں فوری طور پر یہ رقم واپس کردی جائے گی۔ یہ دشواریاں صرف مغربی معاشرہ میں پیش آتی ہیں۔ جہاں ہر کام کے پس منظر میں خواہ ملکی اور قومی نوعیت کا ہو، مساوی منفعت کارفرما ہوتی ہے۔ اور سود لیے بغیر سرمایہ دار اپنی حکومت کو ایک پائی بھی دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ اسلامی معاشرہ مغربی معاشرہ سے مختلف نوعیت کا ہے۔ یہاں اگر حکومت ملکی مقاصد کے لیے قرضہ مانگے گی۔ تو لوگ دھڑا دھڑ قرضہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

سوال نمبر ۱۱ (الف)

ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنی پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کردی جاتی ہے، کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

ب: اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی جانب سے کچھ رقم کا اضافہ کرے، تو صورتِ حال کیا ہوگی؟

Marfat.com

جواب :

سود سرمایہ داری نظام کے اعصاب پر بری طرح سوار ہے۔ ان لوگوں کے لیے سود کے بغیر ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ ایک ملازم کی تنخواہ سے اس کا کچھ حصہ کاٹ کر پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ جو عام حالات میں اس کی ملازمت کے اختتام پر اسے دیا جاتا ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے موقع پر اسے بیک وقت معقول رقم مل جاتی ہے! اور اس سے وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز پورے اعتماد سے کر سکتا ہے۔ اگر کسی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اسے اس فنڈ کی ضرورت پڑ جاتی ہے، تو حکومت اسے اس کی رقم قرضہ کے نام سے دیتی ہے۔ اور پھر اس پر سود وصول کرتی ہے۔ وہ وصول کردہ سود پھر اس کے فنڈ میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں ان نامعقول الجھنوں کی قطعاً گنجائش نہیں۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ عام حالات میں ملازمت کے اختتام پر اس کا پراویڈنٹ فنڈ اسے یک مشت دے دیا جائے، لیکن اثنائے ملازمت اگر اسے ناگہاں طور پر روپیہ کی ضرورت پڑ جائے، تو اسے اس کی اپنی رقم سے روپیہ دیا جائے۔ اسے قرض تصور نہ کیا جائے! اور اس پر سود وصول نہ کیا جائے، لیکن اس پر یہ لازم قرار دے دیا جائے کہ وہ یہ رقم واپس کر دے گا تاکہ ملازمت کے اختتام پر وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے، یہ تو ہوئی صحیح تجویز!

موجودہ حالات میں اس کے پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم جمع ہوئی ہے۔ وہ اس کا مستحق ضرور ہوتا ہے، لیکن قبضہ میں آنے سے پہلے وہ اس کی ملکیت قرار نہیں دی جا سکتی۔ جب اس رقم سے کچھ روپیہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اس کے قبضہ میں

Marfat.com

آجائے گا، تو وہ رقم جس کا پہلے وہ مستحق تھا. اب وہ اس کا مالک بھی بن جائے گا اور اس میں جو اضافہ ہوگا. وہ اس کی اپنی ملک میں ہوگا اور اس پر ربا کی تعریف صادق نہیں آئے گی، کیونکہ یہاں ایک ہی شخص کے مال میں زیادتی ہو رہی ہے جب کہ ربا کی تحقیق کے لیے متعاقدین کا ہونا ضروری ہے۔

(ب) : اگر آجر (گورنمنٹ) پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی طرف سے کچھ رقم ملا دیتا ہے تو ہم اس کو تبرّع یا انعام قرار دیں گے۔ اسے سود نہیں کہا جائے گا۔ آجر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اجیر کو مقررہ اجرت سے جتنا چاہے زیادہ دے۔ آج کل اس کو بھی انٹرسٹ (سود) کہا جاتا ہے. جب تک سودی نظام برقرار رہے گا. ہم جائز بلکہ مستحسن تبرعات کو بھی سود کے ناپاک نام سے یاد کرتے رہیں گے۔ اسلامی نظام میں اس بات کی اجازت نہیں ہوگی. اجرت جب تک اجیر کو ملتی نہیں. وہ اس کی ملک میں نہیں آتی، بلکہ آجر کی ملک ہی تصور ہوگی. اور آجر کو اپنی ملک میں تصرف کا اختیار ہے۔ وہ سود کی بجائے آجر کو دو صد روپیہ دے، تو اسے کیوں منع کیا جائے۔ اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے حکومت اسے لاکھ سود کہے. شریعت اسے سود قرار نہیں دے گی۔

سوال نمبر ۱۲

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے، کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ کو ایک سوال میں جمع کرنا سوال مرتب کرنے والے کی نیک نیتی کو مشتبہ کر رہا ہے۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں جن کے

Marfat.com

بارے میں الگ الگ سوالات پوچھے جانا چاہیئے تھے۔سیونگ بنک اکاونٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے، وہ سود ہے اور قطعاً حرام ہے۔پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے حکومت جو رقم اپنے ملازمین کو دیتی ہے، اس کو سود کہنا غلط ہے۔درحقیقت وہ تبرع اور احسان ہے یا ملازم کی بہتر کارکردگی پر اس کا انعام ہے۔

سوال نمبر ۱۳

کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بنک اکاونٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

جواب

سیونگ بنک اکاونٹ جب سرے سے ہی ناجائز ہے، تو اس پر انعام بھی ناجائز ہوگا، لیکن انعامی بانڈ کا معاملہ جُدا ہے۔اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ قومی ضروریات کے لیے سرمایہ بطور قرض دینے میں ذوق وشوق کا مظاہرہ کریں۔میرے خیال میں کوئی حرج اس میں نہیں جس کی مثال ہمیں فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔کفار سے جہاد کرنے کے لیے گھوڑوں کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔لوگوں کو گھوڑے پالنے کی ترغیب دینے کے لیے اگر خلیفہ وقت انعامات دینے کا اعلان کرے، تو فقہ کی اصطلاح میں اسے "جعل" کہتے ہیں۔اور یہ جائز ہے۔اور خلیفہ ان انعامات کو بیت المال سے دینے کا مجاز ہے۔

اگر کفار سے جہاد کے لیے لوگوں کو گھوڑے پالنے کی انعام سے ترغیب دینا درست ہے، تو حکومت اگر غربت وافلاس، جہالت وبیماری کے خلاف جہاد کرنے کے لیے کارخانے، ڈیم، تعلیمی ادارے اور ہسپتال بنانے کے لیے قرض کی ضرورت محسوس کرے اور انعامات کے ذریعے لوگوں کو قرض دینے کا شوق دلائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

Marfat.com

"جعل" کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ہم اس کے جواز کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ انعامات قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اور قرعہ اندازی بھی شریعت میں جائز ہے، بلکہ جب بہت سے لوگ ایک چیز کے مساوی مستحق ہوں۔ اور ان میں سے کسی ایک کو یا چند کو دینا ہو، تو قرعہ اندازی بہترین طریقہ ہے۔ لیکن اگر کسی بانڈ پر انعام کے حکومت سود بھی ادا کرے تو اس کا حکم اس سے الگ ہوگا۔

سوال نمبر ۱۴

کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟

جواب:

عام طور پر یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت صرف نجی ضروریات کے لیے قرض لیا جاتا تھا۔ اور ایسے قرضوں پر ہی وہ اپنے قرض خواہوں کو بھاری سود ادا کیا کرتے تھے۔ کاروباری مقاصد کے لیے سودی قرض لینے کا اس وقت کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ ان کے نزدیک اس غیر ترقی یافتہ تمدن میں کاروبار اتنا وسیع نہ تھا کہ اس کو کامیابی سے چلانے کے لیے قرضہ کی ضرورت پڑے۔ اپنے اس غلط مفروضہ پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس سود کی حرمت کا ذکر ہے وہ وہی سود ہے۔ جو اس وقت رائج تھا۔ کاروباری مقاصد کے لیے نہ اس وقت سود قرض لیا جاتا تھا۔ اور نہ اس کی حرمت آیات قرآنی سے ثابت ہے۔

ان کا یہ مفروضہ سراسر غلط ہے حقیقتِ حال کے بالکل خلاف ہے۔ اور اس وقت کے حالات سے ان کی بے خبری کی دلیل ہے۔ اگر آپ نے کبھی جزیرۃ عرب کا نقشہ ملاحظہ

Marfat.com

فرمایا ہو۔ تو آپ کو علم ہو گا کہ مکہ مکرمہ اس تجارتی شاہراہ کے بالکل قریب تھا جو مشرق و مغرب کی باہمی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتی تھی۔ ان تجارتی سرگرمیوں میں اہل مکہ پیش پیش تھے اور تجارتی اغراض و مقاصد کے لیے سود پر قرضہ لینا اور دینا ان کے ہاں روزمرہ کا معمول تھا۔ قرآنِ کریم نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ نجی ضروریات اور کاروباری مقاصد کے لیے سود کے حکم میں کوئی امتیاز نہیں۔ سودی قرضوں کے نتائج بڑے بھیانک اور المناک ہیں۔ نجی ضروریات کے لیے دیا ہوا سودی قرض ایک فرد یا ایک گھرانہ کے لیے وبالِ جان ہوتا ہے، لیکن جو سودی قرض کاروباری مقاصد کے لیے دیا جاتا ہے اس سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ ملکی ثروت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، جس سے بے شمار مصائب و آلام رونما ہو جاتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ ایسی چیز کی اجازت نہیں دیتی، جو گوناگوں خرابیوں کا باعث ہو۔

سوال نمبر ۱۵

اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے، تو اسلامی نظامِ معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات استعمال کیے جائیں گے؟

جواب:

موجودہ دور میں جو لوگ بنکوں میں اپنا سرمایہ جمع کراتے ہیں۔ انھیں پانچ یا دس فیصد نفع دے کر ٹال دیا جاتا ہے۔ اگر بنکوں کا نظام مضاربت کے اصول پر قائم کیا جائے تو جو نفع حصہ داروں کو ملے گا۔ وہ موجودہ شرح سود سے کہیں زیادہ ہو گا۔ لوگ دھڑا دھڑ اپنا روپیہ بنکوں میں جمع کرائیں گے۔

Marfat.com

سودی نظام کی بالادستی کے باعث لوگ اس قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں کہ اگر سود بند کر دیا گیا، تو بنک خالی ہو جائیں گے اور اقتصادی ترقی کے سارے منصوبے ٹھپ ہو جائیں گے۔ ہم اسے حکومت اور بنک کاروں کی کاہلی اور تغافل کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس فاسد نظام کو بدلنے کے لیے جو ضروری اقدامات کرنے تھے ان سے وہ قاصر ہیں۔

سوال نمبر ۱۶

جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں، جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات "فرضی شرح سود" سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟

جواب :

جب ہم نظام معیشت کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں گے، تو اس وقت نہ حقیقی سود کی گنجائش رہے گی۔ اور نہ فرضی سود کی ضرورت محسوس ہو گی۔ اسلامی مملکت کو اس قسم کی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی جس کے باعث حقائق پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ حقیقت کچھ ہوتی ہے، اور بتایا کچھ جاتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com